



مقام الی حنیفہ

تالیف

امام اہلسنت شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ صفدریہ

نورسہ سیرۃ النبیؐ مکتبہ صفدریہ

وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهُ بِقَدَرٍ مِّنْهُمْ لِيُتَّبَعَ الْحَدِيثَ الَّذِي فِيهِ هُدًى لِّلرَّسُولِ (قرآن مجید)

وَدَبَّ حَامِلٌ فَتَقِيهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ الْحَدِيثَ (حدیث نمبر)
خدا رکھے بہت اوجھ ہے معیار نظر اس کا بوقت فیض جس نے اپنے بیگانے نہیں دیکھے

مقام الی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور علماء اسلام کے مٹھوس جوابات فقہ اور فقہان کی فضیلت اور اس کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے اور فقہاء صحابہؓ اور اہل کفر کی حدیث دانی اور فقہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مقام فقہ، حدیث اور علم کلام میں صریح حوالوں سے بتایا گیا ہے۔ نیز ان کی دیانت، امانت، استقامت اور ثقاہت پر واضح حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ ان پر مرجعہ، اہل الرائی، مخالفین اسلام و حدیث اور قلتِ عربیت وغیرہ کے جتنے اصولی اعتراضات قدیم و جدید پیش کیے گئے ہیں ان کے اصولی جوابات دیئے گئے ہیں اور اس میں معتزنین کا تعصب، عناد اور اجتہادی غلطی بھی آشکارا کی گئی ہے نیز ہدایہ فقہ حنفی کی دیگر کتب اور اصناف پر کیے گئے بعض اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بیسیوں ضمنی ابحاث میں جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں واللہ یقول الحق وَهُوَ بِهِنَّ السَّعِيلُ

احقر البوالزہد محمد سر فراز خاں صفدر
خطیب جامع گھڑمنڈی و مدرس مدرسہ نضرة العلوم کوہ الزاہر

ناش: مکتبہ صفدیہ مدرسہ نضرة العلوم نزد گھنٹہ گھر، کوہ الزاہر

جمہد حقوق بحق مکتبہ صفدیہ گوبر انوالہ محفوظ ہیں۔

طبع یازدہم جنوری ۲۰۰۷ء

نام کتاب _____ مقام اُبی حنیفہ
مصنف _____ ابو الزاہد حضرت مولانا محمد سرفراز خان دلم مجدہم
کتابت _____ محمد امان الشقادری
ناشر _____ مکتبہ صفدیہ نزد گھنڈ گھر گوبر انوالہ
مطبع _____ فائن بکس پرنٹرز، لاہور

قیمت _____ -/۱۲۰ (ایک سو بیس) روپے

ملنے کے لیے

- مکتبہ صفدیہ نزد گھنڈ گھر گوبر انوالہ
- مکتبہ امدادیہ ملستان
- مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی
- مکتبہ حقانیہ ملتان
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- مکتبہ مجیدیہ ملتان
- مکتبہ سید احمد رشید اردو بازار لاہور
- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد
- مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
- مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
- مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیورود مینگورہ
- دارالکتب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ لغمانیہ کبیہ مارکیٹ مکی مردت
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوبر انوالہ
- مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوبر انوالہ
- کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھر
- مکتبہ العلم اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۷	تفقہ فی الدین	۱۳	دیباچہ طبع سوم
۲۸	قرآن کریم میں تفقہ کی فضیلت	۱۴	تصدیقات اکابرین ملت و علمائے عظام امت معالیہم
۲۹	عدم تفقہ مذموم ہے	۱۵	حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۰	حدیث میں فقہ کا درجہ	۱۶	حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۱	حضرت امیر معاویہؓ کی حدیث	۲۰	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۲	حافظ ابن حجرؒ سے اس کی تشریح	۲۱	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۳	حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث	۲۲	حضرت مولانا محمد سلیم اللہ صاحب امت برکاتہم
۳۴	حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی حدیث	۲۳	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۵	ابن خلدونؒ کا حوالہ	۲۵	حضرت مولانا نظیر احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۶	حضرت جابر بن مطعمؓ کی حدیث	۲۵	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۷	ان کی حدیث صحیح بلکہ مشہور و متواتر ہے	۲۶	حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۸	امام حاکم، امام ذہبی، امام سیوطی اور نواب حاکم کے حوالہ سے	۲۷	حضرت مولانا فاضل شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۹	حضرت عمرؓ کا حوالہ	۲۸	حضرت مولانا سید امین الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۴۰	باب دوم	۲۹	حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۴۱	فقہ و روایت	۳۱	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۴۲	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا حوالہ	۳۳	سنبھالے گھنٹی
۴۳	ابو بکر بن عبد اللہ کا حوالہ		باب اول

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۶	امام شعبیؒ کا حوالہ	۴۶	امام احمد بن حنبلؒ کا حوالہ
۵۶	حافظ ابن القیمؒ کا بیان	۴۷	امام ابو ثورؒ کا درجہ
۵۶	نواب صاحبؒ کا بیان	۴۷	امام احمد بن حنبلؒ کا درجہ اجتہاد میں اقل تھا
۵۶	مولانا مبارکپوریؒ کا بیان	۴۷	حافظ ابو عمر بن عبد البرؒ کا حوالہ
۵۶	اصحاب عبد اللہ بن مسعود	۴۷	ایک فقہی مسئلہ میں محدثین کا جواب ہونا
۵۶	امام شعبیؒ کا مرتبہ	۴۸	امام ترمذیؒ کا حوالہ
۵۸	کوفہ میں صحابہ کرامؓ کا درود	۴۸	امام عیسیٰؒ کا حوالہ
۵۸	حضرت علیؓ کے بیشتر قضایا کوفہ میں ہوئے	۴۹	امام وکیع بن الجراحؒ کا حوالہ
۵۸	ان سے پہلے بھی کوفہ مکرر دین رہا	۴۹	علامہ حازمیؒ کا حوالہ
۵۹	کوفہ میں کتنے صحابہؓ فروکش ہوئے؟	۵۰	امام حاکمؒ کا حوالہ
۶۰	امام حاکمؒ، ابن سعدؒ، دولابیؒ، بخاریؒ اور سخاویؒ	۵۰	ہلال بن العلاء الرقیؒ کا حوالہ
۶۰	کوفہ محل الفضل رہا تھا۔ امام نوویؒ کا حوالہ	۵۱	امام ابن الجوزیؒ کا حوالہ
۶۰	سفیان بن عیینہؒ کا حوالہ	۵۱	حافظ ابن حجرؒ کا حوالہ
۶۱	ابن عساکرؒ کا حوالہ	۵۱	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا حوالہ
۶۱	محمد بن یسیرؒ کا حوالہ	۵۲	ابن خلدونؒ کا حوالہ
۶۱	محمد بن عثمان بن مسلمؒ کا حوالہ	۵۲	حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حوالہ
۶۲	محمد بن ابوبکر بن ابی داؤدؒ کا حوالہ	۵۲	نواب صاحبؒ کا حوالہ
۶۲	الاشیخ کون اور کیسے تھے؟	۵۳	مفسر ابن اسماعیل الشافعیؒ کا حوالہ
۶۲	حضرت امام بخاریؒ کا بیان	۵۳	فقہ سے کوئی چارہ نہیں
۶۳	حضرت امام احمدؒ کا بیان	۵۳	باب سوم
۶۳	اہل کوفہ اور علم حدیث	۵۵	فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم
۶۳	کیا اہل کوفہ کی حدیث میں فرق نہیں ہوتا؟	۵۵	امام سروج بن الایضؒ کا حوالہ

صفحہ	ضمائم	صفحہ	ضمائم
۶۳	علامہ ابن ندیم کا بیان	۶۳	اس کا جواب
۶۴	مجدد بن اثیر کا بیان	۶۴	جبر و محدثین نقل حدیث کے الفاظ میں زیادہ سختی نہیں کرتے
۶۴	حافظ ابن کثیر کا بیان	۶۵	قاضی عیاضؒ کا فطر عراقیؒ اور ابن حجرؒ کا بیان
۶۵	مؤرخ ابن خلدون کا بیان	۶۵	مؤلف نتائج التعلیق کی غلط بیانی
۶۶	ابن حجر مکی کا بیان	۶۶	امام دیکھ جا رہی کو ثقہ کہتے تھے
۶۷	حضرت امام شافعیؒ کا بیان	۶۷	اہل کوفہ سے کیا مراد ہے؟ مبارکپوری صاحبؒ
۶۸	حافظ الدین کردیؒ کا حوالہ	۶۸	مؤلف بغیر الکلام کا باطل دعویٰ کہ اہل کوفہ کی نقل ہی صحیح نہیں
۶۹	امام فضیل بن عیاضؒ کا بیان	۶۹	تذکرۃ الحفاظ کی پہلی جلد سے اہل کوفہ کے
۷۰	امام ابو یوسفؒ کا بیان	۷۰	حفاظ حدیث کی فہرست
۷۱	امام عیسیٰؒ کا اقتراہ	۷۱	باب چہارم
۷۲	عبد اللہ بن الدیسیس کا تادب	۷۲	امام صاحبؒ کا مقام علم کلام و فقہیت میں
۷۳	ابو عاصم النبیل کا بیان	۷۳	حضرت امام شافعیؒ کا حوالہ
۷۴	امام یزید بن ہرون کا بیان	۷۴	محدث ابن جریجؒ کا حوالہ
۷۵	امام تاج الدین سبکی کا بیان	۷۵	محدث مسقر بن کدوم کا حوالہ
۷۶	امام اوزاعیؒ اور عمریؒ کا بیان	۷۶	محدث اسرار سیل کا حوالہ
۷۷	امام عبد اللہ بن المبارک کا بیان	۷۷	ابو جعفر رازیؒ کا بیان
۷۸	عبد اللہ بن داؤد کا بیان	۷۸	علامہ ذہبیؒ کا بیان
۷۹	محمد بن بشر کا بیان	۷۹	امام عبد البرؒ کا بیان
۸۰	ابو نعیم کا بیان	۸۰	علامہ خطیب بغدادیؒ کا بیان
۸۱	عبد اللہ بن یزید ترمذیؒ کا بیان	۸۱	امام ابن معینؒ کا بیان
۸۲	مکی بن ابی ہریم کا بیان	۸۲	امام عبد الرحمن بن مہدیؒ کا بیان
۸۳	یحییٰ بن سعید القطان کا بیان	۸۳	امام حسن بن صالحؒ کا بیان

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۹۱	مگر وہ پھر بھی قاضی القضاۃ اور وزیر خزانہ نہ بنے	۸۱	یحییٰ بن معین کا بیان
۹۴	فتنہ کا مخلصانہ مشورہ	۸۲	سفیان بن عیینہ کا بیان
۹۵	امام حسن کو سزا دیتے وقت خاصے لوگ جمع کر دیے جاتے تھے	۸۳	ابراہیم بن عکرمہ المنخروچی کا بیان
۹۶	ابو جعفر منصف کے عہد میں بھی امام صاحب کو کوٹھل کی سزا دی گئی	۸۴	علامہ محمد طاہر کا بیان
۹۷	امام صاحب کو برہنہ کئے سزا دی جاتی تھی	۸۵	نواب صاحب کا بیان
۹۸	حضرت امام احمد کا تاثر	۸۶	مولانا محمد حنیف صاحب ندوی کا بیان
۹۹	جیل خانہ میں اذیت	۸۷	حضرت مولانا سید ندو حیدر حسین صاحب کا بیان
۱۰۰	قید خانہ ہی میں زبردستی زہر دیا گیا	۸۸	تابعی کیلئے محمد ابو الجہدیرث کے نزدیک روایت شرط نہیں ہے
۱۰۱	فقہ حنفی کی مقبولیت	۸۹	امام صاحب تابعی تھے، ابن ندیم
۱۰۲	اراکین شہودی	۹۰	امام صاحب کی بشارت حدیث میں
۱۰۳	امام صاحب کی وسعت نظر	۹۱	حضرت ابو ہریرہ کی حدیث
۱۰۴	تدوین کتب کا سہرا امام صاحب کے سر ہے	۹۲	امام سیوطی سے اس کی تشریح
۱۰۵	صدر الکتاب، امام سیوطی، ابن حجر مکی	۹۳	دین کا کیا مضموم ہے؟
۱۰۶	الفقہ الاکبر اور کتاب العلم والمعلّم وغیرہ صاحب کی تالیفات ہیں	۹۴	اس کی تشریح امام نووی شافعی سے
۱۰۷	امام ابن ندیم، وطیش بخاری زاہد	۹۵	حدیث بقرہ کا مصداق ابن حجر مکی سے
۱۰۸	باب الحج	۹۶	محمد معین سندھی سے
۱۰۹	حضرت امام صاحب اور علم حدیث	۹۷	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے
۱۱۰	امام ابن عبد البر کا حوالہ	۹۸	نواب صاحب سے
۱۱۱	محمد ثابین عدی کا حوالہ	۹۹	امام صاحب کی دیانت
۱۱۲	امام مکی بن ابراہیم کا حوالہ	۱۰۰	امام صاحب کی امانت
۱۱۳	امام علی بن مالک کا حوالہ	۱۰۱	امام صاحب کی استقامت
۱۱۴	امام ابو عبد الرحمن المقرئ کا حوالہ	۱۰۲	ابن ہبیر نے ایک دس گھنٹے امام صاحب کو لگائے تھے
۱۱۵	امام اسرائیل کا حوالہ		
۱۱۶	امام عیسیٰ بن یونس کا حوالہ		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۲۱	مولانا میر سیال کوٹلی صاحب	۱۱۲	امام عبداللہ بن داؤد الخرمی کا حوالہ
۱۲۲	نواب صاحب	۱۱۳	امام زفر کا بیان
۱۱	غنیۃ الطالبین کی عبارت کا محل	۱۱۴	محدث مجتہدین کلام کا بیان
۱۲۳	حنفی اہل سنت ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ	۱۱۵	امام یزید بن ہارون کا بیان
۱۲۴	مؤلف نتائج التقلید کا باطل دعوے	۱۱۶	امام یحییٰ بن معین القطان کا حوالہ
۱۲۵	امام صاحب حفاظ حدیث میں سے تھے	۱۱۷	کتاب الآثار امام البغویہ کی ہے
۱۲۶	علاقہ ذہبی۔ امام حاکم	۱۱۸	محدثین کرام کے نزدیک حدیث سے حدیث کی تعلق دہلی جاتی ہے
۱۲۷	حافظ الصالحی الشافعی	۱۱۹	امام ابراہیم بن سعید الجعفی سے
۱۲۸	شیخ الاسلام ابن تیمیہ	۱۲۰	کُل صحیح احادیث کی تعداد؟
۱۲۹	امام خلیف تبریزی	۱۲۱	امام صاحب نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں
۱۳۰	ابن حجر مکی	۱۲۲	امام کی تصانیف سے کیا مراد ہے؟
۱۳۱	ابن خلدون	۱۲۳	احکام الاحکام اطلاق کی کتاب ہے۔
۱۳۲	مؤلف نتائج التقلید کا نزلہ تصبیب	۱۲۴	فقہ حنفی کی بنیاد احادیث و آثار پر قائم ہے۔
۱۳۳	حضرت امام البغویہ کی ثقاہت	۱۲۵	کتاب الآثار ضمیمہ جلد ہے
۱۳۴	امام علی بن المدینی سے	۱۲۶	امام صاحب ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث میں تھے
۱۳۵	امام یحییٰ بن معین سے	۱۲۷	امام ابو داؤد کا حوالہ
۱۳۶	مؤلف ذخیر الخلفاء اور نتائج التقلید کا انتہائی تعصب	۱۲۸	عبدالکبیر شہرستانی کا حوالہ
۱۳۷	حدیث میں احتیاط	۱۲۹	فرقہ مرجیہ
۱۳۸	امام یحییٰ بن معین سے	۱۳۰	ارجار کا معنی؟
۱۳۹	سفیان ثوری سے	۱۳۱	امام صاحب اور آپ کے جمہور اصحاب
۱۴۰	ابو یوسف سے	۱۳۲	کس معنی میں مرجیہ تھے؟
۱۴۱	علی بن الجعد سے	۱۳۳	ابن عبدالبر۔ شاہ ولی اللہ صاحب

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۴۹	امام صاحب اور آپ کے اصحاب پر بیڑہ کھینے کا حکم؟	۱۳۴	دیکھ بن الجراح سے
۱۵۰	علامہ خطیب بغدادی کے پیرس کردہ خوابوں کا حال؟	"	حدیث کے لیے امام صاحب کی شرط
۱۵۱	خواب کا شرعی حکم	"	علامہ قرشی، ابن حجر مکی، شعرائی اور سیوطی سے
۱۵۲	امام نووی، علامہ عینی اور مبارکپوری صاحب سے	۱۳۵	امام بخاری، ابن العربی، جن حدیث کے استدلال کے قائل نہ تھے
۱۵۳	امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی تائید میں خواب	"	جمہور ان کے ساتھ متفق نہیں ہوئے
۱۵۸	امام صاحب کا اہل الرائے ہونا	"	حماد بن سنان سے ایک ہزار حسن حدیث مروی ہے
۱۵۹	رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۳۶	امام صاحب کی شرطیں کٹری ہیں مولانا مبارکپوری صاحب
"	مغرب اور صراح کا حوالہ	۱۳۷	احترام حدیث و حقیقت حدیثیں
۱۶۰	فتح الملہم اور نہایہ وغیرہ کا حوالہ	۱۳۹	قلت حدیث کا الزام
"	جمع البحار اور مرقات کا حوالہ	"	ابن خلدون کا مفصل حوالہ
۱۶۱	امام ربیعہ الرائی	۱۴۰	الحافظ الصالحی کا مفصل حوالہ
۱۶۲	شہرستانی کا حوالہ	"	صحابہ کرام میں مکرر اور مکرر کا ذکر
۱۶۳	ابن خلدون کا حوالہ	۱۴۲	غلطی کا سبب
	امام احمد بن حنبل کے مقلد کیوں کہیں؟	۱۴۳	محقق ابن خلدون سے
۱۶۹	ابن خلدون اور نواب صاحب سے	۱۴۴	حضرت امام شافعی، قتیل الحدیث تھے
۱۶۷	حضرت مجدد الف ثانی کا حوالہ	۱۴۵	الوجہ قائم اور عجلی کا حوالہ
۱۷۰	اصحاب الرائے کا معنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے	۱۴۶	امام صاحب پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا الزام
۱۷۱	حضرت مجدد الف ثانی سے	۱۴۷	نیزم بن حماد کا مرتبہ
۱۷۱	اہل الرائے اور حضرت بھی تھے	"	مولانا میر صاحب کی بیان
"	کیا رائے کے بغیر حدیث سمجھی جاسکتی ہے؟	۱۴۸	امام صاحب کے مخالفین کا انجام
۱۷۲	امام محمد اور ابن حجر مکی سے	"	مولانا حافظ عبد المنان صاحب کا حوالہ
۱۷۳	حضرت علی کا ارشاد	"	مولانا میر صاحب کا چشم دید واقعہ

صفحہ	تضامین	صفحہ	تضامین
۱۹۷	عبداللہ بن داؤد الخرمی سے	۱۷۲	حدیث سے رائے کی عمدگی کا ثبوت
۱۹۸	قاضی الحسن بن عمارہ سے	۱۷۵	یہ حدیث صحیح بلکہ مشہور اور متواتر ہے
۱۹۸	امام ابن حنین اور ابن عبد البر سے	۱۷۷	ایک اور حدیث سے رائے کا ثبوت
	باب ششم		حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
۲۰۱	مذہب رائے		حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
	قرآن میں رائے استعمال کرنا	۱۷۹	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
۲۰۲	یُقِیْمُوْنَ اَلْمَوَئِیَّۃَ بِرَیْسِہِم اور اس کا حال		حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
۲۰۳	اولاد سبا کی حدیث		حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
۲۰۳	اِنَّکُمْ وَاَصْحَابُ الدِّیْنِ کا اثر	۱۸۰	حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
	کون سی رائے اور قیاس مذہب یا محمود ہے؟		حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
	متعدد حوالوں سے اس کا ثبوت		قیاس شرعی حجت ہے
۲۰۵	حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر	۱۸۲	امام صاحب کس وقت رائے قائم کرتے تھے
۲۰۶	حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اثر		خود ان کا اپنا بیان
۲۰۷	حضرت امام بیہقی کا فیصلہ	۱۸۳	ابن حجر مکی کا علامہ ذہبی اور شحرانی کا
۲۰۸	مجتہد کو بصورت خطا بھی ایک اجزات ہے	۱۸۵	دیگر متعدد حوالے
۲۰۹	رافضی کا قول کہ مذاہب اربعہ نواہیاد ہیں۔	۱۹۰	"اہل الرائے ہونا موجب قدر نہیں" ابن حجر مکی سے
۲۱۰	شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مسکت بحواب	۱۹۱	امام شحرانی کے حوالے سے
۲۱۱	علامہ بدر الدین عینی کا حوالہ	۱۹۲	مختار واحد قیاس پر مقدم علامہ ضحکی، شامی کا
	علامہ شاطبی کا حوالہ	۱۹۵	شاہ ولی اللہ صاحب کے تقلید واجب اور علم کی علامت
۲۱۳	ترک رائے دوسری صدی کی بدعت ہے	۱۹۷	"ضعیف حدیث بھی رائے پر مقدم ہے"
۲۱۳	ابن عبدالبر کا بیان		علامہ ابن حزم وغیرہ سے
۲۱۴	قاضی شوکانی کا بیان		امام صاحب پر حاسدین نے کلام کیا ہے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۲۱	حضرت علیؓ اور امام بخاریؒ نے بھی موت کی آرزو کی تھی	۲۱۵	امام شافعیؒ کا حوالہ
۲۲۲	کہنے والوں میں قرآن کریم پڑھنا چاہیے؟	۲۱۶	امام صاحب پر مخالفت حدیث کا الزام
۲۲۳	متعدد حضرات کیلئے ہی راست میں قرآن ختم کر دیا کرتے تھے	۲۱۷	ایسا ہی الزام حضرت امام بخاریؒ اور {
۲۲۳	حضرت امام بخاریؒ کا بھی یہی معمول تھا	۲۱۸	ابن العربیؒ پر بھی عائد ہو سکتا ہے }
۲۲۳	کہ بہت کے درجات	۲۱۹	اور امام مالکؒ پر بھی
۲۲۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے	۲۲۰	اور امام شافعیؒ پر بھی
۲۲۵	مشورہ کے قبول کرنے، نہ کرنا حکم	۲۲۱	کیا امام ویسؒ بن الجراح نے امام صاحب {
۲۲۶	اُمراء لشکر کو اپنے حکم پر فیصلہ کرنے کا امر	۲۲۲	کو مخالفت حدیث کہا ہے؟
۲۲۷	اہل ظاہر کا بے معنی جمود اور اس کی مثال امام {	۲۲۳	الساہیؒ کا کیا مقام ہے؟
۲۲۸	نورویؒ اور ابن دقیق العیدؒ سے	۲۲۴	متعصب کی حرج کا قاعدہ امام سبکیؒ سے
۲۲۹	الحاصل	۲۲۵	امام دیلمیؒ کا امام صاحب پر اعتماد
۲۳۰	امام صاحب پر ارجاء قیاس اور رائے کا اعتراض	۲۲۶	اشعار بدن کا مسئلہ اور اس کی تحقیق
۲۳۱	امام ابن عبد البرؒ ہی سے اس کا جواب	۲۲۷	امام ابن ابی شیبہؒ کے اعتراضات کا جواب
۲۳۲	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا حوالہ	۲۲۸	باب ہفتم
۲۳۳	امام حاکم، البیہقی، البیہقی اور {	۲۲۹	مخالفت حدیث کی ایک نفیس بحث
۲۳۴	خطیب بغدادیؒ متعصب ہیں {	۲۳۰	بنو قریظہ میں عصر کی نماز پڑھنے کا حکم
۲۳۵	القومی، الریحانی اور ابن الجوزیؒ سے	۲۳۱	حضرت ماکورؒ کا واقعہ
۲۳۶	حافظ ابن حجر مکیؒ	۲۳۲	ایک لوندی کا واقعہ
۲۳۷	امام خطیبؒ پر ابن الجوزیؒ کی کڑی حرج	۲۳۳	صلح حدیبیہ کا واقعہ
۲۳۸	علامہ ذہبیؒ کا مطلق فیصلہ	۲۳۴	صوم الدھر کا حکم
۲۳۹	باب ہشتم	۲۳۵	خصائل فطرت کا بیان
۲۴۰	ایک لطیف بحث	۲۳۶	موت کی آرزو کرنے کا حکم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۷۰	رجوع الحدیث	۲۵۸	”فقہ حنفی کے سب مسائل اہم صاحب کے فرمودہ نہیں“ مرزا حیرت صاحب سے
”	علامہ خطیب بغدادیؒ کا تعصب	”	کیا کتب فقہ میں کمزور مسائل کی وجہ سے فقہ کا انکار کر دینا چاہیے؟
”	حافظ الصالحی الشافعیؒ سے	”	کیا موضوع اور جھوٹی حدیثوں کی بنا پر سب حدیثوں کو ترک کر دیا جائے گا؟
۲۷۱	امام دارقطنیؒ اور ابو نعیم کا تعصب	”	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے
”	ابن عبد السادی الحنبلیؒ سے	”	مؤلف نکتہ التقلید کا صاحب ہدایہؒ
”	امام دارقطنیؒ اور علامہ خطیبؒ	”	اور علامہ زلیعیؒ پر غصہ اور اس کا جواب
”	کا تعصب علامہ محمد بن سید	”	درایہ نصب الرایہ کی تخصیص ہے
۲۷۲	علامہ السخاوی الشافعیؒ کا ناطق فیصلہ	۲۵۹	مشکوٰۃ اور حجتہ اللہ میں بھی جعلی حدیث موجود ہے
۲۷۳	امام ابن خلدکانؒ کا حوالہ	۲۶۰	غنیۃ الطالبین اور احیاء العلوم میں جعلی حدیثوں کی بھرمار
”	اہم صاحب پر قلت عربیت کا اعتراض	”	ابن ماجہ میں بھی جعلی حدیثیں موجود ہیں
۲۷۴	اسکا منکرت جواب حافظ محمد بن ابراہیم الوزیریؒ سے	۲۶۱	مسند احمد میں بھی موجود ہیں
۲۷۵	مؤلف حقیقت الفقه کلبے کا تعصب	۲۶۲	حق کہ نسائی اور ابوداؤد میں بھی جعلی حدیث موجود ہے
”	اس کا دندان شکن جواب	”	تقصیر تضعیف بھی اجتہادی امر ہے
۲۷۸	کیا احناف میں بھی کوئی ولی ہوا ہے؟	۲۶۳	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے
۲۷۹	حنفی مسئلے کا مقام مشرکین کا دارالندوہ تھا	۲۶۴	اگر محدثین کی تقلید گمراہی نہیں تو فقہاء کی تقلید کیوں گمراہی ہے؟
”	اس کا جواب	”	کتب فقہ اور ہدایہ کا مقام
۲۸۰	ایک اور اعتراض اور اس کا جواب	”	نواب صاحبؒ اور میر صاحبؒ سے
۲۸۱	غیر متقدمین حضرات کے شیخ الکل	۲۶۵	اور مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ سے
”	حضرت میاں صاحبؒ نے اپنے اساتذہ	”	
”	پر اعتماد رکھنے والے کو مردود کیا ہے	”	
۲۸۲	کیا اصحاب ابی حنیفہ نصاریٰ کے مشابہ ہیں؟	۲۶۶	
”	اس کا جواب	۲۶۸	

دیباچہ

طبع سوم

مُبْسِلًا وَمُحَمَّدٌ لَأَوْ مُصَلِّيًا: اَمَّا بَعْدُ: اللہ تعالیٰ کا ارب اور
 کھرب دفعہ شکر ہے کہ اُس نے مجھ جیسے بے بضاعت انسان کو یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ
 سراج الامة، نادرۃ زمان محدث کبیر، حافظ حدیث، سید الفقہاء، مجاہد عظیم، رأس الاقطیاء،
 حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا علمی اور عملی مقام بیان کرنے کے علاوہ ان پر قدیم و حدیثاً
 کیے گئے اہم اعتراضات کے باحوالہ ٹھوس اور مسکت جوابات اس پیش نظر کتاب میں ضمیمہ طور پر
 میں لائے، راقم کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ اس کو ایسی اعلیٰ مقبولیت حاصل ہوگی کہ اکابر علماء کرام
 اس کو بے حد پسند کریں گے، اور اس پر دو تحمیں دیں گے لیکن قارئین کرام تصدیقات علماء کرام
 میں اس کتاب کے بارے پاک دہندہ کے اکابر ملت کے بیانات اور تصدیقات پڑھیں گے تو
 ضرور یہ محسوس کریں گے کہ اس موضوع پر یہ کتاب بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہی معلومات افزا اور
 تحقیقی ہے حتیٰ کہ مؤلف نتائج التعلیل (جن کے رد میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور جواب جو ہم
 ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے گناہوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے آمین) یہ
 لکھنے پر مجبور تھے ہیں کہ :- ان میں ایک تو مولانا مولوی محمد رفیع صاحب لکھنؤی ہیں جو اپنی
 علمی قابلیت، و مسعت معلومات اور تدریسی و تصنیفی شہرت کے اعتبار سے دیوبندیوں میں خاصے
 معروف و مشہور ہیں بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ عہد حاضر کے فن مخالف (یعنی فن تحقیق کیونکہ

رکھ لیا ہے نام اُس کا آسمان تحریر میں۔ صفدر کے امام مجتہد ہیں تو درست و صحیح ہے چنانچہ ان کی تصنیف احسن الکلام ان کی مجتہدیت اور فنی کمالات پر شاہد ہے نہ صرف یہی بلکہ نتائج التقلید کے جواب میں مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ اور طائفہ منصورہ میں جس انداز سے فنی کمالات کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان کا ایسا شاہکار ہے کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر شاید ہی پیدا ہو (بلقلم مقام بلخ ص ۳) موصوف نے آگے اپنی اس کتاب میں چند مقامات میں گھگھڑی صاحب کا عنوان اختیار کر کے مقام ابی حنیفہؒ کی کچھ نامکمل اور اوصوری عبارتیں بھی نقل کی ہیں اور پھر بزرگم خورش ان پر تنقید کی ہے بے جاسی بھی کی ہے لیکن پوری دیانت کے ساتھ عرض ہے کہ اس تنقید میں بخود دل کی بھڑاس نکالنے کے کوئی علمی اور تحقیقی جان نہیں ہے اور ہمارے پاس اتنی فرصت نہیں کہ ہم پہلے ان کی پیش کردہ تنقید میں جان ڈالیں اور پھر اس کی تردید کریں، ہم ہر منصف مزاج سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی بے وزن تنقید کا خود ہی انصاف سے جائزہ فرمالیں کہ کیا علمی اور تحقیقی طور پر اس کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے؟ ہاں ان کی اس کتاب میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو علوم کے لیے موجب شہاب ہو سکتی ہیں اور ان کا جواب بھی ضرور ہونا چاہیے لیکن ان باتوں کا تعلق اس پیش نظر کتاب مقام ابی حنیفہؒ سے نہیں بلکہ تقلید وغیرہ دیگر پہلوؤں سے ہے انشاء اللہ ان کا جائزہ الکلام المنسید وغیرہ میں لیا جائے گا، اس کتاب میں غیر متعلق امور چھیڑ کر ہم قارئین کرام کے اذعان کو بلاوجہ مشتوش نہیں کرنا چاہتے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق اور اہل حق سے وابستہ رکھے آمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ و جمیع متبعیہ الی یوم الدین۔

احقر النکس ابو الزاہد

۹ ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ

۶ فروری ۱۹۷۰ء

پاک و ہند کے مشہور مقتدر اور جلیل القدر علما کرام کی

تصدیقات

(۱)

استاذ العلماء۔ راس المحققین سابق وزیر معارف شرعیہ ریاست ملتان و شیخ التفسیر
دار العلوم دیوبند شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل و حالاً شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور
حضرت مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
کتاب مندرجہ صدر حضرت مولانا ابوالزہاد محمد سر فراز صاحب کی تصنیف ہے جو نفع التعلیم
کے جواب میں لکھی گئی ہے، یہ حقیقت ہے کہ جو شخصیت جس قدر باکمال اور مقبول عند اللہ ہوتی
ہے، اسی تناسب سے ان کے حاسدوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے، صبحی محمسانیؒ نے اپنی کتاب
”فلسفۃ التشریع فی الاسلام“ میں لکھا ہے کہ منفیوں کی تعداد جملہ عالم اسلام کی دو تہائی ہے،
مالکیوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے، شافعیوں کی تعداد دوس کروڑ، حنبلیوں کی تعداد تیس لاکھ
ہے، یہ ایک شافعی مصنف کی رائے ہے، اس سے امام موصوفؒ کی مقبولیت عند اللہ کا اندازہ
لگائیے، امام ابن تیمیہ شامیؒ نے امام صاحبؒ پر امام بخاریؒ کے اعتراض کے سلسلے میں بالکل
درست لکھا ہے کہ لا یدری شجرتہ جنتہ۔ امام ابو حنیفہؒ پر مخالفین کے جملہ اعتراضات کا خلاصہ تین
امور ہیں۔ (۱) فقہ اور رائے کی طرف ان کا انتساب (۲) دوم قلت حدیث کا الزام (۳)
قیاس رائے کو حدیث پر ترجیح دینا اور فقہ پر اعتراض۔ زیر نظر کتاب اٹھ ابواب پر مشتمل ہے،
پہلے تین ابواب میں فقہ کا شرعاً محمود اور مطلوب ہونا ثابت کیا گیا جس کے لیے قرآنی آیات و

احادیث و تعامل صحابہ سے استدلال کیا گیا اور نقول کا پورا ذخیرہ پیش کیا گیا ہے۔ جو تھے باب میں زور و دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مقام علم کلام و فقہ میں تمام ائمہ سے بلند تھا۔ باب ششم و ہفتم و ہشتم میں مخالفت حدیث اور رائے مذمومہ سے امام ابو حنیفہ کی بڑی تامل طریقہ سے ثابت کی گئی ہے۔ ان امور کے پیش نظر یہ کتاب مخالفین کے تمام اعتراضات کی جڑ کاٹنے اور امام ابو حنیفہ کے اصلی مقام کو واضح کرنے میں لاجواب ہے، ان امور کے علاوہ ضمنی طور پر یہ کتاب دیگر نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہے جس کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ امام موصوف پر اعتراض کرنا آفتاب پر حقہ کرنے کا مترادف ہے، خداوند تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے۔

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ / ۶ ستمبر ۱۹۶۲ء

شمس الحق افغانی عفا اللہ اکید می علوم اسلامیہ کوئٹہ

(۲)

استاذ الاساتذہ۔ سند العلماء۔ سید المناظرین علامہ دوران

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

مدیر عربیہ غیر المدارس عثمان (معربی پاکستان)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله نحمده وفضل على رسوله الكريم وعلى آله واصحابه واتباعه

الى يوم الدين، اجعين،

اتابعه !

سیدنا امام الائمہ سرسراج الائمہ امام عظیم حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف مخصوصہ، علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت، امانت و اجتہاد وغیرہ جس طرح تمام اہل ایمان میں ستم ہیں، اسی طرح آپ کی شان محمدیہ، حدیث دانی، حدیث فہمی بھی ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اس لیے ایک شخص کی علمی خوبیوں کے لیے اس کی درس گاہ، انصاب تعلیم، اس کے فہم و فراست، اس کے شیوخ و اساتذہ، جلیل القدر تلامذہ، امت مسلمہ کی شہادت پر نظر کرنا اس کی جلالت شان کے لیے کافی ثبوت ہے۔

سیدنا امام عظیم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ دارالعلوم کوفہ محترمہ تھا۔ جس کے سرپرست اعلیٰ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ اور اس کے صدر مدرس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ اور دونوں حضرات کے علوم حدیث و فقہ پر امام ابو حنیفہ کے مذہب کی بنیاد تھی۔ چنانچہ سراج المند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶ میں فرماتے ہیں وکان ابو حنیفہ الزمہم بمذہب ابراہیم الخثعمی واقربانہ یعنی حضرت ابراہیم نخعیؒ اور ان کے اقران کے مذہب کو امام ابو حنیفہؒ زیادہ لازم پکڑنے والے تھے۔ اور ص ۱۱۵ میں فرماتے ہیں۔ واصل مذہبہ فتاویٰ عبد اللہ بن مسعود وقضایا علی وفتاواہ وقضایا شیخ وغیرہ من قضاء الکوفۃ اہ۔ یعنی ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود کے فتوے اور حضرت علیؒ کے فیصلے اور فتوے اور قاضی شریحؒ وغیرہ کے فیصلے تھے۔

اور حضرت علیؒ و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق علامہ ابن قیم اعلم الموقعین ص ۱۸۶ میں امام مسروقؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

عن مسروق شامت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمہم ینتہی الی ستۃ علیؒ وعبد اللہ وعمر و زید بن ثابت و ابی الدرداء و ابی بن کعب۔ ثم شامت الستۃ فوجدت علمہم انتہی الی علیؒ وعبد اللہ۔ اھ

یعنی حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو دیکھا تو سب کا علم (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہوا تھا) چھ صحابہؓ میں موجود پایا۔ پھر ان چھ کو جانچا تو ان کا علم حضرت علیؒ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں پایا۔

حضرت علیؒ تو باب علم ہی ہیں۔ ان کا تو کہنا ہی کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم و فضل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اعما د تھا کہ آپ نے ان کو چار سندوں سے نوازا تھا۔ سید قرآن، سید حدیث، سید فقہ، سید سیاست، اور لوگوں کو ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ اور مسائل تمام حدیث کے مطابق ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلویؒ اپنے مکاشفات میں لکھتے ہیں۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقتۃ ینتہی اوفق

الطرق بالسنة المعدوفة التي جمعت ولقحت في زمان البخاري واصحابه (بعض فضلاء المؤمنين)
یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں مجھے خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے معلوم کرایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عیوڈ طریقہ ہے کہ وہ زیادہ موافق ہے سنت نبوی مشہور کے جو
جمع کی گئی ہیں امام بخاریؒ اور ان کے زمانہ میں۔

اس زمانہ میں نصاب تعلیم بھی قرآن و حدیث تھا۔ فنون کا رواج بعد میں درس گاہوں میں ہوا
ہے اور فہم و فراست امام ابو حنیفہؒ کا معروف ہے۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں :-
لَمْ يَكُنْ ذَلِكُمْ بِاللَّهِ مَا سَمِعْنَا أَحْسَنَ مِنْ ذَلِكَ ابْنِ حَنِيفَةَ ۱۱۔ یعنی اللہ کی قسم ہم جھوٹ نہیں لیتے۔
ہم نے امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے کوئی اعلیٰ رائے والا سنا بھی نہیں۔ ایسی حدیث کی جامع اور ماہر شخصیتوں کی
درس گاہ جس کا نصاب تعلیم قرآن و حدیث ہو کبھی حدیث سے خالی ہو سکتی ہے؟ امام عظیم ابو حنیفہؒ نے
اسی درس گاہ میں پڑھا دیا۔ بھلا اس بابرکت درس گاہ کے طالب علم اور مدرس حدیث سے
ناداقت ہو سکتے ہیں؟ فی اللعجب۔

شیوخ و اساتذہ امام ابو حنیفہؒ کا بر محدثین تابعین، امام شعبیؒ، سلمہ بن کبیلؒ، محارب بن واثارؒ، امام
باقر وغیرہ جیسے تھے، حسن بن زیادہؒ کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ چار ہزار احادیث روایت کرتے تھے دیوہڑ
حادثے سے دو ہزار باقی شیوخ سے۔ امام عظیم ابو حنیفہؒ کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے صرف
وہ شاہیر محدثین جن کو امام صاحب سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، وہ بھی کافی ہیں۔ حافظ ابوالحسن شافعیؒ
نے ۹۱۸ شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ جن میں بعض کے نام یہ ہیں: یحییٰ بن سعید القطانؒ، عبد اللہ
بن المبارکؒ، یحییٰ بن زکریاؒ، وکیع بن جراحؒ، یزید بن ماروانؒ، حفص بن غیاثؒ، ابو عامر النبیلؒ، عبد الرزاقؒ
بن الہمامؒ، وغیرہ وغیرہ۔

پہلا مشاہیر محدثین اساتذہ کرام اور نقاد حدیث تلامذہ عظام سمجھنے والا اور خود صاحب فہم و فراست
حدیث کے خالی ہو سکتے ہیں؟ فی اللعجب۔ جس کی حدیث دانی اور حدیث فہمی کی ہزاروں شہادتیں موجود
ہوں۔ مگر ہم ان میں سے ایک شہادت مذہب اہل حدیث کے مجدد و نواب صدیق حسن جان صاحب
قنوجیؒ کی امام عظیمؒ کے کبار محدثین میں سے ہونے کی دلیل خود علامہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں :-

وَيَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ مِنَ الْمُجْتَهِدِينَ فِي بَلْوِ الْحَدِيثِ اعْتِمَادُ مَذْهَبِهِ بَيْنَهُمْ وَالتَّعْوِيلُ عَلَيْهِ وَاعْتِبَارُ

مذاق قبولاً۔ اہم (المطلہ ص ۲۳) یعنی اہم ابوحنیفہ کبار محدثین میں شمار ہیں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد و اعتبار کر کے موافق و مخالف رد و قبول کی طرف متوجہ ہیں۔

غیر متقلدین نے حمد و عداوت یا ان کے مدارک علمیہ سے ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے اہم ابوحنیفہ پر قلت حدیث کا اعتراض کیا۔ اور ان کے احتیاط فی الروات کو دیکھ کر ان کے ہنر کو عیب سمجھا جس کے جواب میں یہی کہنا کافی ہے۔

گر نہ بیند بروز شپہ چشیم!
چشمہ آفتاب را چہ گناہ!

مکرم محترم ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ علامۃ العصر حضرت مولانا ابوالواہد محمد سر فراز خان صاحب خطیب جامع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ نے (مقام حضرت اہم ابوحنیفہ) لکھ کر ایک طرف تو اہم ابوحنیفہ کے ساتھ عقیدت مندی اور محبت و مودت کا اظہار کیا۔ تو دوسری طرف غیر متقلدین کے تمام اعتراضات اور شبہات و مناقشات کا دندان شکن نہایت مانت اور تسلی سے عالمانہ جواب دے کر عام احناف پر احسان کیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے۔ اور دنیا و آخرت میں ان کی صدق نیت اور اخلاص سے بڑھ کر اپنی رضا و قرب عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں موافقین اور مخالفین سے التجاہ ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ بنظر انصاف ایک مرتبہ ضرور کریں اور تعصب مذہبی کو اس میں دخل نہ دیں۔ امید ہے کہ ان شواہد شمیہ کے ہوتے کوئی انصاف پسند سراج الائمہ امام اللہ حضرت اہم اعظم اہم ابوحنیفہ کے متعلق غلط فہمی یا ناواقفیت سے خیالات فاسدہ جمائے ہوئے ہیں۔ سبب کا فور ہو جائیں گے۔ اور حق واضح ہونے کے بعد فوراً اس کو قبول کریں گے اور اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کرنے میں عار نہیں محسوس کریں گے۔

من آنچه شرط بلاغ است باتو میگویم
تو از نصیحت من پندگیری و خواه ملال!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ہتم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

شیخ المتقول والمنقول مابہر علم حدیث و طبقات الرجال محقق دوران —

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب الاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

فاضل محترم مولانا سر فر از خان صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ وعافاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے مسئلہ رسالوں کو بغور پڑھا، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، ماشاء اللہ، آپ حضرت علم اہل مذہب کی خدمت کا فرض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں، ہمیں بھی رسالے قابلِ قدر ہیں، مگر یہ مقام حضرت اہم ابو حنیفہؒ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، اہم عالی مقام سے بغض رکھنے والوں کی الزام تراشیوں کا ایسا وندان شکن و مسکت جواب آپ نے دیا ہے، اور اس سلسلہ میں ان کی فریب کاریوں کا پردہ اس طرح چاک کیا ہے، کہ اس کے بعد کسی حیا دار کو اس قسم کی حرکتوں کی جرأت نہیں ہو سکتی، پھر ٹری خوبی یہ ہے کہ اس سخت مرحلہ پر بھی سنجیدگی و متانت کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی صحت و تندرستی کو برقرار رکھے، اور خدمت دین و مذہب کی مزید توفیق عطا

فرمائے۔

حبیب الرحمن الاظمی

مسودہ عظم مخطوطہ، ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۸۲ھ

(۴)

فقیرہ دوراں مفتی عظیم پاکستان و سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد رفیع صاحب نور اللہ مرقدہ

علامہ محترم مولانا ابوالزہرہ سرفراز صاحب دارالافتاء علیہ بقائے بالخیر
السلام علیکم ورحمۃ اللہ بہ محترم کی کتاب مقام حضرت امام ابو حنیفہ وصول ہوئی اور ساتھ ہی گرامی نامہ بھی
بہت افسوس ہے کہ جواب بہت دیر سے ملے رہا ہوں، اتنی دیر کہ عذر کا ذکر بھی اب فضول معلوم
ہوتا ہے۔

آنحضرت کی تصنیف لطیف احسن الکلام اس سے پہلے نظر نواز ہو چکی تھی اس لیے اس کے
معاملہ میں کچھ زیادہ تنقید و مطالعہ کی ضرورت نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ میں ایسے ہنگامی مشاغل
میں شب و روز مبتلا ہو گیا ہوں کہ پہلی کتاب کو بھی جتہ جتہ کہیں کہیں سے دیکھا تھا اور اس کو بھی
اسی طرح، مگر اس کتاب پر کوئی تبصرہ لکھنے کے لیے دل نے یہ چاہا کہ پوری طرح دیکھ کر لکھا جائے
وجہ یہ تھی کہ میں خود امام عظیم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت عرصہ سے محسوس
کر رہا تھا اور اس کے لیے کچھ علمی مواد بھی جمع کر رکھا تھا مگر انہیں وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا
کہ اس کو کتابی صورت میں مرتب کر سکوں اس لیے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت یوں پڑی کہ اگر اس کتاب
نے وہ مقصد پورا کر دیا تو اپنے قلب داغ کو اس سے فارغ کر لوں اور سب کو اسی کے مطالعہ کا شوق
دوں، مطالعہ کے لیے وقت ملتا نہیں۔ اس لیے میں نے اپنے دارالعلوم کے ایک فاضل عالم مدرس
حدیث مولانا سلیم اللہ صاحب کو سپرد کیا کہ پورا مطالعہ کر کے مجھے کیفیت سے مطلع فرمادیں، آج انہوں
نے پورے مطالعہ کے بعد جس اطمینان کا اظہار کیا اس سے بیحد مسرت ہوئی اب خود بھی کتاب کو
مختلف مقامات سے پڑھا بار بار دل سے دعا نکلی، بھلا اللہ میری آرزو پوری ہو گئی بلا مبالغہ عرض ہے
کہ میں خود کہتا تو ایسی جامع کتاب نہ لکھ سکتا۔ اس موضوع پر یہ کتاب بالکل کافی شافی ہے، مولانا
موصوف سے بھی احقر نے ان کی رائے لکھوائی ہے، وہ بھی مرسل ہے مجھے اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔

خدا کرے یہ کتاب زیادہ سے زیادہ شائع ہو کر مفید غلاتق بنے۔ والسلام
بندرہ محمد شعیب عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

(۵)

عالم علوم عقیدہ و نقلیہ حضرت مولانا محمد سلیم اللہ صاحب امت محالیہم قسم جامعہ فاروقیہ ٹرک گاؤں کپری
نحمدہ ونصل علی رسولہ الکریم :- احقر نے مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ کو از اول تا آخر
بغور مطالعہ کیا ہے، اس کے مصنف مولانا ابوالزادہ محمد سرفراز کی بعض دوسری کتب بھی احقر کے
مطالعہ میں رہی ہیں، مولانا موصوف کا تصنیفی انداز بہت سہجہ ہوا اور تحقیقی ہوتا ہے، وہ عام طور پر
دقیق علمی مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں اور نہایت سلیقہ اور خوبصورتی کے ساتھ اہل حق کی تائید میں قرآن و سنت
اقوال صحابہ و ائمہ تابعین و فقہاء سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

”مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ میں مصنف کا روئے سخن غیر مقلدین کی طرف ہے۔ اس جماعت
کی دریدہ ذہنی فہمائے امت کی شان میں گستاخی اور استنزاء، ان پر بے بنیاد الزامات کے حملے
روزمرہ کی بات ہو گئی ہے، پھر چونکہ سرتاج فہمائے سید الطائفہ امام الامہ حضرت ابوحنیفہؒ کی فقہ ہمارے
دیار میں رائج اور معمول بہ ہے، اس لیے غیر مقلدین کا زور طعن و تشنیع زیادہ اسی بزرگ امام پر صرف ہوتا
ہے، اس لیے مصنف نے امام عظیم کی شان تقویٰ و ورع اور علمی مقام ان کی مجتہدانہ خصوصیات، اور
علم فقہ و حدیث و کلام میں ان کی امامت کو نہایت مستند اور ناقابل انکار شواہد اور حوالجات کے ساتھ
پیش کیا ہے، اسی ضمن میں متعدد اصولی و فروعی دقیق مباحث پر بھی سیر حاصل کلام کیا گیا ہے، مثلاً
فقہ واجتہاد کی اہمیت فہمائے کوفہ اور و ہاں کے محدثین تفصیلی تعارف ”رأی“ کا صحیح مفہوم اور اس
کی شرعی و عرفی حیثیت امام عظیم کے یہاں رائے و قیاس کے اعتبار کا صحیح معیار اور حدیث کا خواہ وہ
ضعیف ہی ہو رائے پر رحمان جیسے بہت سے مسائل زیر بحث آگئے ہیں۔ مخالفین نے امام ابوحنیفہؒ
پر جس قدر اعتراضات کئے ہیں، ان کے کافی و شافی جوابات دیے گئے ہیں، ہر جگہ علماء اہل حدیث
کے اقوال کو بھی تائید میں پیش کیا گیا ہے، معتزضین کے تعصب اور کج فہمی کو آشکار کرتے ہوئے

قدتی طور پر مصنف کا لہجہ تیز ہو جاتا ہے مگر وہ بھل سنبھل کر اس سے بچ سکتے ہیں اور عام طور پر غیر متقدمین کی زبان میں گفتگو کرنے ہی سے پرہیز کرتے ہیں لیکن اہل حق کے ذوق کے مطابق اگر لہجہ میں بالکل بھی تیزی نہ ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا بہر کیف ان کا یہ علمی شاہکار قابل صد آفریں ہے، حق تعالیٰ اس کو ان کے لیے فیخیرہ آخرت اور دوسروں کے لیے سامان ہدایت فرمائیں، آمین۔ فقط

محمد سید محمد عفی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۵ ۸۴ ھ

(۶)

عالم تحریر جامع اصول و فروع۔ مصنف بارع۔ فائق علی الاقران نمونہ اکابر

حضرت الشیخ محمد یونس صاحب بنوری نور اللہ مقدر

سابق مستمدر سترہ العربیہ۔ نیوٹاون کراچی ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام على سيدنا محمد سيد الانبياء والمرسلين وصحبه
وتبعه اجمعين

مقابلہ

اس پُر آشوب دور میں جہاں شعائر اسلام اور شعائر دین کا استخفاف روزمرہ کے مشاغل بن گئے ہوں اور دین اسلام داخلی و خارجی فتنوں سے ہلکانہ ہوا اسلام کے نام سے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی ہو، کتاب و سنت و احادیث نبویہ کی تحریف و انکار کے فتنے زور و شور سے ملک میں پھیل رہے ہوں اور اسلام کے نام سے پورا کھڑا مسلط کیا جا رہا ہو، اس قسم کے پُر فتن دور میں بعض حضرات اور ناعاقبت اندیش افراد کا یہ مشغلہ کتنا تکلیف دہ ہے کہ امام دین حضرت امام عظیم ابوحنیفہؒ کو طعن و تشنیع بنانے میں پوری قوت و توانائی خرچ ہو رہی ہو یا صدیق و فاروقؓ کی تکفیر و سب و شتم میں طعن و تشنیع ہو رہی ہو، گویا مدعیان اسلام اور خیر خواہان دین محمدی کے جہاد کے لیے یہی میدان رہ گیا ہے انا لله وانا اليه راجعون۔

اسی دردناک داستان کی ایک کڑی وہ کتاب ہے جو نتائج التقلید کے نام سے تصنیف

کی گئی ہے جس میں عرصہ دراز کے متعفن و خلاف واقعہ اکاذیب کو جدید سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک عرصہ سے علماء امت ان کا استیصال کر کے دفن چکے تھے، اور ایک ہزار برس تک ان پر خاک افشانی کرتے رہے اسلام کے اس نازک دور میں کفر و الحاد و کمیونزم کے دور میں ان غیر واقعی افسانوں کو علمی تحقیقات کا رنگ دے کر اس کی اشاعت کرنا کتنا دردناک نظر ہے۔

مثل هذا يذوب القلب عن كمد ان كان في القلب اسلام و ايمان

جناب محترم مولانا محمد سرفراز صاحب بارک اللہ فی حیاتہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوفوں نے ان خرافات کا عالمانہ و محققانہ جواب دیا اور مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ، تالیف فرما کر امت محمدیہ کی طرف سے فرض کفایہ کا حق نمایاں خوش اسلوبی سے ادا کیا مولانا کا اسم گرامی تو عرصہ سے کانوں میں پڑتا رہا، لیکن ان کو سمجھنے کا موقع اس کتاب سے ملا۔ اکثر حصہ حرفا حرفا دیکھا ماشاء اللہ امام اعظم رحمہ اللہ کے مختلف گوشے فقہ میں نادرہ عالم اور فقہ امت ہونے کے نقول حفظ حدیث و وقت نظر کثرت مرویات، قلت روایت کا منشاء اور احتیاط فی الروایۃ اہل الرائے کی تحقیق وغیرہ وغیرہ کثرت ہی موضوعات پر موثوق مآخذ سے غزیر النقول آگئے اور تقریباً اکثر ابجاث پر استیفاء کے ساتھ سیر حاصل تبصرہ بصیرت افروز محققانہ انداز سے ہو گیا اور معتز ضمین و ناقدین کے شکوک و شبہات و دساوس و ادوہام کا نہایت خوش اسلوبی سے استیصال کیا گیا انداز تحریر عالمانہ ہے، اردو و شگفتہ ہے اسلوب بیان مثر ہے کہیں کہیں ادبیانہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ خدمت قبول فرمائے، اور ثمر و نافع بنائے، اور مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۲۸ صفر الخیر ۱۴۲۲ھ

(۷)

استاذ العلماء المحققین۔ محقق نبیل، محدث جلیل، ماہر علوم اسلامیہ
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ
سابق شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہیاء سندھ پاکستان

کرمی۔ اشکام علیکم درجۃ اللہ۔

آپ کی کتاب مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ موصول ہوئی، اسی وقت سے اس کو پڑھنا اور دیکھنا
شروع کیا، تمام تو نہیں دیکھ سکا، مگر اہم مقامات کو دیکھا، ماشاء اللہ آپ نے خوب لکھا ہے اور مضامین
کے اعتراضات کا کھوکھلا پن اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے، امام عالی مقام کا علم حدیث میں مرتبہ علیا اور
راستی اور اہل الاثری کا صحیح درجہ خوب واضح فرمایا ہے، جزاک اللہ تعالیٰ عنہا وعن سائر المسلمين خیر الجزاء والسلام
ظفر احمد عثمانی حفظہ اللہ عنہ

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہیاء سندھ

۲۸ صفر ۱۳۸۲ھ

(۸)

شیخ المشائخ۔ عالم نبیل۔ ماہر لڑ شریعت، پیر طریقت
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب گسر گودھوی قسطنطنیہ

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على خاتم الانبياء، وعلى آله المجتبى واصحابه

النجباء والائمة الهدى خصوصاً على ابي حنيفة المشيخ محدث لوهان العلل بالنبيا

بما بعد :-

احقر نے کتاب مستطاب مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بغور و نظر معائنہ مطالعہ کیا ہے ساختہ
زبان سے نکلا مثل هذا فليعمل العاملون، جمل جوں کتاب کو آگے دیکھا، شوق مطالعہ
دامگیر ہوتا گیا کہ لاك يفعل الرجل البصير۔ حضرت مصنف دامت معالیہ و دور حاضر کے
محققین مصنفین میں سے شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اس لاجواب کتاب میں جو عرق ریزی اور جانفشانی سے
خدا داد قابلیت کا اظہار فرمایا، چنانچہ باید و مصنف را شاید، بآب زر باید نوشتن خصوصاً باب ششم و

باب ہفتم باب کوڑ بایہ نوشت۔ ایسے جو ہر پائے جمع فرمائے ہیں جو اسفار کے دیکھنے سے کم نصیب ہیں، جس موضوع میں کتاب لکھی گئی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، روزِ مطاعن میں وہ دن لکھن جواب ہیں۔ کہ قلم توڑ کر رکھ دی جائے۔ علاوہ انہیں افادیت کتاب کی شان یہ ہے کہ گویا تاریخ و اسامہ الرجال کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اہل علم حضرات اس کتاب سے مستغنی نہ ہوں۔ بہت معلومات عجیبہ انکشافات غریبہ پائیں گے۔ دعا ہے کہ خدائے قدوس اس محنت کو منظور فرمادیں اور حضرت مصنف کے لیے باعثِ رفع درجات ہو۔ جزاءہ اللہ عنا خیر الجزاء وجعل لمحات حیاتہ فی تقویۃ شریعتہ العلیا۔ وَصَّیْہُ اٰخِرَتَہُ خَیْرًا مِّنْ اٰلِہٖ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا ذٰلَکَ عَلَی اللّٰہِ بَعِیْزٌ

احقر خادم الطلبہ
محمد شفیع عفی عنہ، از سرگودھا

(۹)

عالم باعمل۔ نور سلف حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از احقر عبد اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ رشیدیہ ساہیوال

مکرم محترم حضرت علامہ مولانا صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والا نامہ اور ہدیہ کتاب مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسطور فرمایا،
میں حیران تھا کہ میں کیا اور میری رائے کیا، میں نے تو کبھی کوئی تقریظ یا کوئی مضمون کبھی نہیں لکھا، مجھ
کو لکھنے کا سلیقہ ہی نہیں، اور میں کوئی عالم بھی نہیں، یونہی بزرگوں اور احباب کی شفقت میں کہ پردہ
پوشی ہو رہی ہے کتاب کا مطالعہ کیا، بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ کتاب کے مطالعہ نے میری بہت
اصلاح کی میں خود بعض گھنچکوں میں تھا، گو محمد اللہ بخشنے تو کبھی نہ ہوئی مگر جواب تفصیلی سے جاہل
تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ جزا خیر عطا فرماوے، آپ کے لیے دل سے دعا نکل رہی ہے۔

احقر عبد اللہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

(۱۰)

استاذ العلماء۔ قائد جماعت حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث جامعہ صلیبیہ عہدہ پورہ۔ گوہر انوار

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى ————— اما بعد

احقر حضرت مولانا ابوالزہاد محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب (مقام امام البوصیفہ) اپنی کم فرستی کے باعث بالاستیعاب تو نہ دیکھ سکا، اس کے کچھ حصہ دیکھے جس سے یہ عرض کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ صاحب موصوف نے اہل علم کو اس کی باحسن طریق رہنمائی کر دی کہ امامنا امام البوصیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم فضل، زہد، تقویٰ، اخلاص، عمل، خوف آخرت، اجتناب عن العیوب والذنوب اور تبعہ عن ابناء الدین والدین والملوک اور خشیۃ اللہ والتوکل علی اللہ الغرض ہر علمی اور عملی خوبی جو ایک اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے میں بعد الانبیاء پائی جاسکتی ہے، آپ اس سے موصوف ہیں (آفتاب آمد دلیل آفتاب) اور امام موصوف پر زبان طعن دراز کرنے والے آفتاب کی طرف تھوک ہے میں بہ

حد والفتی اذ لعینوا فضله فالتاس اعداء له وخصومه !

كفرائهم الحسنة قلن لوجهها حسدا و بغيا انت لدمية

سو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب ہذا کی سعی مشکور اور عمل ماجور اور غرضیں مستور فرمائے اور آپ کو اپنے امثال میں اسی طرح روشن کرے جس طرح انہوں نے سراج الامۃ کی روشنی لوگوں پر واضح کی ہے خصوصاً اس زمانے میں جب کہ کئی ایک لوگوں نے یہ دستور بنا رکھا ہے کہ تخریر اور ہدایت الخوٹھ کر صحیح بخاری اور مسلم میں مہارت کے مدعی بن بیٹھتے ہیں اور ائمہ دین و مجال علوم کی وہ توہین اور مذمت کرتے ہیں کہ کوئی نیک دل مسلمان اس کے سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔
فالی اللہ المستعجل۔

(الجنس الدین عفی عنہ ناظم مدرس جامعہ صلیبیہ عہدہ پورہ گوہر انوار)

(۱۱)

علم حقانی، معنی جلیل حضرت امام سید امین الحق صاحب خطیب جامع شیخ فرزند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اما بعد۔ بندہ احقر نے کتاب مقام ابو حنیفہ مصنف محترم المقام فاضل جلیل صاحب بصیرت صاحب تحقیق حضرت مولانا ابوالزادہ محمد سرفراز خان صاحب صفدر کو از اول تا آخر ایک ایک سطر دیکھا کتاب مذکور متلاشیان حق کے لیے بصیرت اور مشعل ہدایت ہے حضرت مولانا موصوف نے کتاب سنت میں فقہ اور فقہاء کی ضرورت اور خصوصاً فقہ حنفیہ کی ترجیح اور تقدیم کی وجہ پر بہتر، لطیف اور مبسوط فرمائی ہے متقدمین اور متاخرین فقہاء اور محدثین میں سراج الامت امام ابو حنیفہ کی علم حدیث میں امامت و عظمت اور علم فقہ میں فضل و تقدم کو امت مسلمہ کے معروف اور مقبول امام حدیث اور فقہ کے مستند اور صحیح اقوال و آراء سے ظاہر فرمایا ہے، اور علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کے فضل و تفوق کے متعصب بد زبان معاند کو نہایت متین و بخیرہ زبان میں مکت اور دندان شکن آخری جواب دیا ہے، اور نتائج التقلید کے مولف اور دیگر اس قسم کے اندھے اور بد مزاج غمیم قلدین کی تلبیسات کا پردہ چاک کر دیا ہے، حضرت مولانا موصوف نے مقام امام ابو حنیفہ میں علم اور فہم و حزم کی بلند یوں میں دوسرے متعلقہ اہم ادراک مباحث پر جس شان سے کلام کیا ہے وہ حضرت مولانا ہی کی شان کے شایان ہے اور میرے دل میں سلف صالح کی علمی وسعت احتیاط اور سادگی کی یاد کو تازہ کر دیا ہے، مقام امام ابو حنیفہ مذکورہ تمام مباحث کی سند اور صحت کے التزام کے ساتھ ان کی جامعیت حضرت مولانا کے فوق العادہ علم و بصیرت اور اخلاص و محبت کے بے لوث تجلیات اور ہمدردانہ جذبات کے روشن دلائل ہیں، مقام امام ابو حنیفہ اپنے موضوع میں بے نظیر اور بہترین تازہ تصنیف ہے اور اردو زبان میں ایک بیشش بہا علمی خدمات کے ایک مجموعہ کا اضافہ کر دیا، اہل علم طبقہ عموماً اور فقہ حنفی سے دینی راہنمائی لینے والے خصوصاً مقام امام ابو حنیفہ کے افاضات سے ضرور استفادہ فرمائیں اللہ تعالیٰ اس تالیف کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے موجب بصیرت و ہدایت بنائے اور فاضل مولف

کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین یا رب العالمین۔

(امین الحق خطیب جامع شیخ پورہ)

(۱۲)

فاضل زبوان، عالم بری، قائم علی الحق حضرت ابو الاعجاز محمد زبیر رحمہ اللہ صاحب خطیب جامع شیخ پورہ (علیہ السلام)
تجربات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي جعل في كل زمان بقايا من اهل العلم. يدعون من ضل الى الهدى
ويبصرون بنور الله اهل العلى والهوى. وينصرون بالبراهين القاطعة الطريقة الخفية
البيضاء. ويرشدون بالادلة الواضحة اهل الجهالة والروى. وجعل طائفة من العصابة
الخنفية بالحق قاصبين ولاهل الهوى والضلالة مجاهدين لا يضرهم من خالفهم حتى ياتي امر الله
وهم الغالبون. اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون. والصلوة والسلام
على خير الانام خاتم الانبياء محمد وعلى آله واصحابه اجمعين. اتابعه

نہ من برآں گل عارض غزل سرائے دہس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار اند

اگرچہ امام عظیم ابو حنیفہ النعمان علیہ الرحمۃ والرضوان اور فقہ حنفی کی شان و توصیف میں آج تک
کثیر التعداد رسائل اور کتب معرض وجود میں آئیں۔ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے اپنی اپنی
بساط کے مطابق طائفہ منصورہ اہل سنت والجماعت کے ائمہ کرام نے امانت اور ثقاہت
اور فقہ ہت امام عظیم میں شہادتیں دیں مگر

ہر گلے راز نگ و بونے دیگر است !

نادرة الدهر۔ النموذج العلماء حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز صاحب لازالت شمس
فیوضانہ باز غسنے اپنی کتاب مستطاب میں فقہ حنفی کی قدر و قیمت اور فقہ وحدیث وکلام میں مقام
ائمہ کو جس زلے اور عام فہم انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ جناب ہی کا حصہ ہے۔ کہ تری الاول للاخذ
کے اصول کے ماتحت اس کتاب کا وجود ضروری تھا جس میں دور حاضر کے فقہ کی سرکوبی کی گئی

اور ادفع بالحق ہی احسن السینۃ پر بھی عمل کیا۔ اہل حق (اہل حدیث و نبی و خلیش) نے فقہ حنفی سے متنفذ
 کرنے کے لیے امام صاحب پر نہایت سوقيانہ انداز میں رکبیک حملے کئے اور منکرین حدیث نے امام
 موصوف کو منکرین حدیث کی سرفہرست شامل کیا ہے

کہ من عائب قولاً صحیحاً و آفتہ من الفہم السقیم

ان فتنوں کا ظہور نتائج التقليد اور دیگر کتب کی شکل میں ہوا۔ خصوصاً نتائج التقليد کی صورت
 پرستانی اور روپڑی تصدیقات کا غلہ لگایا گیا تاکہ دلداد کاں حوی خرمیلا ہوں۔ اور اہل حق اس کی نفرت
 سے بیزار کانوں پر ہاتھ رکھ کر گریز پاتے تھے۔ چونکہ تحریف غالیں و انتحال المبطلین و تاویل المجاہلین سے
 حق و صداقت کی صیانت اور حفاظت ضروری تھی۔ اس لیے یہ سعادت حضرت شیخ الحدیث صدر
 مدرس مدرستہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ مولانا ابوالزہد محمد سرفراز خاں صاحب کو نصیب ہوئی ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مقام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ فی الدین اور فقہ حنفی کی افادیت اور حقانیت کو مدال و تبرہن
 طریق سے بیان فرمایا۔ قال الشافعی :-

کل العلوم سوى القرآن مشغلة الا الحديث والا الفقه في الدين

یہ کتاب مولانا کی تبحر علمی اور وسعت مطالعہ اور فہم و ذکاوت کا خلاصہ ہے، نیز معتز ضیعی کے
 اعتراضات کا خوب تعاقب کیا، بلکہ یہ کتاب بہت سے علوم کا ذخیرہ ہے۔ خداوند کریم مولانا
 کی مساعی جمیدہ کو قبول فرمائے جنہوں نے اپنا قیمتی وقت اس عظیم الشان کام کے لیے صرف کیا۔
 واللہ سميع علیم۔ (آمین ثم آمین)

حضرت کے تعمیل ارشاد کے لیے اظہار خیال کیا ہے، ورنہ مولانا کی کتاب میری تقریظ و
 تبصرے کی محتاج نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابوالاعجاز حفیظ الرحمن محمد نذیر اللہ خاں (فاضل دیوبند)

سرپرست جامع مسجد حیات النبی گجرات (المتوطن بآنجویاں)

تحصیل کھاریاں

(۱۲)

اسوۃ علماء، رئیس المتقین حضرت مولانا جمیل احمد کھاناوی مفتی جامعہ شریفہ، نیلا گنبد - لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مبداً ومحمداً ومصلیاً ومسلماً

امتابعد :-

معلوم نہیں کیوں ہمارے غیر مقلد بھائی جو اپنے کو اہل حدیث کہہ کر دوسرے تمام مسلمانوں کو حدیث پاک سے انحراف کے اشارہ سے پراپیگنڈہ پر تلے ہوئے ہیں، تقلید ائمہ اربعہ کو شرک قرار دیتے ہیں حالانکہ شرک صفات خاصہ اکبیرہ میں غیر کو شرک یک ماننا ہوتا ہے ورنہ اگر قرآن و حدیث کے نسخ و منسوخ رائج و مرجوح قوی ضعیف ظاہر و باطن اور منشا شائع میں کوئی کسی بزرگ کی تحقیق کو حضور کے زمانہ سے قریب علم و حافظہ کے سمندر کی غوطہ زنی تقویٰ و دیانت، دین داری کے اعلیٰ مدارج پر ہونے کی وجہ سے اپنی کم مائیگی، غلبہ ہوا و ہوس کے زمانہ اور عمدہ شیر سے دوری کی بنا پر قبول کرتا ہے یہ شرک ہوتا ہے تو ہر انسان استادوں ماں باپ اور تمام علوم خصوصاً علم حدیث و رجال کے بتلنے والوں کی باتیں قبول کرنے سے شرک بنے گا اور کم سے کم یہ حضرات تو اپنے مسلمہ قاعدہ میں اگر شرک قرار پایا ہی جائے گا، دوسرے لوگ تو اس اصل کے ہی منکر ہیں وہ ہر جگہ بری رہیں گے۔ اور گو ائمہ مجتہدین بہت بڑی تعداد میں ہوئے اور بہت بہت۔ لوگ ان کی تقلید سے سرفراز ہوئے ہاں مکمل فروع و جزئیات پر صرف چار مذہب مدّان ہوئے اور اب انہی تحقیقات پر مسلمانوں کی اکثریت عمل کی بنیاد رکھتی ہے، ان سب کو شرک کہہ کر اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور خصوصیت سے تمام ائمہ کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ پر طرح طرح کے الزامات تراشتے بہتے ہیں، جن کا بے بنیاد، دغا قریب اور دھوکہ ہونا صدیوں سے تالیفات میں آیا ہوا ہے مگر علم دین اور تعلقات سے ناواقف یا کم واقف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پھر ان باتوں کو دھرا کر مسلمان کو دھوکہ دیا جاتا ہے، قریبی زمانہ میں نتائج تقلید نام سے ایک کتاب اسی گندے پروپیگنڈا کی شاہکار کسی غیر مقلد صاحب نے لکھ مارنی ہے، گویا اس میں کوئی نئی نہیں اور نہ ہو سکتی تھی وہی فرسودہ الزامات جن کی حقیقت صدیوں سے واضح و آشکار

ہو چکی ہے، ناواقف یا کم واقف یا علوم دین سے بے پردا لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی طرف منسوب کر کے شائع کی گئیں اور تہذیب کے حدود پر گہری ہوئی مجتہدانہ گالیوں سے اس کو مزین کیا گیا، شاید اپنے خیال باطل میں اس کو بھی اسلام کی کوئی خدمت قرار دیا ہوگا، ہاں ایک خدمت اپنی ذات کی یہ ضرور کی الغیبة اشد من الذنا حدیث پاک کی رو سے بدکاری سے بڑھ کر گناہ غیبت کا ارتکاب کیا اور کہ بڑوں مسلمانوں کو مشرک فاسق گردان کر اپنے لیے ایک راہ طریقہ بنائے آخرت میں سے بدترین انتخاب کر لی۔ اور چونکہ ائمہ اربعہ میں سے صرف امام عظیم تابعی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن صحابہ کے قرن اور تابعین کے قرن کو خیر ہی خیر فرمایا ہے، بعد میں کذب جھوٹ کے پھیلنے کی پیش گوئی فرمائی ہے، اس قرن خیر کے کسی بزرگ کے خلاف ہرزہ سرائی "آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے" کا مصداق ہوئی ضروری ہے اور کذب و جھوٹ کا مرقع۔

اس دور میں اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب مفسد نے جیسے اور بہت سی تحقیق اور عجیب تحقیقات کی کتابیں لکھی ہیں "مقام امام ابو حنیفہ" نام سے نہایت محنت اور بے حد تحقیقات پر مشتمل وہ کتاب لکھی ہے کہ پڑھنے والا حیرت میں رہ جاتا ہے اور آج کل کے دریدہ دہن لوگوں کی دیانت و علمیت کا راز فاش ہو جاتا ہے، ہر بات پر تحقیق کا انبار اسلاف سے تحقیق اور خود فرقہ مدعی اہل حدیث کے بزرگوں سے تحقیقات کر کے ہر بات کی اصلیت اور اس میں بددیانتی یا غلط فہمی کی راہوں کی نشان دہی موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے حضور کے ارشاد خیر القرون پر ایمان تازہ ہوگا، بدگمانی و غیبت اور مسلمانوں کو مشرک و فاسق بنانے سے نجات حاصل ہوگی۔ قرآن و حدیث کے مضامین میں سے ناسخ و منسوخ، قوی و ضعیف ظاہر و باطن راجح و مرجوح میں ہزار سالہ متفق شدہ تحقیقات یعنی ائمہ اربعہ کے فقہ میں تابعی فقہ اور راجح ترین فقہ معلوم ہو کر صحیح راہ ہدایت معلوم ہوگی، اس فقہ کی دو کشتیوں سے فوقیت سمجھ میں آئیگی اور راہ دین میں ایک بصیرت حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو اجر جزیل عطا فرمائیں اور ایسے کاموں کی مزید توفیق بخشیں اور قبول خاص سے سرفراز فرمائیں۔

(جمیل احمد تھانوی، محرم ۱۳۸۳ھ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سنجھائے گفتنی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مُحَمَّدٍ خَيْرِ خَلْقِهِ
فَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ الَّذِينَ هُمْ هُدَاةُ الدِّينِ وَعَلَى
مَنْ تَبِعَهُ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَحَدِّثِينَ۔

آمَنَّا بِكَ ۔

جوں جوں قیامت قریب ہوتی جا رہی ہے فتنوں اور مصیبتوں کا دروازہ کٹا دہ تر ہوتا جا رہا
ہے، اور دینی و دنیوی ہر قسم کے فتنوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہوتا جا رہا ہے جو کسی طرح ختم ہونے
میں نہیں آتا اور زمانہ بزبان حال گویا یوں کہہ رہا ہے کہ سہ

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپکتے ہیں

میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دزدانہ

اور اس نازک دور میں ہر صاحب ہوس کی یہ خواہش ہے کہ مذہب اسلام کی پابندی سے
رستگاری حاصل کر لی جائے اور مذہبی قیود و حدود کو خیر باد کہہ کر جی چاہی اور من مانی زندگی بسر کر
جائے اور اپنی ناقص اور نارسا عقل و رائے ہی کو اپنا امام تسلیم کر لیا جائے اور اعجاب کل ذی رائے
برایہ کا مظاہر کیا جائے اور سلف کے علمی کارناموں پر ہوس کی گرد و آل دی جائے اور ان پر سے
اعتماد و اعتبار نہ کیا کہ لوگوں کو مادر پدر آزاد کر دیا جائے کہ نہ بے بانس نہ بچے بانسری ۔

فَاللّٰهُ الْمُسْتَكْبِرُ ۔

① منکرین حدیث نے مطلب برآری کے لیے محض اپنے بائیں ہاتھ کے کرتب اور شعبہ بازی سے جن حضرات کو منکرین حدیث کی مد میں لاکھڑا کیا ہے ان میں ایک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی بھی ہے۔ چنانچہ (مقام حدیث جلد اول ص ۲۵۹ میں) تین بڑے بڑے منکرین حدیث کی سرخفت نام کر کے نیچے لکھا ہے: امام ابو حنیفہؒ، شاہ ولی اللہؒ، اور علامہ اقبالؒ، اور ”طلوع اسلام“ کی ایک اشاعت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ایک ذمہ دار شخصیت کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بیس کھم حدیثوں کا عالم اور مالک گردانا تھا، اس لیے بھی اشد ضرورت تھی کہ تاریخی طور پر حضرت امام صاحبؒ کا علم حدیث میں مقام اور رتبہ عرض کیا جائے، اور منکرین کے دجل و تبیس کو آشکارا کیا جائے تاکہ کسی کو مغالطہ نہ ہے اور صحیح بات ذہن نشین ہو سکے۔

② غیر متقدمین حضرات نے جو بحیال خویش بلا شرکت غیرے اہل حدیث ہونے کے واحد کلمہ بنے ہوئے ہیں، عوام کو یہ باور کرانے کا جماعتی منصوبہ تیار کر رکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ اور کتب فقہ حنفی پر تحریراً و تقریراً ہر طرح خوب برس کر رہے ہیں، ہموار کی جائے کہ امام ابو حنیفہؒ تو حدیث میں ضعیف اور کمزور تھے ان کا سرمایہ ہی صرف سترہ حدیثیں تھیں اور ان کو ائمہ حدیث میں شمار کرنا غلط ہے وغیرہ وغیرہ اور شمع محمدی، حقیقت الفقہ وغیرہ کتابیں اس پر عرصہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ اور یہ سب بے بنیاد دعویٰ ان میں مذکور ہیں۔ مگر نتائج تقلید کے نام سے ان کی ایک مرکزی کتاب اب کچھ عرصہ سے شائع ہوئی ہے جس پر ان کی شنائی اور روپڑی پارٹی کے تقریباً سبھی حضرات کی تصدیقات موجود ہیں، چونکہ فریق ثانی اس طرز و طریق سے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے، اور حضرت امام ابو حنیفہؒ آپ کے اصحابؒ اور کتب فقہ حنفی سے عوام کو متنفر کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے، اس لیے ہم نے اس کتاب کا نام مقام ابی حنیفہؒ تجویز کیا ہے اور دوسرے بسط کے ساتھ ہم نے اپنے دعویٰ پر ٹھوس حوالجات نقل کئے ہیں اور فریق ثانی سے ہم نے محض علمی مناقشہ کیا ہے۔ مؤلف نتائج تقلید اور اس کے اکثر تصدیق کنندگان حضرات کی طرح ساقیانہ اور ول آزار زبان اور لب و لہجہ اختیار نہیں کیا۔ شاید اس انداز میں بھی کوئی زندہ دل جواب دینے کے لیے میدان میں نکل آئے مگر ہم اس کو پسند نہیں کرتے۔ فریق ثانی کی بعض تعصب آمیز باتوں کا جواب ہم نے ”طائفہ منصورہ“ اور ”الکلام المفید“ میں دے دیا ہے (جو انشاء اللہ العزیز عنقریب

طبع ہونے والی ہے)

(۳) لفظ فقہ اگر علم اور فن کی صفت ہو تو بلا شک یہ مذکر ہے اور اگر یہ درایت اور سمجھ کے معنی میں استعمال کیا جائے تو یہ مؤنث ہے۔ ہم نے ایک خاص مصلحت کے پیش نظر ثنائی شقی ہی اختیار کی ہے اور پوری کتاب میں (الامامنا اللہ) ہم نے لفظ فقہ کو مؤنث ہی استعمال کیا ہے، اس لیے ادباء طرز جدید سے ہم معذرت چاہتے ہیں کہ اس پر کوئی گرفت نہ فرمائیں وَلَا مَشَاخَۃَ فِي الدِّصَالِجِ۔

(۴) اس کتاب میں جتنے حوالجات درج ہیں ان میں اکثر براہ راست راقم السطور نے خود کتابوں میں دیکھے ہیں، اور بعض کتابیں مثلاً الاعلان بالتوبيخ لمن ذم التاديع للسوادئي عقود الجمان للعلامة الصالحی، مناقب ابی حنیفہ وصاحبہ للعلامة الذهبی، الرواة الثقات المتکلمہ فیہم بما لا یوجب ردہم للذہبی وغیرہ بعض حوالے ہم نے حضرت مولانا محمد رفیع صاحب نعمانی کی کتاب ابن ماجہ اور علم حدیث "اور مائتہ سن الیہ الملحۃ سے لیے ہیں کیونکہ براہ راست یہ کتابیں ہمیں دستیاب نہیں ہو سکیں، اور وقفہ علی اہل الحدیث کا مسند جو درمختار اور رواقہ کے حوالے سے آئے گا وہ ہم نے حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی کا مذہبی کی کتاب مذہب اہل سنت والجماعت سے لیا ہے اور بقیہ حوالجات کا بھی یہی کی کتابوں کی رہنمائی میں ہم نے اصل کتابوں سے نقل کیے ہیں، (الامامنا اللہ تعالیٰ)۔

اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ چونکہ اس ضخیم کتاب کی پوری تسوید ایام تعطیلات سالانہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ یعنی تقریباً ۱۰ رجب ۱۳۸۱ھ سے لے کر ۲۲ رمضان ۱۳۸۱ھ تک میں ہوئی ہے اور گھر کی تمام مصروفیات کے علاوہ علالت بھی ساتھ ساتھ ہی رہی ہے اس لیے اگر کسی مقام میں کوئی سقم نظر آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ طبع جدید میں اصلاح کر لی جائے بعض اکابر کی طرف سے اور خصوصاً حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے کچھ اصلاحات بھی موصول ہوئی ہیں جن کو اس طبع میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۵) چند مقامات میں حوالجات کا کچھ تکرار بھی ہو گیا ہے، مگر اہل علم بخوبی سمجھ لیں گے کہ ایسا کرنا بھی ناگزیر تھا، اور انشاء اللہ العزیز یہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم

سے راقم کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کو دور کرے اور اپنی مرضی پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔
آمین ثم آمین !

ابوالزہاد محمد سرفراز خاں صفدر

۴ رمضان المبارک ۱۴۸۱ھ

مطابق ۸ فروری ۱۹۶۳ء

باب اول

تفقہ فی الدین

عقل و خرد اور فہم و فراست خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر و منزلت کو موصوفہ ہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کو رہت قدر کی طرف سے اس دولت غلطی سے کچھ نصیبہ حاصل ہوا ہو۔ بے عقل عقل کی کیا قیمت جانے؟ اور بے خرد و خرد کی شان کیا سمجھے! حقیقت یہ ہے کہ عقل و فہم ایک روشن چراغ ہے، اور قرآن و حدیث اس کے لیے مصطفیٰ روغن ہے جو روشنی دینے میں چراغ کا ٹمڈ و محاذ ہے، اور اس خالص روغن کے بغیر چراغ ایک بے کار ظرف ہے جس کی سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں جیسا کہ فلاسفہ و ناطقہ اور اس قسم کے دجاہلہ و ابالہہ اور ملاعنہ و مراءتہ کی عقل و وحی الہی کے روغن سے حراف نصیب ہو کر وادی ضلالت میں بھٹک رہی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے چراغ و روغن دونوں ہی کی ضرورت ہے اور رشد و اصلاح کے لیے دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں اور وحی الہی اور عقل صحیح میں کوئی مخالفت اور تضاد نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عقل بینائی ہے، اور وحی الہی روشنی ہے جس طرح بغیر بینائی کے روشنی کام نہیں دیتی اسی طرح روشنی کا احساس اور شعور بھی بغیر بینائی کے نہیں کیا جاسکتا اور صریح قسم کے دلائل شرعیہ سے تفقہ و تدبیر اور عقل کی بڑی تعریف ثابت ہے، اور فہم و فراست کی توصیف قرآن و حدیث سے ہو رہی ہے اور اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن و حدیث کے مضمون و مروط مضامین اور حکم و قوی و دلائل و براہین کی باریکیوں سے بھلا ایک زوالا عقل، بیوقوف یا ایک سطحی اور خام عقل والا کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ ان کی تزاویہ

نیک تو صرف وہی حضرات رسائی حاصل کر سکتے ہیں جن کو قیام ازل نے فہم و عقل اور بصیرت کی نعمت سے نوازا ہے جو قرآن و حدیث کے بحر بیکیاں میں غوطہ زنی کر کے تفسقہ فی الدین کے انمول موتیوں اور جواہر ریزوں سے امت مرعومہ کی جھولیاں بھرتے رہے ہیں اور انقلاب زمانہ کی انتہائی نزاکتوں اور نامساعد حالات میں وہ اپنے اس چراغ کو روشن ہی کرتے رہے ہیں۔

ہوئے گو توند تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے

وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خضرانہ

قرآن کریم میں تفسقہ کی فضیلت | جس چیز کا ثبوت قرآن کریم میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے حاصل کرنے کی رغبت اور شوق بھی دلایا ہو

اس کے عمدہ اور خوب ہونے میں کیا تردد باقی رہ سکتا ہے اور اس کے مقبول و محمود ہونے میں کیا شبہ پیدا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ ایک خاص مقام پر اللہ تعالیٰ کا یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ
فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

اور مومنوں کو یہ مناسب نہ تھا کہ وہ سب ہی کوچ کر لیتے سو کیوں نہ کوچ کیا ان میں ہر فرقہ سے ایک طائفہ نے تاکہ وہ دین میں تفسقہ پیدا کر لیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف لوٹیں تاکہ وہ بچ جائیں۔

(پک۔ التوبہ: ۱۵)

قطع نظر اس سے کہ یہ آیت جہاد کے لیے کوچ سے متعلق ہے جیسا کہ اکثر ارباب تفسیر کا خیال ہے یا طلب علم کے سفر سے وابستہ ہے جس طرح کہ مشہور مفسر علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی (۴۵۵ھ) وغیرہ کی رائے ہے اور صرف نگاہ اس سے کہ ایک طائفہ تفسقہ فی الدین کے لیے سفر اختیار کر کے یہ کمال پیدا کر کے واپس آکر قوم کو آگاہ کرے یا گھر ہی میں رہ کر یہ حاصل کرے اور جب مجاہدین یا غیر حاضر افراد رجوع کریں تو ان کو یہ احکام خداوندی سے باخبر کرے، یہ دونوں تفسیریں منقول ہیں۔ ہمارا مقصد اس سے بالکل روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تفسقہ فی الدین حاصل کرنے کی ترغیب دی اور بصورت دیگر اس کو ترک کرنے پر فلولاً لَنَفَرُوا کے ساتھ ملامت اور تنبیہ فرمائی ہے۔ اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی قباحت اور بُرائی بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد

فرمایا ہے کہ :-

يَا أَيُّهَا الْقَوْمُ لَا يَفْقَهُونَ (پٹ، انفعال ۹) بے شک وہ ایسی قوم ہے جو سمجھتی نہیں۔

اور ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے فقہ ہستے ہی دست لوگوں کا حال ان الفاظ میں بیان

فرمایا ہے کہ :-

فَمَا لَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ الْقَوْمُ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ (پ ۵- النساء- ۱۱) سو کیا ہو چکا ہے اس قوم کو جو بات سمجھنے کے قریب نہیں لگتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فہم و عقل اور فہم و خرد اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جو اس کے مقبول بندوں کو حاصل ہوتی ہے اور جو لوگ اس سے محروم ہوتے ہیں وہ تعریف و تائید کے لائق نہیں ہو سکتے ہیں، البتہ وہ طامت اور مذمت کے سزاوار ضرور ہیں۔ یہ یاد رہے کہ عقل و خرد اور فہم و فہم سے مراد عام سمجھ نہیں بلکہ وہ فہم و فراست مراد ہے جو دین سے متعلق ہو، عام اس سے کہ اس کا تعلق روایت سے ہو یا درایت سے۔ قرآن و حدیث اور اقوال علماء اُمت میں جہاں بھی فقہ و عقل کا لفظ آتا ہے، اس سے یہی مراد ہوتی ہے نہ یہ کہ خدا و رسول، مذہب و دین اور قرآن و حدیث سے بے نیاز ہو کر انسانوں کی تباہی و بربادی اور اللہ میاں کے سرسبز و شاداب اور لہلہاتے پورے چین کو نیست و نابود کرنے کے لیے عقل و سمجھ استعمال کی جائے اور راکٹ و میزائل وغیرہ تباہ کن اور موزی آلات ایجاد کئے جائیں۔ یا ایسے محیر العقول چھانڈ ایجاد کئے جائیں جن کی بدولت چاند نیان کی رسائی ہو جائے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ایسے لوگ اُدُوّ الباب نہیں کہلا سکتے بلکہ وہ لوگ اُولِیٰکَ کَاذِبًا لِّمَّا بَلَّ هُمْ اَحْسَنُ کا مصداق ہیں اور ان کے حق میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہے نہ اہل بصیرت تو بے خرد چمکے فروغِ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

فقہ و اہل فقہ کی فضیلت و منقبت کے لیے ایک دو نہیں بیسیوں حدیث میں فقہ کا درجہ صیح اور صریح حدیث موجود ہیں۔ ہم صرف مشتے نمونہ از خردارے

کے طور پر چند صیح احادیث کا میاں باحوالہ ذکر کرتے ہیں، مغر فرمائیے :-

حضرت امیر معاویہ (ؓ) (الموتی ۶۰) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں کہ :-

من یرد اللہ بہ خیرا یفقهہ فی الدین جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ
(المحدث) (بخاری جلد ۱۹ واللفظ لہ وسلم جلد ۲) فرماتا ہے تو اس کو دین کی کجی اور فحاشیت
۳۳۳ والدرمی جلد ۳۳ طبع دمشق) عطا فرماتا ہے۔

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ جبر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی
(المتوفی ۶۸ھ) سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (مسند دارمی ج ۲ ص ۲۹۷ طبع دمشق)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کے متعلق خیر اور بہتری کا
ارادہ فرماتا ہے، تو اس کو تفقہ فی الدین کی لازوال دولت اور نعمت عظیمہ عطا فرماتا ہے،
اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائے اس کے اعلیٰ و افضل اور عمدہ ترین ہونے میں کیا کسر باقی رہ
جاتی ہے؟ حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ:-
وفي ذلك بيان ظاهر لفضل العلماء سائر الناس و لفضل التفقه في الدين
اس حدیث میں وضاحت کے ساتھ علماء کی سب
لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت
علی سائر العلوم (فتح الباری ج ۲ طبع مصر) بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ (المتوفی ۵۷ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ایک موقع پر یوں ارشاد فرمایا کہ:-

خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام جو ان سے جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں
اذا فقهوا۔ (بخاری جلد ۱۹ واللفظ لہ وسلم جلد ۲ ص ۲۹۷ طبع مصر)
مسند جلد ۲ ص ۲۷۰ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۱ ہوں۔

اس حدیث میں آپ نے نسب و خاندان کی شرافت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تصریح فرمائی
ہے کہ جو لوگ ایام جاہلیت میں بہتر تصور کیے جاتے تھے اسلام ان کی قدر و منزلت کو گھٹانے کے
لیے تیار نہیں بشرطیکہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد فقہت سے متعفف ہوں۔ اس میں اسلام کے
کے اندر ان کی خوبی اذا فقهوا کی شرط سے مشروط ہے۔ اگر یہ کوئی عمدہ خصلت نہ ہوتی یا اس سے
بہتر کوئی اور خصلت آپ کی نگاہ پاک میں قابل ذکر ہوتی تو آپ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے۔
حضرت ابو موسیٰ الاشعری (المتوفی ۵۲ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وَاٰمَرَ دَلَمَ نَے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت و علم دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے زور کی بارش جو زمین پر برسی ہو، اور زمین کا ایک وہ بہترین اور قابلِ زراعت ٹکڑا ہے جس نے پانی کو خوب جذب کر لیا اور ساگ پات اور گھاس و چارہ بکثرت اگایا جس سے انسانوں اور جانوروں کی اکثر ضرورتیں پوری ہو گئیں اور زمین کا ایک حصہ وہ ہے جو سخت ہے، اس سے کوئی چیز اُگتی تو نہیں لیکن اس حصہ میں پانی خوب جمع ہو گیا اور اس جمع شدہ پانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع بخشا کہ وہ خود بھی پیتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اور کھیتی کو سیراب کرتے ہیں اور زمین کا ایک اور قطعہ ہے جو بالکل چٹیل ہے، نہ تو وہ پانی کو روک سکتا ہے اور نہ گھاس و سبزہ وغیرہ اُگانے کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ :-

فَذٰلِكَ مِثْلُ مَنْ فُقِدَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ فَتَنَةٌ
بِمَا بَعَثَنِ اللّٰهُ بِهِ فَعْلَمَ وَعَلَّمَ وَمِثْلُ مَنْ
لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رُءُوسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هَدًى
اللّٰهُ الَّذِي ارْسَلَتْ بِهِ - (مجادلہ ج ۱ ص ۱۷۰)
مسلم جلد ۲ ص ۲۴۴ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸۵

پس یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں فتنا بہت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس چیز سے نفع عطا فرمایا جو چیز مجھے اللہ تعالیٰ نے دیکر مبعوث کیا ہے جس کو اس نے سیکھا اور سکھایا اور مثال ہے اس کی جس نے ہدایتِ مومنہ کی طرف جس کو میں نے کرایا ہوں مطلقاً سر ہی نہ اٹھایا۔

آخری چٹیل زمین کی مثال تو ماوشما کی ہے کہ نہ تو محدث ہیں نہ فقیہ کہ نہ روحانی بارش کو محفوظ رکھا اور نہ اس کو جذب کر کے اس سے کوئی خوشگوار نتائج ہی برآمد کئے اور دوسری مثال محدثین کرامؓ کی ہے جنہوں نے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مو سلا دھار بارش کو بھگتات تمام اصلی شکل میں مصون رکھا، لوگ آکر اُن سے اپنی علمی بیاس بجاتے ہیں لوگوں کو وہ مصطفیٰ پانی پلا پلا کر سیراب کرتے ہیں اپنے تو کیا جو غیر مسلم اور بیگانے اور اُولیٰئک، کالافعام کا مصداق ہیں۔ ان کو بھی وحی الہی کی بارش سے وہ سیراب کرنے کے پرتے ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کی اُچڑھی ہوئی بے آباد اور خشک کھیتوں کو اس پانی کے ذریعہ سرسبز و شاداب کرنے کی فکر میں بہتے ہیں غرضیکہ فشرلوا، وسقوا، وذرعو ا کے ایک ایک لفظ پر پورا عمل کرتے ہیں۔ اور پہلی مثال فقہاء کرامؓ کی ہے جن کے دلوں کی سرزمین طائفۃ طیبہ کا مصداق ہے، اور وہ اپنے سینوں اور

دلوں میں اس روحانی بارش اور وحی الہی کو اچھی طرح جذب کرتے ہیں اور اگرچہ وہ بارش اس قطعہ ارضی پر اصلی شکل پر تو نہیں رہتی مگر اسی کی وجہ سے اس عمدہ زمین سے ساگ پات، گھاس و اناج، سبزی و ترکاری، پھل و پھول اور دیگر مختلف اجناس کی شکل میں متعدد چیزیں نکلتی اور پیدا ہوتی ہیں جن کو انسان بھی اور حیوان بھی استعمال کرتے اور اپنے مصروف میں لا کر اپنی مختلف قسم کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور ظاہرات ہے کہ پانی بھی اپنے مقام میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے مگر جسے پانی سے تمام ضرورتیں تو ہرگز پوری نہیں ہو سکتیں۔ اسی پانی کے ذریعے جب مختلف قسم کے مہرہ زار اور لمباتی ہوئی کھیتیاں معرض وجود میں آئیں گی تو اس سے جو فائدہ مرتب ہو گا وہ ظہر من الشمس ہے، اسی طرح فہم کے کرام بھی اس وحی الہی کو جذب کر کے اس سے سینکڑوں اور ہزاروں مسائل استنباط کرتے ہیں جن سے پوری دنیا کو عظیم فائدہ نصیب ہوتا ہے، اب اگر کوئی شخص زمین کے اس قطعہ پر یوں اعتراض اور حرف گیری کرے کہ اس نے تو پانی کو محفوظ ہی نہیں رکھا، یہ تو بڑی ناکارہ زمین ہے، تو اس اعتراض کی نقلی و عقلی دنیا میں ہرگز کوئی وقعت نہ ہوگی، بلکہ یہ کنین انصاف ہے کہ اس زمین کی قدر و منزلت باقی حصوں سے بہت زیادہ ہے کیونکہ اس نے مختلف قسم کی ضروریات کی کفالت کی ہے اور یہی حال فقہاء کرام کی بے لوث خدمات کا ہے کیونکہ انھوں نے تمام مسائل و نوازل کی جزئیات کے لیے ناکافی ہیں، چنانچہ اسی ضرورت اور اہمیت فہم پر بحث کرتے ہوئے مؤرخ اسلام علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون (المتوفی ۸۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ:-

والواقائع المتعبدۃ لا توفی بہا النصوص
نئے نئے پیش آمدہ مسائل کے لیے نصوص (میرے)
(مقدمہ ص ۴۴ طبع مصر) ناکافی ہیں۔

حضرت جوہر بن مظم (المتوفی ۵۴۴ھ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفتر
اللہ عبداً سمع مقالتي فوعاها ثم اذاها
الى من لم يسمعها فرب حامل فقه لا فقه
له ورب حامل فقه الى من هو افقه منه
الحديث (وامر جلد ۱ ص ۱۵ طبع دمشق واللفظ له)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
خوش و خرم رکھے۔ اس بندہ کو جس نے میری بات سنی
اور غوطہ یاد کی پھر وہ بات ان لوگوں کو سنانی جنہوں نے
(براہ راست مجھ سے) نہیں سنی کیونکہ بسا اوقات غور
حامل فہم کو فقاہت حاصل نہیں ہوتی اور بہت

وابن ماجہ صلا و مستدرک جلد ۱ ص ۸۷ و مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۳۹ و الترغیب والترہیب ص ۶۴
 قال الہیثمی رجالہ موثقون - وقال المحاکم والمذہبی
 وفقہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حامل فقہ اعلیٰ درجہ کا فقہ
 نہیں ہوتا اور وہ اس طریقہ سے اس کو پہنچا دے گا
 جو فقہ تہ ہوگا۔
 صحیح علی شرطہما۔

امام حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) اور علامہ ذہبی (شافعی المذہب و حنبلی المعتقد المتوفی ۴۸۵ھ)
 لکھتے ہیں کہ یہ روایت فقہ اللہ امداً الخ (مختلف الفاظ کے ساتھ) متعدد صحابہ کرام سے مروی
 ہے (مستدرک جلد ۱ ص ۸۸ و تخیض المستدرک ج ۱ ص ۸۷) بلکہ امام حاکم اس کو مشہور حدیثوں میں شمار کرتے
 ہیں (معرفت علوم الحدیث طبع قاہرہ ص ۹۲) اور امام سیوطی الشافعی (المتوفی ۹۱۱ھ) اس کو متواتر
 کہتے ہیں (مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ طبع مصر)۔ نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۳۲۸ھ)
 اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سولہ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ (الحزب المکتون من لفظ
 المعصوم المامون ص ۹ طبع بھوپال ۱۲۹۰ھ)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث کی تبلیغ کا اصل مقصد اُن سے فقہ حاصل کرنا
 ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی
 ایسی حدیث کو اٹھانے والا جس حدیث میں فقہ ہو خود صاحب فقہ نہ ہو لافقہ لہ اس لیے
 وہ حدیث دوسروں کو پہنچا دے تاکہ وہ اس کی فقہ سے خود بھی متمتع ہوں اور دوسروں کو بھی
 فائدہ بخشیں اور اگر وہ خود تو صاحب فقہ ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ فقہ ہو
 اور وہ اس سے زیادہ سے زیادہ استنباط مسائل اور استخراج احکام کر کے اُمت کو نفع پہنچا
 سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نئے محدث جو فقہ حدیث سے بہرہ ور نہیں محض ہر کارے ہیں۔
 اور فقہاء کرام جو قرآن و حدیث کی روشنی میں اہل اجتہاد ہو کہ فقہ واجتہاد سے کام لیتے ہیں
 وہی صاحب منزل اور اہل دولت ہیں اگر ڈاکیا جو قیمتی پارسل اور مینی آرڈر اٹھاتے ہوئے ہے،
 یہ دعویٰ کرے کہ یہ چیز ہی میری ہے کیونکہ میں اس کو اٹھانے والا ہوں تو کون اس کے بے بنیاد
 دعوئے کو قبول کرے گا۔ اس کا کام تو صرف یہ ہے کہ امانت اس کے مالک کو پہنچا دے اور بس۔
 آخر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوامع الکلم کے ساتھ یہ ارشاد و فرب حامل فقہ لافقہ

لہذا بلاوجہ تو ہرگز نہیں ہے۔ اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ آپ کے ارشادات عالیہ ہی سے دنیا کو ہر قسم کی ہلاکت و اصلاح اور رشد و فلاح نصیب ہوئی ہے اور ہر جنس و ملت کے مقصدِ زیست ہی معلوم نہ تھا وہ اسی سے زندگی کے آثار چڑھاؤ اور اونچ نیچ سے بخوبی باخبر ہو گئے ہیں، سچ ہے کہ

جنیں شعور نہ تھا بختہ حیات ہے کیا

وہ اک نگام کے صدقے سے رازِ داں ٹھہرے

خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ (المستوفی ۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ:-

تفقهوا قبل ان تسودوا قال ابو عبد الله تم سرور بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرو، امام بخاریؒ
وبعد ان تسودوا (بخاری جلد ۱ ص ۱۸۱) فرماتے ہیں کہ سرور بننے کے بعد بھی اس کو حاصل کرو۔

یعنی تفقہ فی الدین ایک ایسی ضروری اور اعلیٰ ترین نعمت ہے جس کو سرور داری حاصل ہونے سے قبل اور بعد کسی موقع پر بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

باب دوم

فہمہ و درایت

قرآن کریم کے بعد حدیث شریف کا جو مقام ہے وہ کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہے وہ مسلمانوں کا مذہبی اثاثہ بھی ہے اور ملایون بھی مسلمانوں کے بیشتر مذہبی مسائل بھی اس پر موقوف ہیں اور سیاسی بھی۔ ان کی دنیا بھی اس سے وابستہ ہے اور آخرت بھی۔ اس میں روحانی بیماریوں کا علاج بھی ہے اور جسمانی کا بھی مگر حدیث کے سلسلہ میں دو اہم اور بنیادی چیزوں کی سخت ضرورت ہے اور ان کے بغیر حدیث سے استفادہ کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ ایک چیز سند اور روایت ہے اور دوسری معنی و درایت۔ اول چیز کی حفاظت محدثین کرام نے کی ہے، اور دوسری کی فہمائے عظام نے۔ جس طرح ہم حدیث کے صحت و سقم کے معلوم کرنے میں مثلاً امام بخاریؒ وغیرہ کے اور ان کے قائم کردہ اصولوں کے محتاج ہیں اور ان پر ایسا اعتماد نہ تو کفر و شرک ہے اور نہ بدعت ہے بعینہ ہم حدیث کے معنی و درایت میں مثلاً امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے مفتقر ہیں۔ پھر بھلا ان پر اعتماد کیونکر شرک، ناروا اور بدعت قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر ایک طبقہ اور گروہ نے راستہ کی حفاظت کی ہے تو دوسرا گروہ اور طائفہ منزل کا نگہبان رہا ہے۔ اگر ایک جماعت نے پھیلنے اور پوست کی نگرانی کی ہے تو دوسرا حزب میوہ اور خنز کا پاسبان رہا ہے۔ اگر ایک کی غفلت و جانفشی تحمین کے قابل ہے تو دوسرے کی کاوش و سعی بھی صد آفرین کی مستحق ہے اور یہ دونوں طبقے عالم اسباب میں دین کی حفاظت کا محافظ و رستہ ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) ان دونوں ضرورتوں پر بحث کرتے

ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

”پس لازم آمد در تحصیل این علم از دو چیز یکے ملاحظہ حال روایت ، دوم احتیاط عظیم در فہم معانی آن زیرہ کہ اگر در امر اقل مسابہ رود کاذب با صادق ملتبس شود و اگر در امر ثانی احتیاط نباشد مروا با غیر مراد مشتبه گردد و علی التقديرین فائدہ کہ ازیں علم متوقع است منتشر نگردد و بیکہ ضد آن فائدہ بکھول انجامد و موجب ضلال و اضلال باشد معاذ اللہ من ذالک“ (عجالتاً نافہ ص ۷۷)

اور اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ سند اور روایت کی حفاظت اور نقد و پرکھ بھی دین کی ایک بہت بڑی خدمت ہے جس کی جتنی بھی تعریف و توصیف کی جائے بالکل کم ہے۔ مگر یہ بات بھی کسی طرح اور کسی لحاظ سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ روایت و فقہ کو ترک ہی کر دیا جائے اور اس کو ناقابل اعتماد قرار دینے کے لیے منصوبہ بندی کی جائے اور اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو روایت و فقہ کا مقام اور اہل درایہ اور فقہاء کا رتبہ محض طرق و اسانید کے جمع کرنے والے اور فقہ و روایت سے تہی دست محدثین سے کہیں بلند اور ارفع ہے۔

امام ابو بکر بن عبد اللہ سے دریافت کیا گیا کہ :-

الیش الفرق بین الدراية والحفظ ؟ فقال
الدراية فوق الحفظ (بأن یح بعد ادخلنا ص ۲۳)
روایت اور حفظ میں کیا فرق ہے ؟ تو انہوں نے
فرمایا کہ روایت حفظ سے اُپر ہے۔

علامہ خطیب بغدادی الشافعی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی سند کے ساتھ احمد بن محمد بن خالد البرائی سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک سائل حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حلال و حرام کے ایک مسئلہ کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا تجھ پر رحم کرے کسی اور سے پوچھ لے۔ سائل نے کہا کہ حضرت ہم تو آپ ہی سے اس کا جواب سُننا چاہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ارشاد فرمایا کہ :-

سل عافاك الله غنيہ ناسرل الفقہاء وسل
اللہ تعالیٰ تجھے عافیت رکھے کسی اور سے پوچھ

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سرخیل محدثین مقتدائے ملت اور امام اہل سنت ہیں مگر بایں ہمہ وہ پیچیدہ مسئلہ کی بابت یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تم فقہائے پوچھو اور ابو ثورؒ سے پوچھو۔ (ابو ثور المتوفی ۲۴۰ھ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ مامون اور احد الفقہاء تھے بغدادی جلد ۶ ص ۶۶۔ علامہ ذہبیؒ اُن کو الامام المجتہد اور الحافظ لکھتے ہیں تذکرہ جلد ۲ ص ۸۷ امام عسکریؒ ان کو الامام الجلیل لکھتے ہیں طبقات جلد ۱ ص ۲۲۷) حضرت امام احمدؒ محدث ہونے کے علاوہ فقیہ اور مجتہد بھی تھے مگر ان کا اجتہاد جیسا کہ علامہ ابن خلدونؒ اور نواب صاحبؒ کے حوالہ سے آئے گا کہ اجتہاد اوقیل بلکہ اقل بلکہ نیست کے درجہ میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ المالکی (المتوفی ۵۴۳ھ) نے تین آئمہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے فضائل پر کتاب الانتقاء فی فضائل الثلاثة الانمۃ الفقہاء تصنیف فرمائی ہے، لیکن حضرت امام احمدؒ کا ذکر ان میں نہیں کیا۔ علامہ خلیفؒ اور امام بیہقیؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ ہمارے الفاظ میں یوں ہے کہ محدثین کرامؒ کی ایک جماعت تشریف فرما تھی، جن میں خصوصیت سے امام بیہقیؒ بن مجینؒ، ابو حنیفہؒ، زہیر بن حربؒ اور خلف بن سالمؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مردہ عورتوں کو سنانے والی ایک عورت آئی اور اُس نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا حیض والی عورت مردہ کو نہلا سکتی ہے یا نہیں؟ پوری جماعت نے اُس کا جواب نہ بن پڑا اور ایک دوسرے کا منہ تنکنے لگے۔ اتنے میں امام ابو ثورؒ سامنے سے آنکے۔ رہنے اس عورت سے کہا کہ یہ مسئلہ اس آنے والے شخص سے دریافت کرو۔ جب اُن سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں حالضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نبالت حیض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک میں پانی ڈال کر سر میں مانگ نکالا کرتی تھیں۔ جب اس حالت میں زندہ آدمی کے سر پر پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مردے کو کیوں ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا؟ اور اس کو کیوں غسل نہیں دیا جاسکتا؟ امام ابو ثورؒ کا یہ فتویٰ جب ان محدثین نے سنا تو اس حدیث کی اسانید و طرق کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا کہ یہ روایت

فلاں سے بھی مروی ہے اور فلاں سے بھی مروی ہے۔ اس غاسلہ نے ان سے سختی طلب کی تھی کہا کہ:۔
واین کنتم الی الان (بخاری ج ۶ ص ۶۷ و طبقات تم اب تک کہاں تھے؟
الکبری جلد ۱ ص ۲۹ ص ۲۹)

اس واقعہ سے ایک توریہ امر ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے جملہ پیش آمدہ مسائل محض طرق حدیث اور
اسانید کو جمع کر لینے ہی سے ہرگز حل نہیں ہوتے، ورنہ امام بخاری بن معین جیسے پختہ کار محدث سے اس میدان
میں کون بڑھ سکتا ہے؟ مگر اس جماعت کے اندر وہ بھی لاجواب ہو کر رہ گئے اور دوسری بات
یہ معلوم ہوئی کہ محدثین کرام کی باوقار جماعت بھی فقہاء عظام کی اس فوقیت و برتری کو تسلیم کرتی ہے
اور ان پر اعتماد و اعتبار رکھ کے لوگوں کو ان سے اخذ مسائل میں محتاج گردانتی ہے۔

حضرت امام ترمذی (المتوفی ۳۲۰ھ) ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔
وَكَذَلِكَ قَالَ الْفُقَهَاءُ وَهُمْ أَعْلَمُ بِعِلَالِیْ
الحديث۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۸)
معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

مشہور محدث حضرت سیماں بن مهران الأشعری (المتوفی ۱۷۸ھ) جو الحافظ الثقفہ و شیخ الاسلام
تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۵) نے ایک موقع پر فرمایا کہ:۔

یا معشر الفقہاء انتم الاطباء و نحن الصیادلة
لے فقہاء کے گردہ تم طبیب ہو اور ہم
پنساری ہیں۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۱، ذیل الجوہر جلد ۲)

۳۸۵ھ و مناقبہ وفق ۱۶۳، الخیر المسان ملا و القلانہ

پنساری کے پاس اگرچہ مختلف قسم کی قیمتی جڑی بوٹیوں اور ادویہ کا تو کافی شاک ہو تبھی مگر وہ نہیں
جانتا کہ یہ کس بیماری کا علاج ہیں؟ مقدار خوراک کیا ہے؟ پرہیز کیا ہے؟ مفرد قابل استعمال ہیں یا مرکب
وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو طبیب اور حکیم ہی جانتا اور بتا سکتا ہے، اسی طرح محدثین کرام کے حافظہ میں ہزار ہا
بیش بہا حدیثوں کا خزانہ تو ہوتا ہے مگر وہ ان سے استنباط احکام اور استخراج مسائل پر قادر نہیں ہوتے
یہ کام فقہاء کا ہے اور وہی حدیث کے معنی کو بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ فقہاء کرام
کے مقابلہ میں وہ محدثین مراد میں جو رے محدث ہیں اور فقہاء ہمت کا ملکہ ان کو حاصل نہیں ہے۔
باقی ہے وہ محدثین عظام جو جامع بین الحدیث و الفقہ ہیں یا بالفاظ دیگر جو فقہاء و محدثین میں شامل ہیں

مثلاً امام بخاری وغیرہ تو ایسے حضرات محل بحث نہیں ہیں۔

محدث شیعہ علی بن حشر (المتوفی ۲۵۷ھ) مسلم بن قاسم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ نسائی کہتے ہیں وہ ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۳۱۱، فرماتے ہیں کہ ہم وکیع بن الجراح کی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک ان دونوں سندوں میں سے کون سی مذہبتر ہے؟ اعش عن ابی وائل عن عبث اللہ بن مسعود؟ اس میں صحابی تک صرف دو واسطے ہیں اور مذہب عالی ہے) یا سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود (اس میں صحابی تک چار واسطے ہیں اور مذہب سافل ہے) ہم نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو اعش عن ابی وائل کی مذہبتر ہے۔ امام وکیع نے فرمایا کہ سبحان اللہ، اعش تو زے شیخ اور محدث ہیں اور ابو وائل بھی شیخ ہیں برعکس اس کے دوسری سند میں سفیان فقیہ ہیں، منصور فقیہ ہیں، ابراہیم فقیہ ہیں اور علقمہ بھی فقیہ ہیں۔

وحدیث يتداوله الفقهاء خیر من ان يتداوله الشيوخ (معرفة علوم الحديث ص ۱۱ طبع الشیوخ) اس سے زیادہ مذہبتر ہے جس کو زے شیوخ بیان قاهر و کتاب الاعتبار ص ۱۱ طبع حیدر آباد دکن) کرتے ہوں۔

علامہ ابو بکر محمد بن موسیٰ الہمدانی الشافعی (المتوفی ۵۸۴ھ) جو الامام الحافظ اور البارع تھے، تذکرہ جلد ۴ ص ۱۵۱ اور امام متقن اور مبرز تھے۔ طبقات سبکی جلد ۴ ص ۱۸۹) دو مختلف حدیثوں میں تطبیق و ترجیح کے وجہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ لکھتے ہیں کہ:-

ان يكون رواية احد الحديثين مع تساويهم في المفظ والالتقان فقهاء عارفين باجتهاد الاحكام من ثمرات اللفاظ فان استولج الى حديث الفقهاء اولي اه
وحدیثوں میں سے ایک حدیث کے راوی دوسری حدیث کے راویوں کے ساتھ حفظ و اتقان میں مساوی ہونے کے علاوہ فقہاء ہوں اور الفاظ کے میووں سے احکام پھننے اور حاصل کرنے کے عارف ہوں تو انہی حدیث کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے

اس سے اندازہ فرمائیے کہ دو متضاد حدیثوں کی ترجیح میں بھی جو خالص فن حدیث کا مسئلہ ہے محدثین کرام نے فقہاء کی برتری کو نظر انداز نہیں کیا اور ایسی حدیث کو جس کے راوی حافظ

اور متفق ہونے کے علاوہ فقہاء بھی ہوں اس حدیث پر ترجیح دی ہے جس کے راوی فقیہ نہ ہوں۔
امام حاکمؒ اپنی بے نظیر کتاب معرفت علوم الحدیث میں حدیث کی صحت و اتقان کے بعد
اس کی فقہی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

معرفة فقه الحديث اذ هو ثمرة هذا العلم ودبه قوام الشريعة فاما فقهاء الاسلام
فحدیث کا سچا پانا کیونکہ وہ ان علوم کا مرقع ہے اور
اسی کے ساتھ شریعت کا قوام ہے، بہر حال فقہاء
اصحاب القیاس والرائی والاستنباط والمجدل
والنظر معروفون فی کل عصر واهل
کل بلد۔ (احمد معرفت علوم الحدیث ص ۶۳)
مشہور و معروف ہے ہیں۔

امام حاکمؒ اپنی سند کے ساتھ ہلال بن العلاء الرقیؒ (المتوفی ۲۸۵ھ) الباقی ان کو صدوق
اور نسائی صالح اور لیس بہ بائس کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ تہذیب
التمذیب جلد ۱۱ ص ۸۳ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت
پر چار شخصیتوں کو پیدا کر کے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایک ان میں سے :-

بالشافعی بفقہ احادیث رسول اللہ صلی
امام شافعیؒ میں جنہوں نے احادیث رسول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم میں فقہیت سے کام لیا۔

اور دوسرے امام ابو عبیدہ (المتوفی ۲۲۴ھ) جو الامام المجتہد اور البحر تھے تذکرہ جلد ۲ ص ۵
لفقہ اور مامون تھے۔ ایضاً ج ۲ ص ۱) ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غریب حدیثوں
کی شرح و تفسیر کی ہے، اور تیسرے امام یحییٰ بن معینؒ (المتوفی ۲۴۳ھ) ہیں جنہوں نے آپ کی
حدیثوں کو جھوٹ سے پاک و صاف کیا ہے، اور چوتھے حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ)
ہیں جنہوں نے آٹھ وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل دین اور حکم پر باوجود انتہائی
صعوبتیں برداشت کرنے کے ثابت قدمی کا اظہار کیا۔ لولہ ہم لہذا ہذا اسلام (معرفت
علوم الحدیث ص ۵۸) اگر یہ نہ ہوتے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔ بلاشبک اسلام ایک عجیب
ہے اور یہ تاقیامت ہے گا اور حقیقتہً اس کا محافظ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر عالم اسباب
کی طرف نگاہ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اپنے وقت میں یہ چاروں حضرات اسلام کے بہترین محافظ

تھے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے بھی یہ واقعہ اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے، اور آخر میں لکھا ہے کہ:-
لولا ذالک لکن الناس (بغدادی ج ۱۲ ص ۴۱) اگر یہ نہ ہوتے تو لوگ کافر ہو جاتے۔ (معاذ اللہ)

ملاحظہ کیجئے کہ جہاں اسلام کی حفاظت و بقا کے لیے دیگر امور قابلِ تائش سمجھے گئے ہیں وہاں فقہ فی الحدیث کی صفت اور خوبی کو بھی پس پشت نہیں ڈالا گیا اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ بغیر فقہ کے حدیث کی باریکیاں اور نکات سمجھے بھی نہیں جاسکتے۔ یہی ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعہ سند و معنی، روایت و دلالت کی پیچیدگیاں ناخن تدبیر کے ساتھ سلجھائی جاسکتی ہیں، چنانچہ امام عبد الرحمن ابن الجوزی الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۸ھ) انشاء فرماتے ہیں کہ:-

اعلم ان فی الحدیث دقائق و افات لا تو جان لے کہ حدیث میں بڑی باریکیاں اور پیچیدگیاں
یعرفها الا العلماء الفقهاء تافه فی تعلیها و ہوتی ہیں جن کو صرف وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو
تافه فی کشف معناها۔ فقہاء ہوں کبھی تو ان کی روایت نقل میں اور کبھی ان
کے معانی کے کشف میں یہ دقائق و افات ہوتی ہیں۔
(دفع شبه التشبه ص ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فقہاء کرامؒ کا اصل میدان تو دلالت و فقہ ہے مگر بایں ہمہ وہ سند روایت کے برہنہ اور ناہموار راستہ سے بھی بے خبر نہیں رہتے۔

حافظ الدین امام ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

فان علم الحلال والحرام انشاء یتلقی من حلال و حرام کا علم و مسائل تو فقہاء ہی سے اخذ
الفقہاء (فتح الباری جلد ۹ ص ۳ طبع مصر) کیے جاسکتے ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ حافظ موصوف متاخرین محدثین میں اپنی نظیر صرف آپ ہیں اور علم حدیث کے علاوہ دیگر بیسیوں علوم میں ان کی گہری نگاہ ہے لیکن وہ فقہاء کرامؒ کے اس صحیح منصب سے جو سچ مچ ان کے شایانِ شان ہے تسلیم کرنے سے نہ چارہ پاتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر فقہ و فقہاء کی فضیلت و منقبت اور کیا ہو سکتی ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) نواب صاحبؒ کہتے ہیں: شیخ الاسلام
المجتہد المطلق شیخ المناہلۃ اہ الجنۃ (ص ۳۳) محدثینؒ اور فقہاءؒ کے مراتب اور خدمات
بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

قال احمد بن حنبلٌ معرفة الحديث والفقہ فیہ احب الی من حفظہ
ام احمد بن حنبلٌ نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت اور اس میں تفقہ پیدا کرنا مجھے اس کے صرف یاد کر لینے سے زیادہ محبوب ہے۔

الی ان قل

وقال علی بن المدینی اشرف العلم الفقہ فی متون الاحادیث ومعرفۃ احوال الرواة
اور امام علی بن المدینی اشرف العلم الفقہ احادیث کے متون میں تفقہ پیدا کرنا اور احوال روایت کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون المغربی نے فقہ کی ضرورت اور اس کی افادیت پر مبسوط بحث کی ہے، (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون از ۴۴۵ تا ۴۵۵ طبع مصر)
اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الحنفی (المتوفی ۱۱۶۴ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ :-

”وبعد از قرآن و حدیث ملا اسلام برفقہ است“ (ہرقۃ العینین ص ۱۸ طبع مجتبائی)
ان تمام عبارات اور اقتباسات سے فقہ و درایت کا مقام آسانی کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ نظر شریعت اور علماء امت کے اقوال کے آئینہ میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، اور فقہ اسلامی کی توہین و انکار کرنا سلامت روی کے سراسر خلاف ہے۔
نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ :-

الحفظ غیر المملکۃ العلمیۃ ومن کان عنایتہ بالحفظ اکثر من عنایتہ الی تحصیل المملکۃ لا یحصل الی طائل من مملکۃ التصرف فی العلم ولذلک تدری من حصل الحفظ لا یحصل شیئاً من الفن و یجب مملکۃ قاصۃ فی علمہ ان فارض او ناظر ومن ظنّ انہ المقصود من المملکۃ العلمیۃ فقد اخطأ وانما المقصود هو مملکۃ الاستقراج والاستنباط وسیعۃ الانتقال
حفظ کا درجہ اور ہے اور ملکہ علمیہ کا مقام اور ہے جس شخص کا اہتمام ملکہ حاصل کرنے کی بجائے حفظ میں زیادہ ہو اس کو تصرف فی العلم کے مکہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور اسی وجہ سے تم دیکھو گے کہ جو شخص حفظ کو پالیتا ہے وہ فن کی کوئی چیز حاصل نہیں کر سکتا اور اس کا علمی ملکہ قاصر رہتا ہے جب کہ وہ گفتگو اور مناظرہ کرے اور جس شخص نے یہ گمان کر لیا کہ ملکہ علمیہ سے صرف حفظ ہی مقصود ہے سو اس نے بیشک خطا کی کیونکہ مطلوب تو دراصل

من المدوالی الی المدلولات ومن اللزیم الی
الملزوم وبالعکس فان ضمت الیہا مملکت
الاستحضار فنعمہ المطلوب ہذا لایتم
بمجرد الحفظ

استخراج اور استنباط اور الفاظ سے معانی کی طرف اور
لازم سے ملزوم کی جانب اور بالعکس فقال لکے نے کا
ملکہ حاصل کرنا ہے، اور اگر اس کے ساتھ ملکہ حفظ و
استحضار بھی حاصل ہو جائے تو پھر نور علی نور ہے مگر

(الحلۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص ۵۷) یہ ملکہ محض حفظ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

غور فرمائیے کہ نواب صاحب کیا ارشاد فرمائے ہیں! سچ ہے کہ کلام الملوک، ملوک الکلام کہ
مقصود بالذات تو ایسا ملکہ علمیہ حاصل کرنا ہے جس کے توسط سے استخراج احکام اور استنباط مسائل
کی گتھی سلجائی جاسکے۔ محض حفظ سے بھلا یہ ملکہ علمیہ کیسے کس کو حاصل ہو سکتی ہے؟ اسی کا نام فقہ اور دانت
اور رائے واجتہاد ہے۔ جو شخص اس سے موصوف ہو گا گویا وہ ملکہ علمیہ کی مدۃ المنتہی پر فائز ہو گا۔
امت کے لیے جس سے اوپر کوئی اور مقام تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اہم البوالمحسن منصور بن اسمعیل الشافعی (المتوفی ۲۰۴ھ جو احوال الامۃ المذہب تھے) فرماتے ہیں کہ۔
عَابَ النَّفَقَةِ قَوْمٌ لَا عَقُولَ لَهُمْ وَمَا عَلَيْهِ إِذَا عَابُوهُ مِنْ حَسَدٍ
مَا ضَرَّ شَمْسَ الضُّحَى وَهِيَ طَالِعَةٌ أَنْ لَا يَهْدَى ضَوْءُهَا مِنْ لَيْسَ ذَا بَصَرٍ
(طبقات عسکری ج ۲ ص ۳۱)

ترجمہ :- یعنی فقہ حاصل کرنے کو ان لوگوں نے معیوب قرار دیا ہے جو عقل سے محروم
ہیں اور ایسے لوگوں کے علم فقہ پر عیب لگانے سے کوئی ضرر نہیں ہے۔
اگر کوئی نابینا آفتاب نیمروز کو جو آب و تاب سے طلوع ہو چکا ہو، نہیں دیکھتا تو اس سے
آفتاب کی روشنی کو کیا نقصان ہوتا ہے؟

فقہ سے کوئی چارہ نہیں

کم طرف کو تاہ فہم اور متعصب لوگ تو ہمیشہ فقہ کی اہمیت کو کھٹلنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور فقہاء کرام اور کتب فقہ کی تنقیص و تہہ میں بلاوجہ اپنا قیمتی وقت صرف کر دیتے ہیں لیکن ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت کے بعد فقہ و قیاس اور اجتہاد کی حاجت ایسی اہم اور ضروری ہے کہ اس سے کوئی مفتر نہیں اور زمانہ حال کے غیر مقلدین حضرات کو بھی اس کی افادہ حیثیت تسلیم کرنے سے کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد امجد علی صاحب (المتوفی ۱۳۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں۔ تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن، سنت، اجماع امت اور قیاس ان میں بھی اصل قرآن و سنت ہے اجماع اور قیاس کا ماخذ بھی قرآن اور سنت ہے، کتاب و سنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ قیاس الخ (پیش لفظ معیار الحق ص ۱) اور نیز مولانا موصوف فقہ فی الدین کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ قرآن و سنت کی حفاظت کے باوجود دنیا کے حوادث لامتناہی ہیں اور کتاب و سنت کی راہنمائی کے سوا ان حوادث سے عمدہ براہونا ممکن نہیں اس لیے لانا اہل اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا قرآن عزیز کا ارشاد ہے :-

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۚ (محل) جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرو۔

اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انما شفاء العی السؤال۔ انجان آدمی کے لیے صحت مندر طریقہ یہی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے یہ ایک فطری جذبہ تھا ہر زمانہ میں اہل علم نے اس ذمہ داری کا احساس فرمایا وقت کی ضرورت اور ماحول کے مطابق کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا فرمایا، آوارگی سے بچتے ہوئے غیر منصوص حوادث کے فیصلے انصوب یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں کئے اور اس کے ساتھ وقت کے مصالح اور ضرورتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا (پیش لفظ معیار الحق ص ۱) الغرض فقہاء کرام نے جو کچھ کیا ہے اسی فطری جذبہ کے تحت آوارگی سے بچانے کے لیے اور وقتی ضرورتوں اور مصالح کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے۔

باب سوم

فہرست صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اس بات میں ذرا برابر بھی شک و شبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ صحابہ کرام شرف صحبت نبوی کے فیض اور برکت سے سب کے سب عادل، ثقہ، متقی، خدا پرست اور پاکباز تھے مگر فہم قرآن، تدبر حدیث اور تفقہ فی الدین میں سب یکساں نہ تھے بلکہ اس لحاظ سے ان کے آپس میں مختلف درجات اور متفاوت مراتب تھے، چنانچہ امام مسروق (المتوفی ۱۶۳ھ) جو الامام الفقیہ اور احد الاعلام تھے، تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۷ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام سے فیض صحبت اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان سب کا علم سٹ سٹا کر چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ، پھر میں نے ان چھ حضرات شرف صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر ختم ہو گیا ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۵۵۔ تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۲۷۷ و مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۶۲ مع شرح العدائی۔

امام حاکم نے بھی امام مسروق سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا نام ذکر کیا ہے۔ مستدرک جلد ۲ ص ۴۶۵ وکتب عنہ المحاکد ثم الذہبی

اور امام شعبی (المتوفی ۳۸۰ھ) جو امام، حافظ، فقیہ متقن اور علامۃ التابعین تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۷۷)

کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ میں دینی مسائل کے بارے فیصلہ صادر کرنے والے تھے حضرات تھے، مدینہ طیبہ میں حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور کوفہ میں حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ (متحدّد و مسکت عنہ)

حافظ ابن القیم الجنبی (المتوفی ۷۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ اُمت مرحومہ میں بالعموم دین فقہ اور علم اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ، اصحاب زید بن ثابتؓ، اصحاب عبداللہ بن عمرؓ اور اصحاب عبداللہ بن عباسؓ کے ذریعہ پھیلا ہے۔ اہل مدینہ کا علم اصحاب زید بن ثابتؓ اور اصحاب عبداللہ بن عمرؓ کے ذریعہ اور اہل مکہ کا علم اصحاب عبداللہ بن عباسؓ کے ذریعہ پھیلا ہے۔

واما اهل العراق فعلمهم عن اصحاب اور اہل عراق کا علم اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ عبد اللہ بن مسعودؓ کے توسط سے پھیلا ہے۔

(اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۷۱ شرف المطابع دہلی)

اور نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۲۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ جن صحابہ کرامؓ سے دین، علم اور فقہ کی اشاعت ہوئی ہے، ان میں حضرات ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ پیش کش تھے (الجنة في الاسواق المحنة بالسنة ۵۸۰ھ) مولانا مبارک پوری صاحب (المتوفی ۱۲۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ دینی مسائل کی ترویج و اشاعت کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ کے تین طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جس سے مسائل کی ترویج ہوئی ہے مگر نسبتاً کم اور دوسرا طبقہ متوسط رہا ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس سے دین کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی ہے، ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عمرؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (تحفة العوادی ج ۱ ص ۱۷۱)

امام شعبی (عاصم الاول) کا بیان ہے کہ مجھے اہل کوفہ، بصرہ اور عجم کی حدیثوں کا امام شعبیؒ سے بڑا کوئی عالم معلوم نہیں تذکرہ جلد ۱ ص ۷۷ محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ شعبیؒ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد کے سامنے فتویٰ دیا کرتے تھے ایضاً ص ۷۸، ابو حصینؒ کا بیان ہے کہ میں شعبیؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا ایضاً ص ۷۸ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ دھواک بن شیعہ ذہبی حنیفہؒ تذکرہ ص ۱۰۰

کہ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے شیخ اور استاد یہی تھے، کا ارشاد ہے کہ :-

مکان الفقہاء بعد اصحاب رسول اللہ ﷺ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے بعد فقہاء
صلی اللہ علیہ وسلم بالخوفۃ فی اصحاب کا طبقہ کوفہ میں اصحاب عبداللہ بن مسعود میں بنا
عبداللہ بن مسعود۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۷۹۹) ہوا تھا۔

اور پھر ان کے نام یہ بیان کیے ہیں۔ علقمہ بن قیس النخعی، عبیدہ بن قیس المرادی، شریح بن الحارث
الکندی اور مسروق بن الاعدع الہمدانی۔

اور امام ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب جو قرآن پڑھتے پڑھتے اور جن
کی رائے پر لوگ مطمئن ہو کر تفسیر حاصل کرتے تھے، یہ چھ حضرات تھے، علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، عمرو
بن شریح اور الحارث بن قیس۔ (ایضاً)

اور امام شعبیؒ ہی سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ :-

ماكنت اعرف فقهاء الكوفة الا اصحاب عبد الله بن مسعود کے سوا اور
عبد الله اھد تذکۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۸۱) کسی کو فقہاء نہیں جانتا۔

حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود لوگوں میں دین
اور فقیہ کا جذبہ پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہیں اور مسجد کوفہ میں جب چار سو کے قریب دو اتالی بھی
ہوئی دیکھیں جن سے طلبہ کرام کتابت علم میں مصروف تھے، تو ان سے خوش ہو کر یہ فرمایا کہ :-

لقد ترک ابن ام عبد یعی ابن مسعود عبداللہ بن مسعود نے ان کو کوفہ کے روشن چراغ
ہولاء صبح الکوفۃ (مناقب مرفوع ج ۲ ص ۱۴۳) بنا کر چھوڑا ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ فقہ میں جن حضرات کو مقام
بلند حاصل رہا ہے، ان میں خصوصیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے اصحاب شامل
ہیں اور ان کی فقہ تمام مجتہدین کی فقہ پر مقدم اور ان پر فائق ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ
صاحب لکھتے ہیں کہ :-

”قول زید بن ثابت اور فراتض مقدم باید ساخت بر اقوال مجتہدین و قول عبداللہ بن مسعود
را در قرأت و فقہ“ (ازالۃ الخفاء ص ۱۵ طبع صدیقی، بریلی)

کوفہ میں حضرات صحابہ کرام کا درود

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب اہل حل و عقد نے حضرت علیؓ و المتوفیٰ (ع) کو خلیفہ راشد تسلیم اور منتخب کر لیا تو کچھ ایسے ناگفتہ بہ حالات اٹھ کھڑے ہوئے جن کی وجہ سے خلیفہ چہارم کو خاصی پریشانی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور عراق کے اندر اس انداز سے شورش اور فتنہ برپا ہوا کہ حضرت علیؓ نے سیاسی طور پر خلافت کے استحکام کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ مدینہ طیبہ سے دار الخلافہ منتقل کر کے عراق کے کسی موزوں شہر کو مرکز بنالیا جائے۔ چنانچہ یہ شرف کوفہ کو حاصل ہوا۔ اور انہوں نے اپنی خلافت کا بیشتر حصہ جو چار سال تھا (حاشیہ نفع الطیب جلد ۲ ص ۱۰۰ طبع مصر) بن حجد عسقلانی) وہیں گزارا تھا اور اس اثنا میں علاوہ دیگر علمی ضیاء پاشیوں کے جو ان کی اور دیگر حضرات صحابہ کرام کی وجہ سے خوب پھیلیں جتنے بھی اہم قضایا اور فیصلے ان کے ذریعے صادر ہوئے وہ کوفہ ہی میں ہوئے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:-

وانما ظهر علمه علیٰ وفقهہ فی الکوفہ بحسب
یعنی حضرت علیؓ کا علم اور ان کی فتنہ کوفہ میں ان کی
مقامہ فیہا عندہ مدۃ خلافتہ ۱۱
خلافت کی مدت میں ظاہر ہوتی رہی۔
(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۷ طبع مصر)

اور حضرت شاولی اللہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:-

کان اغلب قضایاہ بالکوفہ
ان کے بیشتر فیصلے کوفہ ہی میں صادر ہوئے ہیں۔
(حجة البالغة ج ۱ ص ۱۳۷ طبع مصر)

اور یہ کوئی معذرت نہیں ہے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-
”قضایائے بسیار در ایام خلافت بردست اظہار شدند“ (قرۃ العینین ص ۱۳۷ طبع مجتہائی دہلی)
مگر یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ کے کوفہ جانے سے پہلے بھی وہاں علم و عرفان کی بارش برستی
رہی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:-

”حضرت علیؓ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا تاہم اہل کوفہ حضرت علیؓ کے وقت تو کیا حضرت
عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے بھی بیشتر قرآن و سنت کا علم رکھتے تھے“ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۹)

اور لکھتے ہیں کہ ”جب حضرت علیؓ کو فہ تشریف لے گئے تو ان سے پہلے ہی اہل کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت عمارؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ وغیرہ سے جن کو حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیجا تھا، دین و علم حاصل کر چکے تھے۔“ (ایضاً ج ۴ ص ۱۵۷)

اور جو علوم اہل کوفہ نے حاصل کیے تھے وہ بھی سن لیجئے کہ :-

فان اهل الكوفة التي كانت داره كالوا
 اہل کوفہ نے جو حضرت علیؓ کا دار الخلافہ تھا حضرت
 قد تعلموا الديان والقرآن وتفسير الفقه
 عبداللہ بن مسعود وغیرہ سے ایمان، قرآن، تفسیر فقہ
 والسنة عن ابن مسعود وغيره قبل ان
 اور سنت کا علم حضرت علیؓ کی کوفہ میں تشریف
 يقدم على الكوفة ۱۵
 آوری سے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔

(منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۳۲)

اور ان اکابر صحابہؓ کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرامؓ عراق کے اس بابرکت شہر کوفہ میں تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ امام حاکمؒ (المتوفی ۵۰۵ھ جو الحافظ البکیر امام المحدثین تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۳۷) نے اپنا ۴۹ صحابہ کرامؓ کے نام مع ولایت بیان کیے ہیں جو کوفہ میں نزیل ہوئے۔ (ملاحظہ ہو معرفت علوم الحدیث ص ۱۹۱ طبع القاہرہ)۔

علامہ ابن سعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ جو الحافظ العلماہ اور کثیر العلم تھے۔ تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۷) لکھتے ہیں کہ ”ستر بدری اور تین سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔“ (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۷۷ طبع مصر)

اس سے انداز لگایں کہ دیگر صحابہ کرامؓ جو کوفہ میں فروکش ہو کر اس کو بابرکت کر چکے ہوں گے ان کی تعداد کیا ہوگی؟

امام ابوبشر الدولابی الحنفیؒ (المتوفی ۳۱۰ھ جو الحافظ اور العالم تھے تذکرہ ج ۲ ص ۲۹۱) سند کے ساتھ مشہور تابعی حضرت قتادہؒ (المتوفی ۱۱۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ :-

نزل الكوفة الف وخمسون رجلا من
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے ایک
 اصحاب، النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابعة
 ہزار اور پچاس (دیگر صحابہؓ) اور جو بیس بیسی صحابہؓ
 وعشرون من اهل بدر کتاب الکئی والاسماء
 کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔

جلد ۱۲۸ طبع حیدر آباد دکن)

امام احمد بن عبد اللہ العیسیٰ (المتوفی ۲۶۱ھ جو الامام الحافظ اور القدوة تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۷ کا بیچ ہے کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ نازل ہوئے تھے (بحوالہ فتح القدیر حافظ ابن ہمام جلد ۲ ص ۲۲ طبع نول کشور شرح نقایہ جلد ۱ ص ۲۱ ملّا علی نقاریؒ)۔

امام شمس الدین السخاوی الشافعیؒ (المتوفی ۵۹۰ھ) کوفہ میں فرود کش ہونے والے بعض صحابہ کرامؓ کے نام لکھ کر آگے فرماتے ہیں کہ :-

وخلق من الصحابة - (الاعلان بالتوزيع لمن ذم اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ وہاں اترے۔

التاریخ ص ۱۲۹ طبع دمشق)

غور فرمائیے کہ جو مقام خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا دار الخلافہ ہوا اور جس میں عام صحابہ کرامؓ کے علاوہ بدی اور اصحاب الشجرہ (جن کو ضرائع الہی کی سند بذریعہ قرآن پاک اور حضرت کا پروانہ بتوسط جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو چکا ہو) نازل ہوئے ہوں اور جس میں فقہاء صحابہؓ میں سے علی الخصوص حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ فضل خصوصاً اور تعلیم کے ذریعہ علم دین، ایمان اور فقہ سے لوگوں کے دلوں کو مالا مال کر چکے ہوں اس کی فضیلت کے لیے یہ مناقب و مزیایا بھلا کیا کم ہیں؟

امام نووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ جو الامام الحافظ الاعداد القدوة اور شیخ الاسلام تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۵) لکھتے ہیں کہ :-

وہی دار الفضل و محل الفضلہ کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

(شرح مسلح ج ۱ ص ۵۵)

اور امام ابو حنیفہؒ نے کوفہ کو معدن العلم والفہم فرمایا ہے۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۵۵)

امام سفیان بن عیینہؒ (المتوفی ۱۹۸ھ جو العلانہ الحافظ اور شیخ الاسلام تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۲۴۲) نے فرمایا کہ افعال حج اور مناسک تو تم اہل مکہ سے حاصل کرو اور قرأت اہل مدینہ سے سیکھو لیکن :-

وخذوا الحلال والحرام عن اهل الكوفة حلال اور حرام کے مسائل تم اہل کوفہ سے لو۔

(معجم بلدان یا قوت حموی لفظ کوفہ)

اور نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو مغازی اور جگلوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ اہل مدینہ سے حاصل کرے اور مناسک حج اہل مکہ سے سیکھے۔

ومن اراد الفقه فالكوفة
ورنقب صدر الائمة ج ۲ ص ۶۴)

حافظ ابوالقاسم بن عساکر (المتوفی ۵۸۱ھ) جو الحافظ الامام الحافظ الکبیر، فخر الائمہ اور ثقۃ الدین تھے، تذکرہ جلد ۴ ص ۱۸۸) اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تم نماز کے مسائل اہل مدینہ سے، مناسک حج اہل مکہ سے اور ظالم وغزوات کے حالات اہل شام سے حاصل کرو۔ اور

والدای عن اهل الكوفة
لئے وقتہ تم اہل کوفہ سے حاصل کرو۔
(تاریخ دمشق جلد ۱ ص ۳۱ طبع دمشق)

یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ کوفہ صرف فقہ ہی کے لیے مشہور نہ تھا بلکہ وہ علم حدیث کا بھی اچھا خاصہ مرکز تھا اور ہزاروں طلبہ حدیث وہاں حاضر ہو کر اپنی آتش شوق بجھایا کرتے تھے، چنانچہ مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین (المتوفی ۱۸۰ھ) جو الامام الربانی، فقیہ، امام، غزیر العلم، ثقہ، ثبت اور فہم تعبیر کے علامہ تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۴۳) فرماتے ہیں کہ:-

قدمت الکوفة وبها اربعة الاف يطلبن
الحديث (تدیب الروای ص ۲۷ طبع مصر)
میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث موجود تھے۔

محدث بغداد عمار بن مسلم (المتوفی ۱۸۰ھ) ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور امام تھے۔ بغدادی جلد ۱۲ ص ۲۶۹ اور عجمی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت اور صاحب سنت تھے۔ ایضاً۔ اور یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت اور متقن تھے۔ ایضاً ص ۲۷ اور علامہ ذہبی ان کو الحافظ اور محدث بغداد کہتے ہیں۔ تذکرہ ج ۱ ص ۳۴) فرماتے ہیں کہ:-

فقد منا الكوفة فاقمنا اربعة اشهر ولودنا
ان نكتب مائة الف حديث لكتبناها
فما كتبنا الا قد رخصين الف حديث
ہم کوفہ پہنچے اور چار ماہ وہاں قیام کیا۔ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ حدیث لکھ سکتے تھے مگر ہم نے (کمال احتیاط کے ساتھ) صرف پچاس

الى ان قال وما رأينا بالكوفة حتى نأخذوا
 (شرح الفية العراقية ج ۳ ص ۳ طبع مصر وقد مر
 هزار حدیثیں ہی لکھیں (پھر فرمایا) کہ ہم نے کوفہ میں
 عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اس کو روکنا نہ دیکھا۔
 نصب الرأیہ ص ۳۵)

امام أبو جعفر عبد اللہ بن ابی داؤد (المتوفی ۳۱۶ھ) جو الحافظ العلامة اور قدوة المحدثین تھے ،
 تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹ اور وہ اپنے دور کے بڑے زاہد اور عابد تھے ، تین لاکھ سے زیادہ لوگ
 ان کے جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲) فرماتے ہیں کہ :-

وقال دخلت الكوفة ومعي درهم واحد
 فاشتريت به ثلاثين مئةً باقلا وفكنت
 اكل منه واكتب عن الاشيج فافزع
 عن الباقلا وحتى كتبت عنه ثلاثين
 الف حديث مابين مقطوع ومن سئل
 رتذكرة الحفاظ جلد ۲ ص ۲۹۹ وتاريخ بغداد
 ج ۲ ص ۲۹۹ وطبقات سبکی ج ۲ ص ۲۳۷)
 میں جب کوفہ میں داخل ہوا تو میرے پاس صرف
 ایک ہی درہم تھا جس کا میں تیس مئة (تقریباً)
 ایک رطل اور پونڈ کا مڈہ ہوتا ہے) باقلا خرید لیا پھر
 میں اس کو کھاتا رہا اور محدث اشج سے حدیثیں
 لکھتا رہا۔ اس طرح میں نے باقلا کے ختم ہونے
 سے پہلے ہی تیس ہزار حدیثیں لکھ لیں جن میں
 مقطوع اور سئل بھی شامل تھیں۔

اس عبارت میں جس الاشج کا تذکرہ آیا ہے وہ ابو سعید عبد اللہ بن سعید بن حصین الکندی الکوفی
 (المتوفی ۲۵۷ھ) ہیں جو الامام شیخ الاسلام، الحافظ اور محدث الکوفہ تھے۔ امام البوہاری کا بیان
 ہے کہ ہوا علم اہل زمانہ۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲)

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے طلب حدیث کے
 سلسلہ میں بہت سے اسلامی شہروں کا سفر اختیار کیا تھا لیکن کوفہ اور بغداد میں تو وہ بار بار حاضر ہوتے
 رہے ، چنانچہ خود ان کا اپنا ارشاد ہے کہ :-

لا احصى كم دخلت الى الكوفة وبغداد
 مع المحدثين لهدى السارى مقدمه فتح الباري
 میں یہ نہیں گن سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ
 اور بغداد کو کتنی مرتبہ گیا۔

جلد ۲ ص ۲ طبع مصر
 امام عبد اللہ بن احمد (المتوفی ۲۹۰ھ) جو الامام الحافظ اور المجتہد تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۳) نے

اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ طلب علم کے لیے ایک ہی استاد کی خدمت میں رہنا چاہیے، یا دیگر مقامات میں بھی جا کر علم حاصل کرنا چاہیے؟ تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :-

میرحل ویکتب من الکوفیین والبصریین سفر اختیار کرنا چاہیے اور کوفیوں، بصریوں، اہل
واہل المدینۃ ومکۃ (تدریب الدلوی مدینہ اور اہل مکہ سے علم لکھنا چاہیے۔
ص ۳۱۱، اذ فتح المغیث ص ۳۱۱)

ملاحظہ کیجئے کہ امام اہل سنت اور مقتدائے ملت نے جن مقامات اور جن حضرات سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے، ان میں اہل کوفہ کا ذکر سب سے پہلے نمبر پر کیا ہے، کیا خوب کہا گیا ہے کہ نہ میری انتہا لے لگا کر شش یہی ہے ترے نام سے استدا کر رہا ہوں
اہل کوفہ اور علم حدیث

چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کوئی تھے، اس لیے سابق زمانہ میں حاسدین اور متعصبین اور کچھ حقیقت ناشناس حضرات نے اور اس دور میں غیر معتقدین حضرات نے خاصی قوت صرف کر کے یہ ہم شروع کر رکھی ہے کہ اہل کوفہ کو تو حدیث کا علم ہی نہ تھا اور کوفہ والوں کی حدیث میں نور ہی نہیں اور کوفہ والوں کی نقل ہی معتبر نہیں اور اگر جابر جعفیؒ کذاب نہ ہوتا تو کوفہ والے علم حدیث ہی سے تہی دست ہوتے وغیرہ وغیرہ تعبیرات سے وہ اس عنوان کو ادا کرتے ہیں چنانچہ مصنف حقیقت الفقہ حصہ اول ص ۸۰ میں یہ عرضی قائم کرتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث دانی اور پھر کچھ تو دعویٰ سے بالکل غیر متعلق حوالے نقل کئے ہیں ہمیں ان کے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں اور ایک حوالہ ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵ طبع مجتبائی کا یوں نقل کیا ہے۔ (ہم صرف ان کے ترجمہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں) :- امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے : ۱۵
مگر صد افسوس کہ مصنف مذکور بات کو بالکل نہیں سمجھا اور اگر سمجھا ہے تو خیانت سے لکھ رہا ہے، ہم ابو داؤد کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

قال ابو علی سمعت ابا داؤد قال قال النضلی ابو علی کہتے ہیں کہ میں نے ابو داؤد سے سنا کہ فضیلی
حیث حدث بهذا الحدیث واللہ انہ عندی جب یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے تو یہ بھی فرماتے

تھے کہ بخدا یہ حدیث جمیع حدیثنا اور حدیثی کے (سمع
کیلئے صریحاً) الفاظ آتے ہیں مجھے شہد سے بھی زیادہ
لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ ابو علیؑ نے ابو داؤدؒ سے یہ روایت
کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے احمدؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ
اہل کوفہ کی حدیث میں تو نہیں اور میں نے اہل بصرہ کی طرح کوئی
اور نہیں دیکھا جو یہ فرق ملحوظ رکھتا ہو کیونکہ انہوں نے
شعبہؒ سے یہ حاصل کیا ہے۔

احلی من العسل یعنی قولہ حدیثنا و حدیثی
قال ابو علی سمعت ابا داؤد یقول سمعت
احمد یقول لیس لحديث اهل الكوفة
لورا قال ومارأیت مثل اهل البصرة كانوا
تعلموه من شعبۃ (انتہی) جلد ۲ ص ۳۴۱

(بایں ہمہ حضرت شعبہؒ کا علم بھی اہل کوفہ کا فیض تھا چنانچہ بغدادیؒ لکھتے ہیں :- و علمہ
کوفی جلد ۹ ص ۲۵۰)۔

بات صرف اتنی ہے کہ اہل بصرہ حدیثنا و حدیثی وغیرہ کے الفاظ میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔
اور اہل کوفہ اس فرق کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اور اسی عدم فرق پر قاضی عیاض المالکی (المتوفی ۵۴۲ھ)
اور حافظ عراقی الشافعی (المتوفی ۵۸۰ھ) نے اجماع نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم ص ۵۸ وغیرہ)
حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ، مالکؒ، ابن عیینہؒ، یحییٰ القطانؒ اکثر اہل حجاز اور اہل کوفہ
اور اسی طرح اہل مغاربہ کا یہ مسلک ہے اور اسی کو ابن الحاجبؒ نے مختصر میں ترجیح دی ہے اور امام
حاکمؒ نے ائمہ اربعہؒ کا یہ مذہب بتایا ہے کہ ان الفاظ کا ایک ہی معنی ہے۔ اور بعض نے
ان الفاظ کی پابندی کو صرف مستحسن قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱۸ طبع مصر)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فن روایت کے اس دقیق فرق کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں
کہ اہل کوفہ کی حدیث اس فرق کو واضح کرنے کے لیے اتنی روشن نہیں جتنی کہ اہل بصرہ کی سند کے لحاظ
میں روشن اور واضح ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے یہ فرق اہم شعبہؒ سے حاصل کیا ہے، یہ مطلب ہرگز
نہیں کہ کوفہ والوں کی حدیث متن کے لحاظ سے بے نور ہوتی ہے جیسا کہ مؤلف حقیقت الفقہ کا یہ
باطل اور بے بنیاد مدعی ہے اور مؤلف نتائج تقلید نے تو اس سے بھی بڑھ کر غلط بیانی سے کام لیا ہے
چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ رئیس المحدثین امام ترمذیؒ کا قطعی و مناطق فیصلہ بھی مسنتے چلیے، لولا جابر الجعفی
لکان اهل الكوفة بغیر حدیث ولولا حماد لکان اهل الكوفة بغیر فقہ (ترمذی ص ۲۹)

اگر جابر جعفی ایسا کذاب نہ ہوتا تو حنفی مذہب کے پاس کوئی حدیث نہ ہوتی اور اگر حضرت حماد کوئی نہ ہوتے تو حنفیت فقہ سے سنی دست ہوتی۔ جابر جعفی کو امام ابو حنیفہؒ سے بڑا کذاب فرماتے ہیں اور حضرت حمادؒ بھی مستحکم فیہ یعنی غیر معتبر ہیں۔ لطف یہ کہ فقہ حنفیہ کا سرمایہ حیات لے دے کہ بقول امام ترمذیؒ جابر جعفی اور حمادؒ کوئی ہی ہیں۔ (انتہی بلغظہ ص ۹ و ص ۱۰)

مگر حیرت ہے کہ مؤلف مذکور بھی کئی وجوہ سے جہالت کا شکار ہو گیا۔ اولاً اس لیے کہ یہ قول امام ترمذیؒ کا نہیں بلکہ وکیع بن الجراحؒ کا ہے اور وہ جابر بن یزید جعفیؒ کی توثیق کر رہے ہیں۔ (اگرچہ جمہور ان کی تضعیف کرتے ہیں) چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقال وکیع مہما شککم فی شیئ فلا تشکوا
فی ان جابراً ثقتہ حدثنا عنہ مسعود سفیان
وشعبۃ وحسن بن صالح
(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۷)
صلح نے ان کی حدیث بیان کی ہے۔

اور ترمذیؒ کی اس عبارت میں بھی مقصود بالذات یہی نکتہ ہے۔ وثانیاً مؤلف نے اہل کوفہ سے کیونکر علی التعمین حنفی ہی سمجھ لیے ہیں، کیا کوفہ میں اور حضرات نہ تھے؟ اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو مولانا مبارکپوری صاحبؒ ہی کی سن لیجئے:-

قلت الصحیح ان الترمذی اراد باہل الکوفۃ
من کان فیہا من اہل العلم کالامام ابی حنیفۃ
والسفیانین وغیرہم واراد ببعض اہل
الکوفۃ بعضهم ولم یرد باہل الکوفۃ او
ببعض اہل الکوفۃ الامام ابی حنیفۃ وحدثہ
(مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص ۱۰۱)

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذیؒ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم ہوں جیسے مثلاً امام ابو حنیفہؒ سفیان ثوریؒ سفیان بن عیینہؒ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ بعض مراد لیے ہیں امام ترمذیؒ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابو حنیفہؒ ہی مراد نہیں لیے۔

کیا اس حوالہ کے پیش نظر ہم سبھی سمجھ لیں کہ جلد اہل کوفہ کی حدیث دانی جابر بن یزید جعفیؒ پر قائم ہے؟ اور بقول مؤلف نتائج التقلید لے دے کہ اہل کوفہ کی حدیث دانی کا سرمایہ سیاحت ہی جابر جعفیؒ ہیں؟ وثالثاً امام حمادؒ کو علی الاطلاق مستحکم فیہ سمجھنا اور مستحکم فیہ کا معنی غیر معتبر کرنا بالکل غلط ہے۔ درندہ

اکثر روایات متکلم فیہ مضمون کے۔ (مزیہ تحقیق تعلیق المغنی ج ۱ ص ۱۵۱ میں دیکھئے) اور کیا امام حاد محمد بن اسحاق سے بھی زیادہ متکلم فیہ ہیں؟ جن کی روایت پر قرأت خلف الامام کے مسئلہ کی عمارت کھڑی ہے اور غیر مقلدین حضرات کے دورِ حاضر میں سب سے بڑے محدث اور جامعۂ سلفیہ کے شیخ الحدیث ایک مقلد پر یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

”پھر یہ مرسل کیسے حجت ہو سکتی ہے، جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت

نہیں اھ“ (ملفوظ خیر الکلام ص ۲۹۴)

یعنی اہل کوفہ کی نقل اور روایت سے گلو خلاصی کے لیے کیا ہی تیر بہدت اور زرد و اثر نسخہ دستیاب کر لیا گیا ہے کہ جب اہل کوفہ کی نقل ہی صحیح نہیں تو پھر تطبیق کی کیا ضرورت ہے؟ بتائیے کہ اس جواب کے تریاق، مجرب اور اکسیرِ عظم ہونے میں کیا کسر باقی ہے؟ جہاں سند میں کوئی کوئی راوی ملے وہاں جھٹ سے یہ اکسیر اس کی روایت کو سونگھا دوا اور یقین جاسیے کہ کوفہ کا سب سے بھی پہلے اس کا اثر نمایاں ہو گا اور اہل کوفہ کی حدیث و روایت جہاں بھی ہوگی وہیں ختم و بے ہوش ہو جائے گی۔ مگر یہ خیال ہے کہ مسئلہ رفع یدین، آئین بالجر اور فوق الصدر وغیرہ میں کہیں سفیان ثوری اور ایسے ہی دیگر کوئی نہ ہوں، ورنہ یہ سودا سرسبز مہنگا پڑے گا اور یہ کستا پڑے گا۔

جاؤ وہ جو سر پر چڑھ کر نکلے

راقم الحروف نے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ کے سن وفات ۲۵۶ھ تک جب محدثین کوفہ کی تلاش تاریخ خطیب، طبقات فضی، تذکرہ الحفاظ، معرفت علوم الحدیث تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ وغیرہ وغیرہ کتب اسما الرجال و طبقات میں شروع کی تو ان کی تعداد دیکھ کر دل سے بھی متجاوز نکلی، خوف طوالت سے سب کو نظر انداز کر دیا، البتہ غیر مقلدین حضرات کو دعوت فکر کرنے کے لیے تذکرہ الحفاظ کی صرف پہلی جلد سے ان محدثین عظام کا ذکر کرنا بڑا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کو علامہ ذہبیؒ نے الکوفی یا نزہل الکوفہ کے لقب سے یاد کیا ہے عام اس سے کہ وہ مولد کوفی ہوں یا سکنا۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے تذکرہ الحفاظ میں متقل عنوان صرف انہی حضرات کے ناموں سے قائم کئے ہیں جو حفاظِ حدیث ہیں۔ کسی کے نام کے ساتھ انہوں نے الامام، القدوة، الحدیث اور کسی کے نام کے ساتھ الحفاظ، الحجۃ، الثقة اور کسی کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام اور محدث

الکوفہ وغیرہ کے تصنیفی کلمات لکھ کر اپنی حسن عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور ان کا صحیح - بہ اور مقام بھی بتایا ہے۔ ہم صرف ان حضرات کا ذکر کریں گے جن کو مستقل عنوان کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے اور حتی الامکان ہر ایک کا سن وفات بھی عرض کر دیں گے۔

۱	علقمہ بن قیس	المتوفی ۶۲ھ	۲۱	الامم شعی	المتوفی ۱۰۳ھ
۲	مسروق بن الاحمد	۶۳ھ	۲۲	الواسطی البیہقی	۱۲۷ھ
۳	عبیدہ بن عمرو المرادی	۷۲ھ	۲۳	حبیب بن ابی ثابت	۱۱۹ھ
۴	اسود بن یزید	۷۵ھ	۲۴	الحکم بن عتیبہ	۱۱۵ھ
۵	سوید بن غفلہ	۸۱ھ	۲۵	عمرو بن مرہ	۱۱۶ھ
۶	زہر بن ہیش	۸۲ھ	۲۶	قاسم بن مخیرہ	۱۱۱ھ
۷	ربیع بن النخیر	۹۳ھ	۲۷	عبد الملک بن عمیر	۳۶ھ
۸	عبد الرحمن بن ابی السائب	۷۳ھ	۲۸	منصور بن معتمر	۱۳۰ھ
۹	ابو عبد الرحمن السلمی	۷۳ھ	۲۹	مغیرہ بن مقسم	۱۳۰ھ
۱۰	شریح بن الحارث	۷۸ھ	۳۰	حسین بن عبد الرحمن	"
۱۱	الوداعی شقیق بن سلمہ	۸۲ھ	۳۱	ابو اسحاق اشعینی	۱۳۰ھ
۱۲	قیس بن ابی حازم	۹۷ھ	۳۲	اکمیل بن ابی خالد	۱۴۰ھ
۱۳	عمرو بن میمون	۷۵ھ	۳۳	سیمان بن مهران عمش	۱۴۸ھ
۱۴	زید بن وہب الجبلی	۸۴ھ	۳۴	عبد الملک بن سلیمان العزیمی	۱۴۵ھ
۱۵	معمر بن سوید	"	۳۵	محمد بن عبد الرحمن بن ابی السائب	۱۴۸ھ
۱۶	ابو عمرو الشیبانی	۹۸ھ	۳۶	حجاج بن ارطاة	۱۴۹ھ
۱۷	ربیع بن خراش	۱۰۱ھ	۳۷	مسعر بن کدام	۱۷۵ھ
۱۸	ابراہیم التیمی	۹۲ھ	۳۸	المعمری	۱۶۰ھ
۱۹	ابراہیم النخعی	۹۵ھ	۳۹	سفیان بن سعید ثوری	۱۶۱ھ
۲۰	سعید بن جبیر	"	۴۰	اسرائیل بن یونس	۱۶۲ھ

۹۳) یحییٰ بن ابی بکر المتوفی ۲۰۸ھ

۹۴) زکریا بن عدی ۲۱۲ھ

۹۵) احمد بن عبد اللہ بن یونس ۲۲۷ھ

۹۶) ابو عثمان ۲۱۹ھ

۹۷) خالد بن مخلد قطوفی ۲۱۳ھ

۸۷) داؤد بن یحییٰ بن بیان المتوفی ۲۰۳ھ

۸۸) ابو جابر الحسن بن عبد اللہ بن زید ۲۱۳ھ

۸۹) ابو نعیم فضل بن وکیع ۲۱۹ھ

۹۰) قیس بن عقیبہ ۲۱۵ھ

۹۱) موسیٰ بن داؤد الضبی ۲۱۷ھ

۹۲) خلف بن تمیم ۲۰۶ھ

یہ یاد ہے کہ ہم نے تذکرۃ الحفاظ جلد اول ہی سے کوفہ کے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے اور ان میں بھی حضرت امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف (المتوفی ۱۸۲ھ) کا ربا وجودیکہ ان کو تذکرۃ الحفاظ جلد اول میں مستقل عنوان دے کر علامہ ذہبی نے بیان کیا ہے (تذکرہ نہیں کیا تاکہ ان کے نام سے مزاج یا رکبیں برہم نہ ہو جائے۔

اس سے آپ اندازہ لگالیجئے کہ تذکرۃ الحفاظ کی بقیہ تین جلدوں اور بیسیوں دیگر اسناد احوال کی کتابوں میں محدثین کوفہ یا بالفاظ دیگر کوفہ کے حدیث دانوں کی تعداد اور گنتی کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم مصنف حقیقت الفقہ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ کیا ان محدثین کوفہ یا کوفہ کے حدیث دانوں کی بیان کردہ حدیثوں میں ٹور کی کوئی گران اور جھلک ہے یا نہیں؟ صحاح ستہ اور خصوصیت صحیحین میں تو ان بیس اکثر حضرات کی حدیثیں آفتاب نیم روز کی طرح چمک رہی ہیں اور کیا ہم مولف نتائج التقلید اور ان کے جملہ مصدقین حضرات سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ان تمام حضرات کا نام جھڑ جھنی ہے؟ اور کیا ان سب بزرگوں کو روایتیں صرف جابر جعفی کے طریق ہی سے حاصل ہوئی ہیں؟ اور کیا ان تمام حضرات کا سرمایہ حیات لے دے کہ جابر جعفی پر ہی ختم ہو جاتا ہے؟ اور کیا ہم جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب نے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے نزدیک ان اہل کوفہ حضرات کی نقل صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا ان اکابر حفاظ حدیث کی روایت کی دوسرے روایت حدیث کی بیان کردہ حدیثوں سے تطبیق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کی نقل اور پیش کردہ روایات و احادیث پر کوئی اعتماد و اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

قارئین کرام! آپ نے بخوبی یہ ملاحظہ کر لیا کہ غیر متقدمین حضرات کا اصل اختلاف تو صرف حضرت

امام ابوحنیفہؒ کوئی سے ہے، لہذا ان کے لیے صرف یہی کہہ دینا کافی تھا کہ ہم نہ تو امام ابوحنیفہؒ کو (معاذ اللہ)
 ثقہ مانتے ہیں اور نہ ان کی نقل کو اور اگر اس سے بھی آگے نوازش کرنا چاہتے تھے۔ تو یہ کہہ دیتے کہ ان
 اہل کوفہ کی نقل کو بھی ہم نہیں مانتے جو حنفی ہیں۔ اگرچہ کلی طور پر یہ بھی قطعاً باطل ہے۔ مگر صدافوسس تو
 یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کی عدالت کے پر وہ میں سب اہل کوفہ کو کو ساجار ہا ہے
 اور سب پر سے اعتماد مٹایا جا رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر تعصب کی مثال بھی دنیا میں کوئی ہو سکتی
 ہے؟ اور اگر کوئی یہ تاویل کرے کہ اہل کوفہ سے ہماری مراد یہی حنفی ہیں تو یہ بھی باطل ہے۔ ہر ہم
 مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے اس کی تردید لکھ آئے ہیں اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے۔
 تو کیا غیر مقلدین حضرات کے نزدیک امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام عبد اللہ بن
 مبارکؒ، امام ویح بن الجراحؒ، امام لیث بن سعدؒ اور امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہؒ وغیرہ وغیرہ سب کی
 نقل صحیح نہیں؟ اگر ان کی نقل صحیح نہیں تو محدثین کرامؒ میں کس کی نقل صحیح ہے؟
 ہم نے اپنی کتاب ”طائفۃ منصور“ میں تاریخ کے مٹوس حوالجات ان اکابر کا حنفی ہونا ثابت
 کیا ہے۔ الغرض غیر مقلدین حضرات کا اہل کوفہ کی حدیث دانی کا انکار کرنا پوچھو میں رات کے نصف
 اسما چاند اور آفتاب نیمروز کا انکار کرنا ہے جس کو کوئی بھی منصف مزاج تسلیم کرنے پر بھی آمادہ
 نہیں ہو سکتا۔ بل البتہ متعصبین کی بات ہی الگ اور جدا ہے۔ اس کا اس جہاں میں کسی پاس
 کوئی علاج نہیں اور اس کے بارے میں ہم صرف یہی عرض کر سکتے ہیں کہ:-

بش کہ تا طبل قیامت نزنند

آن تو نیک آید و یا ایں ما

باب چہارم

امام صاحب کا مقام علم کلام اور فتاہست میں

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کی ولادت سنہ ۸۰ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ جب کہ حضرات سجادؓ کرام کی بعض بزرگ شخصیتیں موجود تھیں اور انہوں نے اکابر تابعین سے علم دین حاصل کیا اور فقہ میں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ اکثر محدثین عظام، فقہاء کرام اور جمہور اُمت کی موافق اور کی مخالفت سب اُن کے فقہی کمال پر متفق اور اُن کی اس خوبی اور کمال میں ان کی تعریف و توصیف میں رطب ولسان ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

ومن اراد الفقه فهو عيال على ابي حنيفة
(الانتقاء ۱۳ لابن عبد البر)
فقہ چاہنے والا امام ابوحنیفہؒ کا غور نہیں ہے۔ (الحلی
مسند میں نہ تو احمد بن محمد بن الصلت ہے اور نہ الحارثی)
اور تیز فہماتے ہیں کہ:-

كان ابوحنيفة وقوله في الفقه مسئلة فيه
(الانتقاء ۱۳۵)

نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ابوحنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہاں دیکھا ہے، وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تجھ سے اس ستون کے سونا ثابت کرنے کے دلائل پیش کریں لقمہ تجھ (بعد از جلد ۱۳ ص ۳۸ و اکمال ص ۶۲) تو وہ ضرور اپنی جنت میں کامیاب رہیں۔

حضرت روح بن عبادہؒ فرماتے ہیں کہ میں سنہ ۱۵۰ھ میں مشہور محدث ابن جریجؒ کے پاس تھا کہ اچانک حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر آگئی۔ ابن جریجؒ نے اِنَّا لِلّٰہِ اِیُّہِ پڑھ کر صدمہ کے ساتھ

یہ فرمایا کہ ۱۔

کتنی بڑا علم رخصت ہو گیا ہے۔

اتی ملعہ ذہب - (بغدادی ج ۱۳ ص ۲۳۸)

حضرت معمر بن کلام فرماتے ہیں کہ کو فی میں مجھے دو آدمیوں پر شک آتا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ پر ان کی

فہم میں اور حسن بن صالحؒ پر ان کے زہد میں۔ (الضم)

حدث اسمعیل فرماتے تھے کہ نعمان بن ثابتؒ کیا ہی خوب مرد تھے جو ہر ایسی حدیث کے

حافظ تھے جس میں فہم ہوتی تھی اور اس کی وہ خوب بحث و تمحیص کیا کرتے تھے اور اس میں فہم

کی تہ شک پہنچتے تھے۔

حدث عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معمرؒ کے پاس حاضر تھے۔ اتنے میں امام عبد اللہؒ

بن المبارک تشریف لائے۔ ہم نے امام معمرؒ سے یہ سنا، وہ فرماتے تھے کہ مجھے تو ابو حنیفہؒ سے ملے

کر فہم کی مہارت سکھنے والا کوئی اور نظر نہیں آتا جو مخلوق کے لیے فہم و قیاس کے ذریعہ راہِ حق

بتانے والا ہو اور میں نے ابو حنیفہؒ سے زیادہ محتاط کوئی شخص نہیں دیکھا جو خدا تعالیٰ کے دین میں

شک کی کوئی چیز داخل کر کے اپنے نفس کے لیے وبال تیار کرنے پر آمادہ ہو۔

ابو جعفر رازی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑا پرہیزگار اور کوئی نہیں پایا۔ (بغدادی

جلد ۱۳ ص ۲۳۹)

علامہ ذہبیؒ ان کو الامام الاعظم، فقیہ العراق، امام متورع، عالم، عامل مہتمی اور کبیر الشان لکھتے

ہیں۔ (تنکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۸)

حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ علماء کی بڑی جماعت نے ان کی تعریف کی اور ان کو صاحب

فضیلت تسلیم کیا ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ طبع مصر)

اور نیز فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام موصوفؒ سے روایت کی اور ان کی توثیق و تعریف

کی ہے، وہ ان لوگوں سے بدجہا زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں دلدل و جہم کلام کیا ہے۔ (مختار کتاب العلم

علامہ خطیبؒ بغدادیؒ باوجود امام صاحبؒ پر انتہائی بجرح نقل کرنے کے ان کی ذاتی خوبیوں

اور علمی قابلیتوں کا انکار نہیں کر سکے۔ ان کو امام اصحاب الراے اور فقیہ اہل العراق فرماتے ہیں اور

اپنی تاریخ میں امام صاحبؒ کے بہت سے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ۱۳

ص ۳۲۳ تا ۳۶۸) اور بحوالہ امام شافعی نقل کرتے ہیں کہ لوگ علم عقائد و کلام میں امام ابو حنیفہؒ کے خوشہ چیں ہیں۔ (بخاری جلد ۱۲ ص ۱۶۱)

امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ علماء تو صرف چار ہیں، سفیان ثوریؒ، ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور اوزاعیؒ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۱۱)

امام صدر الامم مکی الحنفیؒ (المتوفی ۵۶۸ھ) اپنی سند کے ساتھ امام عبدالرحمن بن مہدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں صرف نقال حدیث تھا، اور سفیان ثوریؒ علماء کے امیر المؤمنین تھے، اور سفیان بن عیینہؒ امیر العلماء تھے اور شعبہؒ عیار الحدیث (یعنی حدیث کی تحصیل کے لیے طواف و حرکت کرنے اور سرگردان رہنے والے بلکہ کسوٹی) تھے اور عبداللہ بن المبارکؒ صرف الحدیث تھے اور یحییٰ بن سعید قاضی العلماء تھے اور فرماتے ہیں کہ:-

وابلحنیفۃ قاضی قضاۃ العلماء ومن قال
لک سوی هذا فارمہ فی کناستہ بنی سلیم
ابو حنیفہؒ علماء کے قاضی القضاۃ تھے جو شخص تھے
اس کے علاوہ کوئی اور بات کے تو تم اس کو بنو سلیم
کی غلاطت اور گندگی ڈالنے کی جگہ (یعنی کوڑی ہیں)

ڈال دو

حسن بن صالح بن حمیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ مجھدار عالم اور تثبت فی العلم تھے۔ (الانتقاء ص ۱۲۸ و تانیب الخطیب ص ۱۵۴)

مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-
والعلم بکراً وجوراً وشرقا وغرباً بعداً وقرباً
علم بر بوجہ، مشرق و مغرب اور بعد و قرب میں متنا
تدوینہ رضی اللہ عنہ (فرست ابن ندیم ص ۲۹۹)
بھی مدون ہوا ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کا مدون کیا
مکتبہ التجاریۃ الکبریٰ بمصری) ہوا ہے۔

علامہ محمد بن اشیر الشافعیؒ (المتوفی ۶۶۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص لطف اور بھید اس میں مضمّن نہ ہوتا تو اُمت محمدیہؐ کا تقریباً نصف حصہ کبھی امام ابو حنیفہؒ کی پیروی نہ کرتا اور اس جلیل القدر امام کے مسلک پر عامل ہو کر اور ان کی تقلید اختیار کر کے کبھی تقرب خداوندی حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ (محصلہ جامع الاصول، بحوالہ تقدّمہ نصب اللہ ص ۳۱۹)

حافظ ابن کثیر الشافعی (المتوفی ۷۴۴ھ) امام صاحب کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرماتے

ہیں کہ الإمام، فقیہ العراق، أحد الأئمة الاسلام والتأوة الاسلام أحد أركان العلماء أحد الأئمة الأربعة، أصحاب مذاهب المتبوعة (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۰۷)

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ :-

ومتأس في الفقه لا يصدق شهادته بذلك
اهل جلدته وخصوصاً مالك والشافعي اه
(مقدمہ ص ۴۴ طبع مصر)
فہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ کوئی دوسرا ان
کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان کے ہم عصر علماء نے
ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے خصوصاً امام
مالک اور امام شافعی نے۔

امام ابن حجر مکی الشافعی (المتوفی ۸۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

قال بعض الأئمة لم يظهر لاحد من أئمة
الاسلام المشهورين مثل ما ظهر لابن حنيفة
من الإصصاب والتأيين ولعمري انتفع العلماء
وجميع الناس بمثل ما انتفعوا به وبأصابعه
في تفسير الأحاديث المشبهة والمسائل
المستنبطة والنوازل والقضاء والأحكام
بعض ائمہ نے کہا ہے کہ مشہور ائمہ اسلام کے علاوہ
شاگرد جتنے کہ امام ابو حنیفہ کے ہیں اتنے اور کسی
کے نہیں اور علماء و اکثر لوگوں کو شہید احادیث کی
تفسیر اور مسائل قیاسی اور قضاء اور احکام میں جتنا
امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے حاصل ہوا ہے
وہ اور کسی سے حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان
کو جزائے خیر دے۔

مزید تائید: حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سبھی لوگ فہ میں امام ابو حنیفہؒ کے خوشہ چین اور عیال ہیں۔
ان کو منجانب اللہ فہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ :-

من اراد ان يعرف الفقه فليعلمه بالحنيفة
واصحابه فان الناس كلهم عيال عليه في
الفقه۔ (تاريخ بغداد ج ۳ ص ۳۷۷ و مناقب صفی ص ۱۲)
جو شخص فہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص امام ابو حنیفہؒ
اور آپ کے اصحاب کے نقش قدم پر چلے کیونکہ تمام لوگ
فہ میں امام صاحب کے خوشہ چین ہیں۔

امام حافظ الدین کردری الحنفی (المتوفی ۸۲۷ھ) امام شافعیؒ سے اپنی سند کے ساتھ نقل
کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

مارا لیت افتہ منہ (مناقب کردی ص ۹)

اگر نہ فی مفتاح السعادة ص ۱۲۵) واکمال ص ۶۲۵) میں نے ابو حنیفہؒ سے بڑھ کسی کو فقیہ نہیں پایا۔
حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ فقیہ تھے اور فقہ دور ع کے ساتھ مشہور تھے۔
امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر حدیث کی تفسیر جاننے والا اور
فقہی نیکات کو پرکھنے اور ان کے مواقع کا علم رکھنے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں نے
جب بھی امام ابو حنیفہؒ سے کسی مسئلہ میں مخالفت کی ہے تو غور کرنے کے بعد ان کی رائے اور مسلک
ہی آخرت کے سلسلہ میں زیادہ نجات دہندہ پایا۔ (تقویٰ تو انہی کے قول میں تھا۔ یہ الگ
بات ہے کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے از روئے فتویٰ امام ابو یوسفؒ نے بہت سے مسائل
میں امام صاحب سے اختلاف رائے بھی کیا ہے۔ صفحہ ۷۵) اور فرماتے ہیں کہ:-

میں یہاں اوقات کسی حدیث کی طرف مائل ہو جاؤں گا
وکننت رہا مملت الی الحدیث وکان
معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ صحیح حدیث کو مجھ سے زیادہ
ہوا بصیر بالحدیث الصیح مبنی -
جانتے ہیں۔

امام اعظمؒ نے قاضی ابو یوسفؒ کو طعن فرماتے ہوئے یہ کہا کہ تمہارے ساتھی ابو حنیفہؒ نے حضرت
ابن مسعودؓ کا یہ قول عتق الامۃ طلاقھا الخ (لو نڈی کی آواز ہی اُس کی طلاق تصور ہوگی) کہیں
ترک کیا ہے؟ وہ فرمانے لگے۔ آپ کی بیان کردہ اس حدیث کی بنا پر جو آپ نے ابراہیم بن محمد اللہ
عن عائشہؓ کی سند سے امام ابو حنیفہؒ سے بیان کی ہے کہ جب حضرت بریرہؓ آزاد ہوئیں تو ان کو
اپنے خاوند (حضرت مغیرہؓ) کے نکاح میں رہنے یا علیحدہ ہو جانے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس پر
اعظمؒ فرمانے لگے کہ واقعی ابو حنیفہؒ بڑے ہی سمجھدار ہیں۔

عبداللہ بن ادریسؒ ایک موقع پر امام ابو حنیفہؒ کی آمد پر ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔
اس پر ان کے کچھ رفقاء نے جن میں امام ابو حنیفہؒ بن عباسؒ بھی تھے معترض ہوئے کہ آپ اس
شخص کے لیے کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ابو حنیفہؒ کا پایہ علم میں بہت بلند ہے
اگر میں ان کے علم کے لیے نہ کھڑا ہوتا تو ان کی عمر کے لحاظ سے کھڑا ہونا اور اگر عمر کا لحاظ بھی
نہ کرتا تو قمت لفقہہ (ان کی فہم کے لیے کھڑا ہوتا)۔ اگر فقہ کے لیے بھی نہ کھڑا ہوتا تو ان
زم کے لیے کھڑا ہوتا۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۴۴۱)۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ جامع الکملات ہیں اس لیے ان کی ایک ایک خوبی بزبان حال لگی
تعظیم و تکریم کی دعوت دیتی ہے، اور حق یہ ہے کہ ۷۔
یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی صاحب حدیث امام سفیان ثوری سے
بڑھ کر فقہ نہیں دیکھا مگر ابو حنیفہؒ ان سے بھی بڑھ کر فقہ تھے۔

ابو عاصم النبیلؒ سے سوال کیا گیا کہ سفیانؒ بڑے فقہ میں یا ابو حنیفہؒ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ام ابو حنیفہؒ
کے شاگرد اور غلام بھی فقہ میں سفیانؒ سے بڑھ کر ہیں۔ (بغدادی جلد ۲ صفحہ ۲۴۲) نیز انہوں نے یہ فرمایا
کہ ابو حنیفہؒ فقہ اور تمام الفقہ ہیں اور سفیانؒ تو متفقہ میں (ایضاً صفحہ ۳۴۳)۔

امام یزید بن ہارونؒ (المتوفی ۲۰۶ھ جو الحافظ القدوة اور شیخ الاسلام تھے اور وہ اپنے وقت
کے عابد و زاہد حضرات میں شمار ہوتے تھے، اچالیس سال سے زیادہ عرصہ انہوں نے عشاء کے وضو
سے صبح کی نماز پڑھی ہے تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۹۲) سے سوال کیا گیا کہ سفیانؒ زیادہ ائمہ ہیں، یا ابو حنیفہؒ؟ تو
انہوں نے فرمایا کہ ابو حنیفہؒ زیادہ ائمہ ہیں۔ (بغدادی ج ۱۳ صفحہ ۲۴۲)

ابو مسلم المستملیؒ نے امام ابو یوسفؒ و یزید بن ہارونؒ سے دریافت کیا کہ آپ کی ابو حنیفہؒ اور ان کی کتبیں
دیکھنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ :-

انظر و افہما ان کنتم تردیدون ان تفقہوا
فانی ما رأیت احدا من الفقہاء یکسده
الغفر فی قوله۔ (تایخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۴۲)
اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کی کتابوں کو ضرور
دیکھو کیونکہ میں نے فقہاء میں سے کسی ایک کو بھی ایسا
نہیں پایا جو ان کے قول کو دیکھنا ناپسند کرتا ہو۔

نیز امام یزید بن ہارونؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر حکیم کوئی نہیں دیکھا،
وہ صاحب فضل و دین اور متورع تھے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتے تھے اور صرف دینی کام اور
باتیں کرتے تھے جو لایعنی نہیں ہوتی تھیں۔ (الحیارات الحسان ص ۵۳)

امام یزید بن ہارونؒ سے پوچھا گیا کہ آدمی فتویٰ دینے کا مجاز کب ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب
ابو حنیفہؒ کی مثل اور ان کی طرح (فقہ) ہو جائے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ اے ابو یوسفؒ آپ ایسی بات
کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں اس سے بھی زیادہ کہتا ہوں کیوں کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر فقہ اور متورع کوئی

اور نہیں دیکھا۔ میں نے اُن کو دھوپ میں ایک شخص کے دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں نے سوال کیا کہ آپ دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں چلے جاتے، وہ کہنے لگے کہ مالک مکان پر میرا قرضہ ہے۔ میں نہیں پسند کرتا کہ مقرض و مدیون کے مکان اور دیوار کے سلیے کے بیچ بیٹھ کر اس سے مستفیع ہوں۔ اس سے زیادہ تقویٰ اور ورع اور کیا ہوگا؟ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۷۱ و مناقب کمرہ ص ۲۱۹)

امام یزید بن ہارونؒ ہی فرماتے ہیں کہ:-

کُتِبَ عَنِ الْفَتَايَا حَمَلَتْ عَنْهُمْ الْعِلْمَ
فَمَا لَيْتَ وَاللَّهِ فَيُفْهِمُ أَشَدَّ وَرَعًا مِنْ ابْنِ
حَنِيفَةَ وَلَا أَحْفَظَ لِلْسَانَةِ
میں نے ایک ہزار استاد سے علم کھا اور حاصل کیا ہے
لیکن خدا تعالیٰ کی قسم میں نے ان سب میں ابونعیمؒ سے
بڑھ کر صاحب ورع اور اپنی زبان کی حفاظت
کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۹۵)

حضرت یزید بن ہارونؒ بطریق غیر امام ابراہیمؒ کا کوئی قول سن رہے تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر یہ سوال کیا کہ اے شیخ ہم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بیان کیجئے، لوگوں کے قول چھوٹیئے، یزید بن ہارونؒ نے برہم ہو کر فرمایا، اے احمق، یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی تفسیر ہے، اور تو آپ کی حدیث کو کیا کرے گا جب تو نے ان کا معنی اور تفسیر ہی نہ سمجھی۔

وَلَكِنْ هَمَّتْكَ السَّمَاعُ وَالْمَجِيعُ لَوْ كَانَ هَمَّتْكَ
الْعِلْمُ لَطَلَبْتُمْ تَفْسِيرَ الْحَدِيثِ وَمَعَانِيهِ
وَنَظَرْتُمْ فِي كُتُبِ ابْنِ حَنِيفَةَ وَفِي أَقَادِيلِهِ
فَيُفْهِمُ لَكُمْ الْحَدِيثَ وَزَجَرَ النَّجَلَ وَاحْجَبَهُ
من مجلد۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۵۸)

لیکن تمہارا مقصد تو صرف سُن لینا اور حدیثوں کو جمع کر لینا ہی ہے۔ اگر تمہارا مطلوب علم کا حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی بھی طلب کرتے اور ابونعیمؒ کی کتابوں اور ان کے اقوال کو دیکھتے اور تمہارے سامنے حدیث کی تفسیر نکالتے، یہ کہتے ہوئے اس شخص کو بھڑک کر مجلس سے نکال دیا۔

یہی یزید بن ہارونؒ فرماتے ہیں کہ:-

اقادیل ابی حنیفۃ لا یجہا الا الذکی من
امام ابونعیمؒ کے اقوال کو صرف ذکی لوگ ہی پسند کرتے

الترجالی ولا يضبطها الا الفهم منهم
 (مناقب موفی جلد ۲ ص ۴۸)
 علامہ تاج الدین السبکی الشافعی (المتوفی ۷۳۵ھ) کہتے ہیں کہ:-
 ابو حنیفہ کی فقہ گری اور باریک ہے۔
 وفقہ الی حنیفۃ دقیق۔

رابطاً الشافعیۃ جلد ۲ ص ۴۸ (طبع مصر)
 یہی وجہ ہے کہ بعض کم سواد اور نااہل لوگ اس کی وقت اور باریکی تک رسائی حاصل نہیں کر
 سکتے اور اس سے نالائ ہو کر اس میں کیڑے نکالتے ہیں مبتدئی نے ایک مقام پر کیا خوب کہا ہے:-
 بِذِي الْعَبَاوَةِ مِنْ اِنْشَادِهَا مَسَكٌ كَمَا تَقَرُّ رِيَا حُ النُّورِ دِيَا الْجَعْلِ
 ترجمہ:- یعنی غبی لوگوں کو ان (اشعار) کے پڑھنے سے ضرر پہنچتا ہے، جیسے گلاب کے پھول
 کی خوشبو سے غلاطت کی گولیاں بنانے والے کیڑوں کو ضرر پہنچتا ہے۔

امام نیریز بن ہارون ہی فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کے ساتھ ملاقات کی ہے لیکن
 میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو زیادہ تھکندا، افضل اور توسع نہیں دیکھا۔ (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۶)
 امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے ابو حنیفہ جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔
 ابویحییٰ الحنفی کا بیان ہے کہ میں نے ابو حنیفہ سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔
 امام ابوبکر بن عیاض فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ افضل اہل زمانہ ہیں۔ (مناقب موفی جلد ۲ ص ۲)
 امام اوزاعی اور عمری دونوں فرماتے ہیں کہ:-

هو من اعلم الناس بمعضلات المسائل
 ابو حنیفہ پیچیدہ اور مشکل مسائل کو سب لوگوں سے زیادہ
 (مناقب کردری جلد ۱ ص ۲۸) بتدقیق الصیغۃ ص ۲۸ جانتے ہیں۔

حضرت امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں میں سب سے بڑا عابد، سب سے
 بڑا متقی، سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا فقیہ دیکھا ہے، عبد الناس تو عبد العزیز بن ابی رواہ ہیں اور
 ادیع الناس فضیل بن عیاض ہیں اور اعلم الناس سفیان ثوری ہیں اور افقہ الناس امام
 ابو حنیفہ ہیں۔ اور فرمایا کہ:-

ما رأیت فی الفقہ بمثلہ
 میں نے فقہ میں ان کا کوئی نظیر نہیں دیکھا۔

عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ اگر حدیث اور اثر میں فقہ کی ضرورت پیش آئے تو اس میں امام مالکؒ، سفیانؒ اور ابو حنیفہؒ کی رائے معتبر ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:-

وَالْبُحَيْفَةُ احْسَنُهُمْ وَادْقَهُمْ فَطَنَةً
وَاَوْصَوْهُمْ عَلَى الْفَقْهِ وَهُوَ اقْبَلُهُ الشَّلَاةُ
(تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۴۳)
ابو حنیفہؒ ان سب میں عمدہ اور باریک بصر کے مالک
میں اور فقہ کی باریکیوں میں غابر نگاہ رکھنے والے اور
قیوں میں بڑے فہیمہ ہیں۔

نیز انہوں نے فرمایا کہ جب امام ابو حنیفہؒ اور سفیانؒ ثوریؒ کسی فتویٰ پر متفق ہو جائیں تو پھر ان کے فتویٰ کے آگے (علمی دنیا میں) کون ٹھہر سکتا ہے؟

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ دونوں بزرگ کسی فتویٰ پر مجتمع ہو جائیں تو یہ قوی بات ہے، فذلک قوی، اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن المبارکؒ نے فرمایا، جب یہ دونوں بزرگ کسی قول پر اتفاق کر لیں تو میرا یہی قول ہوگا فذلک قوی (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۴۳) وتبیض الصحیفة مکر

عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر فقہ میں اچھا کلام کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کے لیے اپنی رائے سے کوئی بات کرنی مناسب ہے، تو ابی حنیفہؒ کے لیے یہ مناسب ہے۔ (بجندادی جلد ۱۳ ص ۲۴۳) امام ابن المبارکؒ نے یہ بھی فرمایا کہ:-

افقه الناس ابو حنیفہؒ ما رأیت فی الفقہ
مثله وقال ابوہ لولہ ان اللہ تعالیٰ اعاشنی
بابی حنیفہؒ وسفیانؒ کنت کما سائر الناس
لوگوں میں سب سے بڑے فہیمہ ابو حنیفہؒ ہیں، میں نے
ان کی مثل فقہ میں کسی کو نہیں دیکھا نیز انہوں نے یہ
بھی فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابو حنیفہؒ اور سفیانؒ کے ذریعہ
رقہ ذیہب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۵) میری امداد فرماتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہوتا۔

امام عبداللہ بن المبارکؒ کے سامنے کسی شخص نے امام ابو حنیفہؒ کی شان میں گستاخی کی تو وہ شیراز کی طرح گر جتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے ویحد۔ تعجب سے تجھ پر تو اس شخص کی شان میں گستاخی کر رہا ہے جس نے پینتالیس سال پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں اور جو رات کو فورا قرآن کریم دور کعتوں میں ختم کر رہا ہے، اور پھر فرمایا کہ:-

وتعلمت الفقہ الذی عدی من ابی حنیفہؒ
میں نے جو علم فقہ حاصل کیا ہے تو وہ ابو حنیفہؒ ہی سے

(بغدادی ص ۳۵۵ و مناقب مرقی ص ۲۳۶ و تبیض الضعیفہ ص ۲۵۵) حاصل کیا اور سیکھتے۔
 امام عبداللہ بن المبارکؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ٹیبی تعریف اور مدح کی ہے اور بہت سے
 اشعار بھی انہوں نے امام صاحبؒ کی تعریف میں کہے ہیں، چند یہ ہیں۔

لقد زان البلاد ومن علیہا امام المسلمین ابوحنیفہ
 بلاشبہ شہروں اور ان پر بسنے والوں کو امام المسلمین ابوحنیفہؒ نے زینت بخشی ہے
 باثار وفقہ فی حدیث کاتار الرموز علی الصیفہ
 احادیث اور حدیث کی روایت کے ساتھ جو اپنے رموز اور اسرار میں لٹکانا کی طرح صحیفہ پر جکتے ہیں۔

(تبیض الضعیفہ ص ۲۵۵ و مقدمہ عداہ الرعیۃ ص ۲۵۰ مولانا عبدالحی)
 عبداللہ بن داؤدؒ فرماتے ہیں کہ جب تم آثار یا حدیث و سرع حاصل کرنا چاہو تو سفیان ثوریؒ
 سے حاصل کرو۔

واذا اردت تلک الدقائق فالبحر حنیفہ اور جب تم فقہ کی باریکیاں حاصل کرنا چاہو تو ابوحنیفہؒ
 سے حاصل کرو۔

محمد بن بشرؒ کا بیان ہے کہ میں امام سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔
 تو جب میں سفیانؒ کے پاس حاضر ہوتا تو وہ فرماتے، تم کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ ابوحنیفہؒ کے
 پاس سے آیا ہوں تو وہ فرماتے کہ:-

لقد جئت من عند افقہ اهل الارض واقعی تم تو زمین کے فقہ تر انسان کے پاس آئے ہو۔
 ابو نعیمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ مسائل کے بارے میں نہایت ہی باریک بین واقع ہوتے
 ہیں۔ (صاحب خوض فی المسائل)۔

عبداللہ بن داؤد الخریزیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں ابوحنیفہؒ کے
 لیے دعا کریں کیونکہ انہوں نے حدیث و فقہ کو ان کے لیے محفوظ کیا ہے۔ (بغدادی ص ۲۳۳)
 عبداللہ بن یزید مرقیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نوجوان ابوحنیفہؒ سے پڑھ کر بڑا فقیہ
 نہیں دیکھا۔

شداد بن حکیمؒ کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہؒ سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت مکی بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ اعظم اہل زمانہ تھے۔
نضر بن شہیلؒ فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ سے غافل اور بے خبر و فحشہ تھے۔ ابوحنیفہؒ نے اُن کو جگایا ہے
امام یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے سترائے
کسی کی نہیں سنی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال سے لیے ہیں۔ (بخاری جلد ۱۳ ص ۲۴۵)

امام یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ قرأت میرے نزدیک حرمہ کی معتبر ہے اور فقہ ابوحنیفہؒ کی۔ میں نے
اسی پر لوگوں کو پایا ہے۔ (بخاری جلد ۱۳ ص ۲۴۶ و مناقب جلد ۳ مناقب کووری ص ۱۹)

امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کے بارے میں میرا یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ کوئی کپل
سے تجاوز کریں گی حالانکہ وہ تو آفاق تک پہنچ چکی ہیں ایک حرمہ کی قرأت اور دوسری ابوحنیفہؒ کی فقہ۔
ابراہیم بن عکرمہ الحزمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو متورع اور بڑھتیہ نہیں دیکھا
(بخاری ج ۱۳ ص ۲۴۷)

علامہ محمد طاهر الحنفیؒ (متوفی ۱۲۸۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی
مقبولیت کا کوئی خاص راز اور بھید نہ ہوتا تو امت کا ایک نصف حصہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا۔
(تکملة مجمع البحار ج ۳ ص ۵۴)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کو کافی عرصے چنانکہ در علم دین منصب
امامت دار و پھناں در زہد و عبادت امام سالکان امت نے تقصیر جزو الاعراض نہ کیا۔ (تذکار جنود الابرار ص ۹۳)
حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ علیہ جنہیں فہم و فکھ کا خزانہ
کہنا چاہیے اس میں پیدا ہوئے، اور الاعتصام ص ۲۰ کا لہ ۹۰ (فندی ص ۱۹۷)

حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے
متعلق فرمایا کرتے تھے کہ کیونکہ آپ کا مجتہد متبع سنت متقی اور پرہیزگار ہونا ہی آپ کی فضیلت
کے لیے کافی ہے اور آیتہ اِنَّ اَعْمَدَ مَكَّةَ عِنْدَ اللّٰهِ اَلْقَاكُمُ کی بشارت آپ کے لیے خود
قرآن مجید میں موجود ہے مگر اکثر اہل نقل حضرت کی تابعیت کے قابل نہیں اس لیے تابعیت کا دعویٰ
کرنا فضول ہے۔ (الحیات بعد الممات ص ۵۹۳)

ہم نے البیان الازہر کے مقدمہ میں چوٹی کے محدثین کرام مثلاً امام خطیب بغدادیؒ، امام ابن عبد البرؒ

علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ وغیرہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ روایت کے لحاظ سے تابعی ہیں، اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہاں روایت کے بارے میں انکار تابعیت الگ بحث ہے، لیکن صحابیت اور تابعیت کے ثبوت کے لیے صرف روایت کافی ہے نہ کہ روایت ہم نے احسن الکلام میں بھی اس پر باحوالہ بحث کی ہے۔

حضرت ملا علی نقاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۴۱ھ) لکھتے ہیں کہ جمہور علماء اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ صرف صحابی کی ملاقات سے آدمی تابعی ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے طول صحبت اور نقل روایت شرط نہیں ہے۔ (ذیل الجواہر جلد ۲ ص ۵۳۳)

مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق بن ندیمؒ فرماتے ہیں کہ:-

ابو حنيفة من التابعين لقي عدة من الصحابة
وكان من الورعين المذاهدين اه
(فہرست ابن ندیم ص ۲۹۵)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم و فضل، تقویٰ اور ورع وغیرہ صفات حمیدہ پر متعدد حوالے اور اقتباسات آئندہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ الشار اللہ العزیز آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان تمام پیش کردہ حوالوں سے یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فتاہست اور علمی برتری اور فوقیت کے گیت صرف احناف کرام ہی نہیں گاتے بلکہ ممالک و شوافع احنابلہ وغیرہ کے محدثین و فقہاء عرفاء و صوفیاء وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) ہر مسک اور ہر طبقہ کے حضرات ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اُمت کی اکثریت نے جس طرح حضرت امام عظیم ابوحنیفہؒ کے علم و دیانت پر اعتماد کر کے ان کی خوش چینی کی ہے وہ حضرات صحابہ کرامؓ اور کبار تابعینؓ کے بعد اور کسی کو فطیب نہیں ہو سکا اور علم و عرفان اور حدیث و فقہ کی ہزاروں شمعوں کے ہوئے ہوئے جس طرح آتش علم بجھانے کے لیے پروانے ان کے گرد جمع ہوئے ہیں وہ اور کسی پر جمع نہیں ہوئے۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ:-

سرِ بزمِ فلک شب بھر ہزاروں شمعیں جلتی ہیں
مگر اس محفلِ گردوں میں پروانے نہیں دیکھے

بشارت :-

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مناقب و فضائل کے سلسلہ میں بعض غلط کار اور نادان دوستوں نے کچھ جعلی حدیثیں بھی گھڑی اور پیش کی ہیں مگر امام موصوفؒ کے مزایا اور کمالات ثابت کرنے کے لیے ہمیں تنکوں کے اس پل کی ہرگز حاجت نہیں ہے اور نہ موصوفؒ کی فضیلت و منقبت اس کی محتاج اور مستحق ہے کیوں کہ عیاں را چہ بیاں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے سر پر دست مبارک رکھ کر پھر یہ ارشاد فرمایا کہ :-

لو كان الایمان عند الثیالیث لاله بحال اگر ایمان تریاکے پاس بھی پہنچ جائے تو کئی مرد
اور جل من هؤلاء (بخاری جلد ۲ ص ۷۷) یا ایک مرد ان فارسی نسل کے لوگوں میں سے اس
واللفظ له، و مسدود ۲ ص ۳۱۲) کو ضرور پائے گا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :-

لو كان الدین عند الثریا لذهب به اگر دین تریاکے پاس بھی ہو تو لا محالہ فارسی نسل
رجل من فارس او قال من ابناء فارس کا ایک آدمی اس کو حاصل کر لے گا۔
حتی یتناولہ۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۱۲)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا فارسی الاصل ہونا تاریخی طور پر ایک کھلی حقیقت ہے اور یہ صحیح حدیث جس طرح اور متعدد فارسی نسل کے علماء ربانی اور خادمان دین کی فضیلت ثابت کرتی ہے (کیونکہ رجال من هؤلاء بصیغۃ جمع آیا ہے) اسی طرح اس کا ایک مصداق یا بافظ دیگر اولین مصداق حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی ہیں چنانچہ امام جلال الدین سیوطی الشافعی رحمہ اللہ المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ :-

اقول قد بشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
بالامام ابی حنیفۃ فی الحدیث الذی اس حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کی بشارت دی ہے
اخرجه ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی ہریرۃ جس کو ابو نعیم نے حلیۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ

قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس - واخرج الشيلزي في الاقواب عن قيس ابن سعد بن عبادة قال قال رسول الله عليه وسلم لو كان العلم معلقا بالثريا لتناوله قوم من ابناء فارس وحديث ابى هذيفة اصله في صحيح البخارى ومسلم (تبييض الصبيحة ص ۲۷)

سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا میں بھی ہو تو لابی ہی ہے کہ ابناء فارس اس کو حاصل کریں گے اور شیرازی نے القاب میں قیس بن سعد بن عبادہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم ثریا میں بھی لٹکا ہوا ہو تو ابناء فارس ایک قوم اس کو ضرور حاصل کر لیں گی اور حضرت ابو ہریرہؓ کی اصل حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔

موارد الظمان اور منہ احمد کی روایت یوں آتی ہے کہ :-

لو كان العلم بالثريا لتناوله ناس من ابناء فارس ومنه احمد ج ۲ ص ۲۲ و

اگر علم ثریا میں بھی ہو تو ضرور اس کو ابناء فارس میں سے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔

موارد الظمان ص ۵۴

راقم کہتا ہے کہ اگر فظ علم نہ بھی ہو یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کا ثبوت بھی نہ ہو تو بھی لفظ ایمان اور دین جو بخاری اور مسلم کی روایت میں موجود ہے کیا کم ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

الدين النصيحة قلنا لمن قال لله وكتابه ولسوله ولائمة المسلمين وعامتهم (بخاری ج ۳ ص ۱۳۱ فی ترجمۃ باب ومسلم ج ۵ ص ۵۴)

دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے کہا کس کی خیر خواہی؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول اور ائمہ المسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

(اور ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲ میں ان الدين النصيحة تین مرتبہ آیا ہے)

الغرض دین کا فظ اتنا اور ایسا جامع و مانع لفظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ہستی کتاب اللہ، ائمہ المسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آنا ہی دین ہے، جس کو یہ دولت نصیب ہو گئی اس کو اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور یہ خوبی کتاب اللہ اور ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی

ہیں؟ اس کے بغیر علم اور کیا شے ہے؟ حضرت امام نووی الشافعیؒ اس کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ:-

وقد يتناول (وفي نسخة يتناول) ذالك
على الائمة الذين هم علماء الدين وان
من نصيحتهم قبول ما روه وتقليد هم
في الاحكام واحسان الظن بهم اهـ
(شرح مسلم جلد ۱۵۵)
اور کبھی اس کا مصلق وہ ائمہ دین ہوتے ہیں جو دین کے
جاننے والے ہیں اور ان کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو
کچھ انہوں نے روایت کیا ہو اس کو قبول کیا جائے
اور احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے ساتھ
خیر ظنی کی جائے۔

جو حضرات امام نوویؒ کو غیر معتقد ثابت کرتے ہیں وہ اس حوالہ کو پیش نظر رکھیں، مزید بحث
طائفہ منصورہ اور الکلام المفیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن حجر مکیؒ الشافعیؒ ایک متعل عنوان قائم کر کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بشارت کی حدیث امام بخاریؒ، مسلمؒ،
ابو یوسفؒ، ابن زبیرؒ اور طبرانیؒ وغیرہ کے حوالے سے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ:

قال الحافظ المحقق الجلال السيوطي هذا
اصل صحيح يعتمد عليه في البشارة بابي حنيفة
وفي الفضيلة التامة الى ان قال ، قال بعض
تلامذة الجلال وما جزم به شيئا من ان
الامام ابا حنيفة هو الملقب من هذا الحديث
ظاهرا لا شك فيه اهـ
الحديث الحسن صحيح (ج)
حافظ محقق جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ
کی بشارت اور فضیلت تامہ کے لیے یہ ایک صحیح اور
قابل اعتماد اصل ہے (پھر فرمایا کہ) جلال الدین کے بعض
شاگرد فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد اور شیخ نے
جزم کے ساتھ جو یہ فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ ہی اس حدیث
سے مراد ہیں یہ بالکل واضح اور ظاہر بات ہے۔
اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

فیض الباریؒ میں ہے لم یکن مثلاً الا الله لم یکن متعبا۔ ارمہ او پیر بدیع الدین شاہ صاحب لکھتے
ہیں: نیز سندھ میں کئی اکابر علماء گزرے ہیں جو کہ تقلید سے بیزار تھے مثلاً شیخ معین الدین بٹھوی مصنف دراسات
اللبیب اہ۔ تنقید سدید مشک۔

اور علامہ محمد معین السدی (المتوفی ۱۱۶۱ھ) باوجود شیعہ اور قیاس و تقلید کے منکر ہونے کے
فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں متعصبین کی کوئی جرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ:-
وعظیم منقبته الذي نال بها العلم في
وه تو اس عظیم منقبت کے مالک ہیں جس سے انہوں

اٹھاتے کیا زمین و آسمان بار امانت کو !
ہیں دونوں جہاں میں حامل بار گراں نکلے

دیانت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غریبیاں اور کمالات انسان کو حاصل ہیں، ان میں ایک عمدہ خوبی اور نخصت دیانت بھی ہے، اور دیانت دار آدمی کو جس قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ مخفی نہیں ہے، یہ خوبی بھی خالق کائنات نے حضرت ابوحنیفہؒ کو علی وجہ الائمہ مرحمت فرمائی تھی۔ کتب تاریخ اور مناقب میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ہم صرف اپنے دعوے کی تنزیہ کے لیے چند مثالیں عرض کرتے ہیں:-

امام ویع بن الجراح فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک عورت ریشمی کپڑے لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یہ کپڑا آپ فروخت کر دیں۔ امام صاحبؒ نے سوال کیا، کہتے ہیں؟ وہ کہنے لگی، اتوں میں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی قیمت سو سے زیادہ ہے۔ پھر فرمایا کہ کہتے میں یہ کپڑا چلا جائے؟ اُس نے ایک سو روپیہ اور زیادہ کیا حتیٰ کہ چار سو تک اُس نے قیمت بتائی۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اُس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ کہنے لگی، آپ مجھ سے استعارہ نہ کریں کام کریں۔ فرمایا کہ سچ سچ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اس کپڑے کی صحیح قیمت پانچ سو پڑی اور وہ اتنے میں بیکا۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۲۲) اگر ہمارا زمانہ یا ہمارے دور کا کوئی بڑے سے بڑا صاحب علم و فضل تاجر بھی ہوتا تو اغلب یہ کہ جب اس عورت نے سو کہا تھا تو اس کو اتنی یا تو بے پڑھا دیا جاتا مگر امام موصوفؒ کی دیانت اس خوب مخفی اور حیلہ سازی سے بالکل بے نیاز تھی۔

مسلم بن عبد الملک کا بیان ہے کہ ایک شخص کپڑا لایا اور امام صاحبؒ کے ہاتھ فروخت کرنا چاہا۔ آپ نے پوچھا۔ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ بولا، ایک ہزار، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کی قیمت اس سے بدرجہا زیادہ ہے، حتیٰ کہ آٹھ ہزار درہم پر ان کا معاملہ طے ہوا۔

(ایضاً ص ۲۱۹)

ایک دفعہ حضرت امام صاحبؒ کے ایک شاگرد نے ان کی غیر حاضری میں مدیرہ طیبہ کے

ایک باشندہ پر چار سو روپے کی قیمت کا گرم کپڑا دھوکے سے ایک ہزار درہم پر فروخت کر دیا جب حضرت امام صاحب کو اس کا علم ہوا تو شاگرد کو سخت تنبیہ کی اور اس کو دوکان کے سلسلہ سے الگ کر دیا اور اس خریدار کا حلیہ پوچھا کہ اُس کے پیچھے ہو لیے، جب اس سے مدینہ طیبہ میں جا بیٹے تو کافی اصرار و تکرار کے بعد :-

فرد علیہ الستماء وترك علیہ الذنوب چھ سو درہم بے واپس کر دیے اور کپڑا اُس کے پاس
ودع إلى الكوفة (مناقب موفی ج ۱ ص ۱۹۸) چھوڑ کر پھر کوفہ لوٹ آئے۔

اس سے زیادہ دیانت و خدا پرستی اور خیریت الہی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟
ایک دفعہ ان کے غلام نے ان کے مال میں تجارت کی اور تیس ہزار روپیہ نفع کھایا مگر اس میں امام موصوف کے خیال میں غرابی تھی :-

ففرق ذلك كله وهو ثلثون الف یہ تیس ہزار درہم انہوں نے سب کے سب فروخت کر دیے۔
درهم على القداء (الفتح ج ۱ ص ۲۰۱)

امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ لوٹ مار کی کچھ بجزیاں ایک دفعہ کوفہ انگین اور کوفہ والوں کی بکریوں سے ان کا اختلاط ہو گیا۔ امام صاحب نے دریافت کیا کہ :-

كذلك الشاة قالوا سبع سنين فترك بکری زیادہ سے زیادہ کٹا عرصہ زندہ رہتی ہے ؟
اكل لحم الغنم سبع سنين لوگوں نے کہا سات سال چنانچہ امام صاحب نے
سات سال تک بکری کا گوشت ترک کر دیا۔
(مناقب موفی ج ۱ ص ۲۰۵)

امام ابن حجر مکی الشافعی فرماتے ہیں کہ صرف ایک بکری اس سے بکریوں میں مل جل گئی تھی اور پھر یہ واقعہ نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ :-

تورعاً منه لاحتمال ان تبقى تلك الشاة الحوام امام موصوف نے محض ورع کی بنا پر ایسا کیا کیونکہ احتمال
فیصادف اكل شيئ منها فيظلم قلبه تھا کہ وہی حرام بکری اس مدت تک باقی رہ جاتی
اور اس کو کھانے کی وجہ سے ان کے دل میں تاریکی
اھ (الحیذات الحسان ص ۱)

پیدا ہو جاتی۔

غور فرمائیے اس تورع و اتقاء اور زہد و دیانت پر کہ انہوں نے محض اس شبہ کی بنا پر سات

سال تک بجزی کا گوشت نہیں کھایا کہ کہیں اُسی حرام بجزی کا گوشت ہی اس طرح نہ کھا جائیں حالانکہ سینکڑوں جائزہ اور حلال بکریاں بھی روزانہ کوفہ میں ذبح ہوتی تھیں اور ایسے موقع پر بجزی کے گوشت کے کھانے میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہ تھی، مگر امام موصوف کی نظر صرف فتویٰ ہی پر نہ تھی، تقویٰ پر بھی تھی، اور ان کو ان کا وسیع و تقویٰ اس پر مجبور کرتا تھا پھر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جو پارسائی کے اس طلبند مقام پر فائز ہو، وہ قصد و ارادۃ خدا تعالیٰ کے دین اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو بدل ڈالتا ہوگا اور عزت و بے باکی کے ساتھ بے دھڑک فتوے صادر کرتا ہوگا اور دین اسلام کی ایک ایک کڑی اور کڑی کے ایک ایک حلقہ اور گھنڈی کو توڑتا ہوگا؟ کوئی بھی منصف مزاج اور دیانتدار انسان تاریخی حقائق کی روشنی میں اس پر یقین نہیں کر سکتا اور نہ اس کے افعان پر اپنے کو آمادہ کر سکتا ہے۔

وہ ذات کہ ہے عالم تعبیر سے اونچی
اس کے لیے آئین بہار اور خزان اور

امانت

امانت کی عمدہ خصیلت اور صفت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو داسر حصہ عطا فرمایا تھا، چنانچہ سفیان بن وکیعؒ فرماتے ہیں کہ:-
كان أبو حنيفة حفيظ الأمانة -
ابوحنیفہ بہت بڑے امانت دار تھے۔

(مناقب موفق ج ۱ ص ۲۲)

ایک دفعہ ایک تیلی نے ایک لاکھ اور تین سو تتر ہزار روپیہ بحدہ امانت امام موصوفؒ کے پاس رکھا تھا (ایضاً ج ۱ ص ۲۲) جب امام صاحبؒ کی شہادت ہوئی تو آپ کے حالات لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ:-

مات أبو حنيفة في بيتہ للثلاث
ودائع خمسین الف الف
جس وقت امام صاحبؒ کی وفات ہوئی تو ان کے گھر میں لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں۔

(مناقب موفق ج ۱ ص ۲۲)

حافظ محمد بن ابراہیم الزیہ (المتوفی ۸۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

انه ثبت بالتواتر فضله وعدالته و تقواه
وامانته اھ (الروض الباسع ۱۵۵ طبع مصر)
امام ابوحنیفہؒ کی فضیلت، عدالت، تقویٰ اور
امانت تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

اندازہ کیجئے کہ جو بزرگ ہستی لوگوں کی امانتوں میں امین اور محتاط ہو وہ خدا تعالیٰ کے آخری
دین اور اسلام جیسی امانتِ عظمیٰ کے ساتھ کس طرح خیانت روا رکھ سکتی ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ جس
طرح انہوں نے لوگوں کی ان فانی اور دُنیوی امانتوں کو محفوظ رکھا ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر انہوں نے
خدائی امانت اور جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی اور بتائی ہوئی شریعت کی امانت کو پوری
طاقت اور وسعت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے اور دین اسلام کے اس صحیح عشق میں انہوں نے
انتہائی مصائب کا سامنا کیا ہے، کیونکہ یہ

نیا عشق میں ذوقِ خودی ہوتا ہے جب پیدا
تو پھر فرقِ جبین و استمال باقی نہیں رہتا؛

استقامت

ظالم سے ظالم اور جابر سے جابر بادشاہ کے سامنے حق کی بات کہہ دینا تو کوئی مشکل بات نہیں
ہوتی، ہاں مگر اس حق بات پر ڈٹ جانا اور عزم و دلیری سے ہر قسم کی تکلیف و مصیبت کو خندہ
پیشانی سے برداشت کرنا حتیٰ کہ اپنی جان عزیز سے بھی ہاتھ دھو ڈالنا یہ بڑی ہی مشکل بات ہوتی
ہے، اور یہ خوبی صرف اُن اولوالعزم النافوں کو نصیب ہوتی ہے جو صحیح معنوں میں انجوائے
حدیث الامثل فالامثل کا مصداق ہوتے ہیں۔ ان بلند شخصیتوں میں ایک حضرت امام
ابوحنیفہؒ کی شخصیت بھی ہے، جن کو بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد الحجاج (الموتی ۱۳۲ھ)
کے عہدِ حکومت میں عراق کے جابر گورنر یزید بن عمرو بن ہبیرہ نے سیاسی طور پر اپنے اقتدار کو زیادہ سے
زیادہ مستحکم بنانے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے عہدہ قضا پیش کرنا ضروری سمجھا مگر امام جوہوش
نے حکومت و وقت کے ظلم و جور اور بے اعتدالیوں و بے عنوانیوں کے پیش نظر اس عہدہ کے
قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ عبید اللہ بن عمرو الرقیؒ (جو ایک ثقہ راوی ہیں۔

سنن الکبریٰ ۲/۱۶۶) کا بیان ہے کہ:

حکم ابن ہبیرۃ اباحیفۃ ان یریٰ لہ قضاء ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہؒ سے کوڑے کی قضا کے بارے

الکوفة فإلى عليه فضربه، مائة سوط و
عشرة اسواط في كل يوم عشرة اسواط
وهو على الامتناع اه
(تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۳)

میں گفتگو کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا، چن پنج
ابن بہیرہ نے امام ابوحنیفہ کے لیے ایک سو
دس کوڑے سزا تجویز کی کہ روزانہ دس کوڑے سزا دی جائے
بایں ہر امام موصوف نے یہ بات تسلیم نہ کی۔

لظہر ظاہر پہنچے صرف کوفہ کی قضا پیش کی گئی مگر بعد کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا
عمدہ پیش کیا گیا، اور تاریخ بتلاتی ہے کہ بعض دفعہ قاضی القضاۃ وزیر خزانہ اور وزیر مالیت
کے عہدے ایک ہی شخصیت کے سپرد کر دیے جاتے تھے۔ چن پنج امام صدر الامم
کہتے ہیں کہ:-

حبس ابا حنیفة فی السجن ایاما یطلب
منہ ان یکون قاضی القضاۃ فامتنع اه
(مناقب موفق ج ۲ ص ۱۴۳)

اور یہ پیش کش بھی کی گئی کہ:-
ان ینتولی القضاء ینحج القضاۃ من تحت
یہ الی جمیع کور الاسلام اه (ایضاً
جلد ۲ ص ۱۴۲)

اور نہ صرف قاضی القضاۃ کا عہدہ ہی پیش کیا گیا بلکہ بیت المال بھی ان کے سپرد کرنے
کی پیش کش کی گئی، چن پنج لکھتے ہیں کہ:-

یکون علی خاتمہ ولا ینفذ کتاب ولا ینحج
شیئ من بیت المال الا من تحت یدہ
(معجم ج ۲ ص ۱۴۱)

اور صدر الامم کہتے ہیں کہ:-
وغیرہ السلطان علی ان یوجع ظہرہ و
بطنہ او یجعل مفاہیح خزائن الاموال بیہدہ

بادشاہ نے ان کو اختیار دیا کہ یا تو ان کی پشت اور
پیٹ پر سزا کے کوڑے برسیں اور یا وہ وزیر خزانہ

فلختار عذابہم علی عذاب الخخرة ۱
 (من قبہ بنی ۲ ص ۱۷۷)
 کا عہد و سنبھال لیں، امام موصوفؒ نے آخرت کی سزا
 پران کی سزا کو ترجیح دی اور یہ عہدہ قبول نہ کیا۔

حافظ ابن حجر مکیؒ کہتے ہیں کہ ربیع کا بیان ہے کہ مجھے بنو امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد کے
 عراقی گورنر یزید بن عمر دین بہیرو نے بھیجا تا کہ میں امام ابو حنیفہؒ کو اس کی خدمت میں
 حاضر کروں۔

فاردہ علی بیت المال فابی ففسدہ
 (اسواط ۱۷۰) (الخیرات الحسان ص ۵۵)
 اور ان سے بیت المال کے سپرد کرنے کی پیشکش
 کی مگر وہ نہ ملے اور ان کو اس کی سزا کی سزا دی۔

علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی الشافعیؒ (المتوفی بعد ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وارادہ السلطان علی ان یتولی مفتاح
 خزائنہ او یضرب ظہرہ فاختر
 ہذا بہ علی عذاب اللہ تعالیٰ۔
 بادشاہ نے امام ابو حنیفہؒ کو خزانہ کی چابیاں سپرد
 کرنے کی اور بصورت انکار سزا دینے کی دہش کی دی
 مگر انہوں نے اس کی سزا کو اللہ تعالیٰ کی سزا

پر ترجیح دی۔

(اکمال ص ۶۲۳)

تفاریق کرام ملاحظہ فرمائیے کہ اسلامی مملکت میں قاضی القضاۃ اور بیت المال کا عہدہ
 کتنی بڑی چیز تھی جس منصب کے لیے لوگ زمین کی خاک چھانٹنے اور غول و پسینہ
 ایک کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے اور ایسے زریں مواقع کی تلاش و جستجو میں لوگ
 سرگرداں رہتے ہیں مگر امام موصوفؒ نے اس عہدہ کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا
 اور غور کیجئے کہ اگر موصوفؒ اپنے مذہب و مسلک کو بھر بھیلانے کی سعی اور کوشش کرتے
 جیسا کہ متعصب لوگوں کا خیال ہے تو کیوں وہ قاضی القضاۃ نہ بن جاتے اور اپنے شاگردوں اور
 متوسلین کو قاضی بنانا کہ اطراف مملکت میں بھیجتے جاتے مگر وہ ان تمام مفروض عیوب سے پاک تھے
 اس لیے اس عہدہ کو ہرگز قبول نہیں کیا۔ امام صاحبؒ کو ان کی والدہ نے بھی یہ کہا کہ بیٹے یہ عہدہ
 قبول کر لو انہوں نے فرمایا کہ اہل جان جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں
 جانتی ہیں۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۶۳ لابن الجوزیؒ) اور ان کے عہدہ داویر خواہ تھا
 نے بھی اس سے آگاہ کر دیا تھا کہ:-

فعلت ان لم يقبل ضربه على لسانه
عشرين سوطا الخ

ابن ہبیرو نے یہ قسم اٹھائی ہے کہ اگر یہ عمدہ انہوں
نے قبول نہ کیا، تو ان کے سر پر پینٹل کوٹے لگائے
جائیں گے۔

(مناقب علی بن القاسم ج ۲ ص ۵۰۵)

مگر اس عزم و استقلال کے ہمالیہ نے ان ناہنجین کے ان مشوروں اور ہمد دیوں کی مطلقاً کوئی
پروا نہ کی اور قید و بند کی تمام مصیبتوں اور صعوبتوں کے برداشت کرنے کے لیے گویا یہ فرماتے ہوئے
میدانِ عمل میں لکل آئے کہ مے

مصیبت آشنا ہوں میں ازل سے لئے چمن والو
مجھے آرام آیا بھی تو زیرِ دام آستے کا!

اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ:-

نکیت وهو يريد مني ان يكتب بضرب
عنق رجل واختم على ذالك ، فوالله لا
ادخل في ذالك ابداً۔

میں کیسے اس عمدہ کو قبول کروں جبکہ وہ کسی کی
گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس حکم پر مہرِ تصدیق
ثبت کروں گا؟ بخدا میں ہرگز اس عمدہ کو تسلیم نہ
کروں گا۔

(مناقب صدر المند ج ۲ ص ۲۴۴)

ابن ہبیرو نے جب یہ سنا تو غیض و غضب میں اس کا سیلابِ حرارت اپنے آخری
ورجہ پر پہنچ گیا، اور ابنِ صیاد کی طرح غصے سے بھرپور ہو کر کہنے لگا کہ بخدا میں اپنے ارادہ کو بجا نہ
پہنکا کر رہوں گا۔ اور ابو حنیفہؓ کو سخت سزا دوں گا لیکن وہ جو نظریہ قائم کر چکے تھے ایک انچ اس
سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اور صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ:-

ضربه لي في الدنيا اسهل علي من مقام
الحديد في الآخرة والله لا فعلت ولو
قتلني۔ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۳ و

ابن ہبیرو کی دنیوی سزا مجھ پر آخرت کے ہتھکڑوں
اور گرزوں کی مار سے بہت آسان ہے، بخدا
میں یہ عمدہ ہرگز نہیں قبول کروں گا اگرچہ وہ مجھے
قتل ہی کر دے۔

(مناقب کوری ج ۲ ص ۲۱۶)

اس کے بعد قاضی ابن ابی لیلیٰ، ابن شہر مہ اور داؤد بن ابی ہند وغیرہ کا ایک وفد حضرت
امام ابو حنیفہؓ سے ملا اور سب نے حکومت کے عزائم اور ارادوں سے ان کو آگاہ کیا اور

حالات کی انتہائی نزاکت کے باخبر کیا اور سب نے یک زبان ہو کر مخلصانہ اور ناصحانہ انداز میں یہ کہا کہ :-

ان انشأ اللہ ان تہلک نفسک
فاننا اخوانک وکنا کارہ لہذا الامر
ولم نجد بدا من ذالک فقال ابو حنیفہ
لو اردنی ان اعد لہ ابواب مسجد واسط
لم ادخل فی ذلک ام (مناقب موفق
جلد ۲ ص ۲۵۸ واللفظ لہ ولغیرات الحسان^{۵۸}
ومناقب کوردی جلد ۲ ص ۲۷۰)
ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ
اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں ہم سب آپ کے
بھائی اور ہم خیال ہیں اور سب اس عمدہ کو
پسند نہیں کرتے مگر کیا کریں مجبور ہیں، امام موصوفؒ
نے فرمایا کہ ابن ہبیر اگر مجھے واسطہ کی مسجد
کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں اس پر بھی
آمادہ نہیں ہوں۔

کتنی بڑی جرأت اور ہمت ہے کہ ظالم سے کھلی طور پر بائیکاٹ کر کے اس کے ساتھ
کسی مرحلہ پر بھی شریک ہونا گوارا نہیں کرتے۔ ہر قسم کے طغیان و تعدی اور ظلم و جور کے بے پناہ فائلوں
کے مقابلہ میں ٹٹ کر خود داری، بلند ہمتی اور استقلال کا ثبوت دیتے ہوئے گویا
یہ فرماتے ہیں کہ سہ

جنا کی تیغ سے گروں و فاشع رول کی

کٹی ہے بر سر میدان مگر ٹھکی تو نہیں!

اور سزا بھی کس طرح دی جاتی تھی، اندرون جیل نہیں اور نہ کسی مخفی مقام میں بلکہ تصریح
موجوہ ہے کہ :-

کان یخرج کل یوم فینادی علیہ
حتی یجتمع الناس فیضرب عشرة اسواط
ثمة یطاف بہ حتی ضرب مائة وعشرون
سوطا ثم اثنی عشر یوما فیضرب کل
یوم عشرة اسواط ویطاف بہ فی الاسواق
ہر روز ان کو باہر نکالا جاتا اور منادی کرائی جاتی جب
لوگ جمع ہو جاتے تو ان کے سامنے ان کو روزانہ دس
کوڑے سزا دی جاتی، پھر ان کو گھمایا جاتا، اسی طرح
بارہ دن سزا دی جاتی رہی، اور ایک سو بیس کوڑے
پڑے کئے گئے، اور بازاروں میں ان کو پھرایا جاتا رہا۔

(مناقب موفق ج ۲ ص ۲۵۸)

انصاف سے فرمائیے کہ ایک معمر اور بوڑھے شخص پر یہ مظالم کیا کم ہیں؟ اور اس سے بڑھ کر تدریل و تہذیر اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر اس ہجرت کے پہاڑ نے نہایت صبر آزمائے طریقہ پر ایک ایک کوڑا اپنے کمزور اور نازک جسم اور ضعیف و ناتواں سر پر برداشت کیا اور اس ظلم و جور کے ناپید کنارہ و دیا کی موتوں اور موجوں کے ظالم خیز تھیڑوں سے ٹکریلتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے منزل مقصود کی طرف قدم بڑھاتا رہا کہ :-

پہاڑی کون سی منزل نہ ساحل ہے نہ دریا ہے
شناور بحرِ غم کا اب کہاں ڈوبے کہاں نکلے

ناظرینِ کرام یہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید بنو امیہ کے دور ہی میں امام موصوف کے مصائب کے دن کٹ گئے، جبر و استبداد کے طوفان ہٹ گئے اور سزا و تعذیب کے سیاہ اور گھٹن گھوڑ بادل چھٹ گئے مگر یقین کیجئے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ جب اموی دور ختم ہوا اور عباسی دور کا آغاز ہوا اور عباسی خلیفہ سفاح (المتوفی ۱۳۶ھ) کے بعد ابو جعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کا عہد شروع ہوا تو اس کو بھی اپنی حکومت و سلطنت کے استحکام اور عوام و خواص کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے امام ابو حنیفہؒ کی علمی اور عملی شہرت کو اپنے لیے آلہ کار بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ اُس نے بھی امام صاحب کو عہدہ قضاہ پیش کرنا ضروری سمجھا چنانچہ خلیفہ نے اُس کو لکھتے ہیں کہ :-

دعا ابو جعفر ابا حنیفۃ الی القضاہ ابو جعفر نے امام ابو حنیفہؒ کو عہدہ قضاہ قبول کرنے
فابی علیہ فہنسہ (بخاری ج ۱۳ ص ۲۲۵) کی دعوت دی مگر وہ نہ مانے تو اُس نے اُن کو
قید کر دیا۔

اور یہ قضاہ بھی معمولی قضا نہیں بلکہ قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا :-

ان یكون قضاة بلاد الاسلام من کہ تمام بلاد اسلامیہ کے قاضی ان کے ماتحت ہوں
تحت امرہ فامتنع اہ (الحدیث الحسن) مگر وہ صاف انکار کر گئے۔

کاش کہ ابو جعفر منصور جو خلفاء عباسیہ میں بڑا عالم اور علم دوست یا دیکھا جاتا ہے امام مظلوم کو قید کرنے پر ہی اکتفا کر لیتا تو پھر بھی ایک حد ہوتی لیکن اس کی آتش غضب اس پر کب

ٹھنڈی ہو چکی تھی؟ چنانچہ اُس نے امام موصوفؒ کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی۔
ملاحظہ فرمائیے کہ :-

ان المنصور لما عارض عليه القضاء و
امتنع ضربه ثلاثين سوطاً حتى
سال الدم على عقبه اه
منصور نے جب امام موصوفؒ پر عرصہ فضا پریش
کیا تو انہوں نے انکار کر دیا، اور اس نے تیس کوڑے سزا
ان کو دی، یہاں تک کہ خون ان کے بدن سے
نکل کر ان کی اڑیوں پر بہتا رہا۔
ذیل الجواهر ج ۲ ص ۴۹۲

مگر یہ یاد رہے کہ امام موصوفؒ کو زندگیاں کر کے یہ سزا دی گئی تھی، چنانچہ امام موفق الدینؒ لکھتے ہیں
کہ :-

لما ضرب المنصور ابا حنیفة رحمه الله
ثلاثين سوطاً على القضاء بعد ما جتهد من
ثيابه فسال الدم على عقبه اه
کہ ابو جعفر منصور نے امام موصوفؒ کے عرصہ فضا سے
انکار کرنے پر ان کو کپڑوں سے بالکل ننگا کر کے تیس
کوڑے سزا دی اور خون ان کی اڑیوں پر بہتا رہا۔
(مناقب صدرالانعمہ ج ۱ ص ۲۱۵)

غور فرمائیے کہ آخر امام موصوفؒ نے کیا جرم کیا تھا کہ یہ ظالمانہ سزا ان کو دی گئی؟ صرف یہی جرم
تھا کہ وہ ظالم کے ساتھ ظلم میں تعاون و اشتراک نہیں کرنا چاہتے تھے اور بس۔ کیا اس سے بڑھ کر
تقویٰ اور ورع، خدا خونی اور روحانیت کی کوئی مثال امتِ مسلمہ میں بغیر معدنے چند افراد کے اور
کسیں ملتی ہے؟ دیکھئے کہ حکومتیں بدل گئیں، حکام اور شخصیتیں بدل گئیں، زمانہ بدل گیا، اگر نہ بدلا
تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کا عزم و استقلال نہ بدلا اور خدا خونی اور استقامت نہ بدلی، پچھلے
میں کوڑوں سے اپنے ناتواں بدن کو زخمی کر دیا، برسہا برس سزا برداشت کی، مصائبِ آلام
کے تھپڑے جھیلے مگر ظالموں اور بے دردوں کے سامنے آہ بھی نہ کی، اگرچہ دل میں
یہ کہتے رہے کہ :-

جو ہو بے درد اُس کو درد کا احساس ہو کیوں کر

سنگ کی بجائے ہستم سے ہم پہ کیا گندری

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) کو یکے بہ وقت نے معتزلہ کی لیشہ دوانی

سے جب مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں قید کیا اور کوڑوں سے ان کے مظلوم بدن کو سولہاں کیا گیا، تو وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس ہمت و عزیمت اور استقلال و پامردی کو ایک مثالی نمونہ قرار دیتے ہوئے ان کے حق میں دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

وكان احمد بن حنبل اذا ذكر ذلك
بكى وترحم على ابي حنيفة وذالك بعد
ان ضرب احمد - (بعد ادی جلد ۱۳ ص ۲۴۷)
ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۶۴، مناقب موفق جلد ۲
سابقہ پڑھا تھا۔

ص ۱۶۹ والخيرات الحسان ص ۵۹

افسوس ہے کہ اگر اس پر بھی بس ہو جاتا تو ظلم و جور کی ایک حد ہوتی مگر ابو جعفر منصور کو امام موصوفؒ کا اس بڑھاپے میں بھی چار سال قید و بند میں رہنا کھٹنے کی طرح کھٹکتا رہا اور جب اُس نے محسوس کر لیا کہ امام صاحبؒ کسی اذیت اور دکھ سے ڈر کر اور مرعوب ہو کر ظالم حکومت کا تعاون کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہیں تو بالآخر امام صاحبؒ کی بے خبری میں جیل خانہ کے اندر ہی ان کو زہر دلوادیا گیا۔ ثمر سقاہ مصنفات (بعد ادی جلد ۱۳ ص ۳۳) کہ پھر ان کو زہر پلوا دیا گیا، اور اس سے ان کی وفات ہو گئی۔ امام موصوفؒ نے جب زہر کا اثر محسوس کیا تو سجدے میں گر گئے اور اسی حالت میں ان کی رُوح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور اُنہوں نے اپنی جانِ جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور جب ان کی وفات اور شہادت ہو گئی تو جیل خانہ کے عملہ نے بیرونی دنیا کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی کہ امام موصوفؒ کی وفات طبعی ہے مگر بصیرت والے دیکھ رہے تھے اور کانوں والے یہ سن رہے تھے کہ امام موصوفؒ کے بدن کا ایک ایک رُنگ بڑبان حالِ ان ظالموں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ:-

خون ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے

کیوں وہ نیٹھے ہیں میری نعش پہ دامن ڈالے

جیل خانہ کے اندر جو رویہ اور طرزِ عمل امام موصوفؒ کے ساتھ روا رکھا گیا وہ بجائے خود قابلِ

حیرت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

ضيقوا عليه الا مرفى الطعام والشراب
وللبس اه (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۴۱)
ان پر کھانے پینے اور قید میں انتہائی تنگی
کی گئی۔

اور جب ان کو زہر دیا گیا تو اس حالت میں بھی ان کو پیٹا گیا تاکہ زہر کی سرایت بدن میں جلدی
جلدی ہو جائے۔ چنانچہ علامہ کروری لکھتے ہیں کہ:-

ثم امر المنصور ان يضرب مصلوباً حتى
يتفرق الدم على اعضائه ففعل به
ذال (مناقب کروری ج ۲ ص ۲۵۰)
پھر منصو نے یہ حکم دیا کہ ان کو مصلوب کر کے
ان کو پیٹا بھی جائے تاکہ زہر بسرعت ان کے
اعضاء میں سرایت کر جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

عام مؤرخین تو زہر بخورانی کے واقعہ کو امام صاحب کی لاعلمی پر محمول کرتے ہیں لیکن اچھی خاصی
جماعت اس رائے سے اختلاف کرتی ہے:-

ودعی جماعة انه دفع اليه قدح فيه سم
ليشرب فامتنع وقال اني لو علم ما فيه
ولا عين علي قتل نفسي فطرح نصبت
في فيه قهراً وفات - (الحديث الحسن بطلم)
ایک جماعت یوں روایت کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہ
کے سامنے جب زہر اکود پیالہ پیش کیا گیا تاکہ وہ اس
کو نوش کر لیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا
کہ مجھے اس کے اندر جو کچھ ڈالا گیا ہے اس کا علم
ہے، اور میں اس کو پی کر خود کشتی نہیں کر سکتا، چنانچہ
ان کو زمین پر لٹا کر زہر بروتی زہر بلوایا گیا اور اس سے
ان کی وفات ہو گئی۔

اور امام صدر الامم لکھتے ہیں کہ جب ان کے سامنے زہر اکود پیالہ پیش کیا گیا اور بار بار ان کو
نوش کرنے کے لیے کہا گیا تو امام موصوف نے فرمایا کہ:-

لا اشرب اني اعلم ما فيه ولا عين علي
نفسى فطرح ثم صُبت في فيه -
میں نہیں پیتا مجھے علم ہے جو کچھ اس میں ہے میں
خود کشتی کا ارتکاب نہیں کر سکتا چنانچہ ان کو لٹا کر ان
کے منہ میں پیالہ انڈیل دیا گیا۔
(مناقب ج ۲ ص ۱۴۲)

غرضیکہ کہ اس مظلومانہ طور پر ۱۵۰ سالہ میں ان کی وفات ہوئی، پہلی مرتبہ کم و بیش
پچاس ہزار کے مجمع نے ان کی نماز جنت زہ پڑھی۔ آنے والوں کا تائبہ بندھا ہوا تھا، چتر

مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور دفن کرنے کے بعد بھی ہیٹلس دن تک لوگوں نے اُن کی نذر جنازہ پڑھی۔ (مسیرۃ النعمان ص ۳۳ مولانا شبلی)

یہ ہے دُنیا اور دُنیا والوں کی داستان کہ امام مظلوم کو محض اس لیے شہید کر دیا گیا کہ وہ ان کے ساتھ بے انصافی اور حرا محرمی میں ہم پیالہ دہم نوالہ نہیں ہونا چاہیے تھے مجموعی طور پر پڑھ کر اچھی اپنے سر اور باقی اخصار پر گوارا کیا ہے، قید و بند کی پابندی زندگی بھی برداشت کی۔ لنگے بدن پر تازیانے بھی کھائے، بازاروں اور شاہراہوں میں آپ کو گھمایا بھی گیا، آپ کی تذلیل و تحقیر کی خاصی تشہیر بھی کی گئی۔ جیل خانہ میں آپ کے لیے عرصہ حیات بھی تنگ کیا گیا، کھانے اور پینے وغیرہ میں بھی انتہائی سختی کی گئی اور بالآخر دیر سستی نہ رہنے کے اس حالت میں بھی ظالموں نے سفید ریش کے مصلوب کئے کے خوب پٹیا اور زمین پر گرا اور لٹا کر ظلم ان کے دہن مبارک میں زہر کا پیالہ بھی انڈیل دیا مگر بایں ہمہ وہ ظلم اور ظالموں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس طرح فانی و عارضی اور ناپائدار دنیا کو چھوڑ کر گفتارِ علم اور بوستانِ عمل کا وہ خوشبودار اور کھلا ہوا پھول اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

اے ابو حنیفہ! تجھ پر پروردگارِ عالم کی کردوڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں تو نے حق کے لیے جان دے کر آنے والی نسلوں کے لیے استقلال و استقامت کا بہترین نمونہ قائم کیا اور حق پر قائم و دائم رہنے والوں کے لیے عمدہ اسوہ پیش کیا اور اس طرح باغِ دُنیا کے سینکڑوں کانٹوں کے سامنے تجھ جیسا خوشبودار اور سپارا پھول توڑ ڈالا گیا۔ آہ۔

چمن میں خار کو حاصل ہے اک حیاتِ دراز
ستم ہے زندگیِ گل مگر دراز نہیں!

فہمہ حنفی کی مقبولیت

تاریخ اسلام اس بات کے لیے کافی ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی معتبرہ اکثریت امام ابو حنیفہؒ کی فہمہ کی دلدادہ رہی ہے۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ تو صرف یہی بتائی ہے کہ چونکہ امام ابو یوسفؒ اور اس قسم کے دیگر اکابر حنفیہ اسلامی حکومتوں میں

قاضی القضاۃ تھے لہذا ان کی ترغیب یا بالفاظ دیگر انڈر سونگ اور گنہ پروری کی وجہ سے فقہ حنفی مقبول ہوئی ہے بہت سے غلط کار لوگوں نے فقہ حنفی کی مقبولیت گھڑ کر بالکل یہ باطل نظریہ قائم کیا ہے جیسا کہ بہت سے غیر مقلدین حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ کے ایک حوالہ پر حواشی درحواشی لگا کر اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ پہلے تو یہ بات بھی نہایت قابل غور و فکر ہے کہ اکشر مسلمان اور عادل بادشاہ (جو اگرچہ خلفاء راشدینؓ کی مدین تو شمار نہیں کیے جاسکتے مگر ان کی اسلام دوستی بھی شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے) کیوں فقہ حنفی کے قبول کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں اور مجبور ہوئے؟ اگر آئے دن سنت نئے حوادث و فوازل اور احکام و مسائل میں بغیر فقہ کے ان کو کوئی صحیح حل نظر آتا یا فقہ حنفی کے بغیر کسی اور امام کی فقہ میں ان کے لیے تشفی کا کوئی سامان موجود ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے دامن میں کیوں پناہ لیتے؟ اور اس کے گردید اور دلدلادہ کیوں ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت اور سلطنت کی ترقی زمانہ کے ساتھ نئی نئی مشکلات کو بغیر فقہیہ بوریا شنیں مولوی اور زاویہ مخول میں تصوف کی ضربیں لگانے والا غیر عالم صوفی اور ہر پیش آمدہ نئے حادثہ اور مسئلہ کو صریح الفاظ حدیث میں تلاش کرنے والا محض سادہ لوح محدث کیا جانے؟ وقت کے جدید تقاضوں اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و حدیث کی صحیح روشنی میں حل کرنے کا صرف وہی اہل ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہؓ تابعینؓ اور ائمہ دینؒ کے پیش کردہ اصول و ضوابط کے تحت ہر نئے مسئلہ کا حل تلاش کر سکے اور اپنے تفقہ و اجتہاد سے اس نازک گتھی کو سلجھا سکے اور ملکی حالات اور مسلمانوں کے جدید مسائل سے بھی خاصا واقف ہو۔ باقی وہ سطحی قسم کے حضرات جو ان چیزوں سے مطلقاً دلچسپی ہی نہیں رکھتے، تو وہ بیچائے لکیر کے فقیر کیا خاک جدید مسائل حل کریں گے۔ یہ بات دلچسپی اور عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ جب پاکستان کے ہر دل عزیز و وزیرِ عظم یا قیامت علی خاں صاحب مرحوم راولپنڈی میں شہید کئے گئے تو گکھڑ میں میرے پاس ایک بہت بڑے عالم (جو کم و بیش قس بن قیس سال تک کامیاب مناظر ہے) ہیں اور ایک ایک مسئلہ پر نکات در نکات بیان کیے پہلے جاتے ہیں موجود تھے۔ چنانچہ انہی کے توسط سے ہم نے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت منگوائی اور

ہم سب آمین کہتے ہیں۔ جب لوگ چلے گئے تو وہ حضرت مجاہد سے دریافت کرتے گئے کہ کیا علی صاحب کون بزرگ تھے جن کے لیے یہ کرام مچ گیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ تو پاکستان کے وزیر اعظم اور قوم کے خیر خواہ تھے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ پھر تو وہ بہت اچھے آدمی ہوں گے؟ بھلا غور فرمائیے کہ ایسے حضرات جدید مسائل کا کیا حل تجویز کر سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ کامیاب مناظر محقق و اعطاء وجہ عالم ہیں اور صحیح معنی میں خادم اسلام اور مذہب کے شیدائی ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک اور بزرگ جو چوٹی کے محدث، فقیہ اور صوفی ہیں اور سیکڑوں علماء کے استاد ہیں، وہ ایک دفعہ فرمانے لگے، کیا یہ وزراء کرام تنخواہیں بھی لیا کرتے ہیں؟ غور کیجئے کہ اگر تنخواہوں اور سستی شہرت کا سوال نہ ہوتا تو اس سبلی ہال کی کرسیاں ایک دو سکر کے سر پر کاہے کو برستیں اور مکتا بازی کا مظاہرہ کیوں ہوتا؟ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ ایسے علماء ربانی کی تذلیل و تنقیص کی جائے، اور نہ یہ مراد ہے بلکہ مقصود صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے علمی اور اصلاحی کاموں میں کچھ ایسے منہمک رہتے ہیں کہ دنیوی امور کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے۔ اگر نگاہ بصیرت سے دیکھا جائے تو مسلمان اور عادل بادشاہوں کا فتنہ تنفی کو اپنا محض اس لیے تھا کہ وہ ہر نئے مسئلہ اور حادثہ کا حل جو قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ میں نظر نہ آتا تھا، اس میں یا اس کے پیش اور قائم کردہ کلیات اور قواعد میں پالیتے تھے (اور فقہاء کرام کی باریک بین نظروں نے ان اصول و کلیات کو قرآن و حدیث ہی سے استنباط کیا ہے) اس لیے وہ اس کے گرد بڑھے، اور یہ فتنہ تنفی کے جامع اور کامل ہونے کی ایک تھقل دلیل ہے کہ وہ نامساعد حالات میں بھی ترقی پذیر ہی رہی اگرچہ سہ

کانٹن میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف پھول

پھر بھی کھلا ہوا ہے عجب خوش ناز ہے!

مگر فتنہ تنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ نہیں بلکہ اس کی قبولیت کے کئی اور وجوہ ہیں، مثلاً ایک یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے جیسا کہ ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں، اور ان کے شاگردوں اور متوسلین کو بھی یہ خوبی اور کمال حاصل تھا کیونکہ الولد سزاویہ ایک مشہور مثال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لو کان التین عند الثریا

(الحديث) میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بشارات اور خوشخبری دی ہے امام صاحب اس کا اولین مصداق ہیں جیسا کہ باحوالہ یہ بھی گزر چکا ہے، اس لئے بھی ان کی فقہ کو بڑی حاصل رہی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کی فقہ اس لیے مقبول رہی ہے کہ اس کے اصول و ضوابط شوری کے ذریعے طے ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ کوفہ کے اندر کتاب و سنت کی روشنی میں وضع قوانین اور حل حوادث و نوازل کے لیے ایک مجلس شوری قائم تھی جو حضرت امام ابوحنیفہ کی سرکردگی میں مسائل پر غور و غوض کیا کرتی تھی اور کافی بحث و تمحیص اور مناظرہ کے بعد جب سب کی رائے متفق ہو جاتی تو پھر وہ مسائل قید تحریر میں لائے جاتے تھے اور منضبط کئے ان کی تدوین کی جاتی تھی، اور یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ اجتماعی سعی، انفرادی کوشش سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہی رہتی ہے، اور اس طریق سے جو مسائل طے کئے جائیں گے، ظاہر بات ہے کہ ان میں غلطی اور غلطی نسبتاً بہت ہی کم ہوگی۔ اگرچہ یہ طریق بھی معصوم عن الخطا کا درجہ اور مقام تو حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ ہے آخر یہ بھی اجتہاد ہی مگر اس میں غلطی کا امکان بہر حال کم رہتا ہے، اور شوری کا ستمن اور مفید ہونا خود قرآن کریم سے مثلاً وَاعْمُرُوا شُورَىٰ بَيْنَهُمْ اور نیز متعدد صحیح احادیث اور خلفاء راشدین کے عمل اور دیگر دلائل شرعیہ سے بالکل روشن اور ہوا ہے جس کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔

اراکین شوری

امام صاحب نے جو یہ مجلس شوری اور محفل مذاکرہ قائم کی تھی، اس کے اراکین اپنے وقت میں چوٹی کے فقیہ، محدث اور قیاس دان حضرات تھے جو آزادی رائے کے ساتھ مسائل میں رائے زنی کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ خلیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ اسحاق بن ابیہیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

كان أصحاب أبي حنيفة الذين يذكرونه
البلويست و نضر و داود الطائفي و اسد
بن عمرو و عافية الودعي، والقاسم بن
صاحب أبي حنيفة و ان کے ساتھ مسائل میں مذاکرہ
کیا کرتے تھے یہ تھے اہم البلويست، نضر، داود،
طائي، اسد بن عمرو، عافية الودعي، والقاسم بن

معن، علی بن مسرور، منہل بن علی اور جابر بن علی،
 اور جب وہ کسی مسئلہ میں بحث و تمحیص شروع کرتے تو اگر
 عافیہ ان میں شریک نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ فرماتے
 کہ اس مسئلہ میں بحث عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو
 جب عافیہ آجاتے اور ان کی رائے سے وہ متفق ہو
 جاتے تو امام ابوحنیفہ فرماتے اب اس مسئلہ کو کھلو
 اور اگر عافیہ اتفاق نہ کرتے تو امام صاحب فرماتے
 یہ مسئلہ مت کھلو۔

معن، علی بن مسرور و جابر ابن علی
 و جابر ان یخوضون فی المسئلة فان لم یحضر
 عافیة قال ابوحنيفة لا ترفعوا المسئلة حتی
 یحضر عافیة فاذا حضر عافیة فان وافقهم
 قال ابوحنيفة استنبوها فان لم یوافقهم قال
 ابوحنيفة لا تثبتوها۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۰۸ طبع مصر ۱۳۳۹ھ)
 (۱۹۳۱ء)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل میں اپنے شاگردوں کا شعور بیدار
 کرنے اور ان کی محنتی قوتوں کو اٹھا کر کرنے کی سعی کرتے رہتے تھے، اور امام صاحب صرف اپنی ذاتی رائے
 ہی کو درج نہ کرواتے اور نہ اپنی انفرادی رائے کا کسی کو پابند بٹھراتے بلکہ ان مذکور حضرات
 کی خوب بحث و تمحیص سے جب آخری رائے قائم ہو جاتی تو اس کو اصول اور
 قوانین کی کتابوں میں درج کروا دیتے جن کو ہم اپنی اصطلاح میں اطلاقی کتب ابوں سے
 تعبیر کرتے ہیں۔

امام صدر الامر لکھتے ہیں کہ :-

امام ابوحنیفہ نے اپنا مذہب ان میں بطور شوری
 رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے بغیر محض اپنی رائے ہی میں
 وہ مستند نہ ہتے تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے
 دین میں احتیاط اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ہستی
 اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے جذبہ کے
 تحت کیا ہے چنانچہ وہ ان کے سامنے ایک ایک
 مسئلہ پیش کرتے، ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ
 بیان فرماتے اور ایک ایک مہینہ بیکر ضرورت پڑتی

فوضع ابوحنيفة رحمه الله مذهبه شورى
 بينهم لم يستبد فيه بنفسه و منهم اجتهدوا
 منه في الدين و بالعنة في النصيحة لله و
 رسوله و المؤمنين فكان يلقى مسئله مسئلة
 و يسمع ما عندهم و يقول ما عنده و
 يناظرهم شهرا و اكثر من ذالك حتى
 يستقر احد الاقوال فيها ثم يثبتها ابو يوسف
 في الاصول حتى انتهت الاصول كلها اهـ

(مناقب موفی ۲ ج ۱۳۳)

تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں منظرہ
اور مباحثہ کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر
سب کی رائے جمع جاتی تو اس کے بعد امام ابو یوسفؒ
اس کو اصول میں درج کر دیتے یہاں تک کہ سب
اصول انہوں نے منضبط کر دیئے۔

اور اگر امام ابو یوسفؒ جلد بازی سے کام لیتے ہوئے اپنے اُستاد و محترم کی رائے بدوں تحقیق اور
تحقیق کے لکھ دیتے تو امام ابو حنیفہؒ ان کو تنبیہ فرماتے کہ :-

لا تکتب کل ما سمع منی فانی قداری ہر وہ چیز جو تم مجھ سے سنتے ہو تم لکھا کر دیکھو کہ
السرای الیوم و اکثرکہ غذا واری الدای غذا اگر میں آج کوئی رائے قائم کرتا ہوں تو کل
واشترکہ ف عندہ اے چھوڑ دیتا ہوں اور کل کی رائے پر سوں ترک

(تقدمۃ نصب الدایہ ص ۱۷۷) کر دیتا ہوں۔

اور اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ وہ اُس وقت تک اپنی رائے کو تدوین کرنا پسند نہیں کرتے
تھے جب تک کہ خود بھی اچھی طرح اُس پر غور و خوض نہ کر لیتے اور مجلس شوریٰ کے ذریعے بھی
اس کی خوبی یا خرابی عیاں نہ ہو جاتی۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض غیبِ معتدین
حضرات نے امام صاحبؒ کے اس حزم و احتیاط اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول
اور مسلمانوں کے ساتھ خالص ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کو متلون مزاجی
اور رائے کی بے ثباتی کا طعنہ اور نشتر لگا کر ان کا یہ عیب گرداننے کی ناکام کوشش
کی ہے مگر یہ عیب کچھ سوء ظن اور تعصب و حسد کا نتیجہ ہے، اور ان کی بے بنیاد تاویلات
سے ان کے مسلک کے فروغ میں رتی بھر کا وٹ پیدا نہیں ہوئی اور نہ انشاء اللہ ہوگی،
کیونکہ ع۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

امام عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ اس مجلس کے سامنے ایک اہم

مسئلہ درپیش ہوا۔

فخاضوا فيها ثلاثة ايام بالغداة والعشي
(مناقب موفقی ج ۲ ص ۵۴)
تو ارکان مجلس عین دن تک صبح و شام اس میں غم و
غرض کرتے رہے۔

اور یہ مجلس شوریٰ جب تک کہ مسئلہ کامل تلاش نہ کر لیتی اس کو معرض التوائیں نہ
ڈالتی۔ چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ :-

اذا وقعت لهم مسألة يديرونها حتى
يضيئونها۔ (مناقب کردی ج ۲ ص ۳)
جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو
اس کو آپس میں خوب گردش دیتے یہاں تک کہ
بالآخر اس کی تہ تک پہنچ کر اس کو روشن کر لیتے۔

اس طرز عمل سے حضرت امام صاحب نے جو مسائل طے اور حل کئے ان کی تعداد
میں متعدد روایات اور رجالات پیش نظر ہیں مگر اختصاراً ہم حضرت ملا علی ن القاریؒ کا حوالہ
لکھتے ہیں کہ :-

انه وضع ثلاثة الاف وثمانين الف
مسئلة منها ثمانية وثلاثون الف في العبادة
والباقى في المعاملات ۱
کہ امام صاحب نے تقریباً ۸۴۲۰ مسائل طے کئے ان میں
سے اٹیس ہزار عبادت سے متعلق اور باقی معاملات
سے متعلق تھے۔

(ذیل المجاہد جلد ۲ ص ۴۲)

امام ابو حنیفہؒ کی وسعت نظر اور معاملہ فہمی کا اندازہ لگانے کے لیے امام محمد بن جریر
طبرانی (المتوفی ۳۲۰ھ) اور خطیب بغدادیؒ کا ایک حوالہ ملاحظہ کیجئے وہ فرماتے
ہیں کہ :-

وحسان أبو حنیفة اقل من عبد الله بن القصب
(طبری ج ۲ ص ۲۴ طبع مصر تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱)
امام ابو حنیفہؒ سب سے پہلے وہ شخص جنہوں
نے بانس کے ذریعہ اینٹوں کے گننے کا طریقہ
ایجاد کیا۔

غور فرمائیے کہ پیمائش کے اس عمل سے خشت شماری کا طریقہ کس قدر سہل اور
آسان ہو گیا ہے اور دینی مسائل کے علاوہ ان کی یہ رائے بھی کتنی کارآمد اور مفید ثابت ہوئی ہے
کہ آج تک تقریباً ساری دنیا اس اصول کو معمول بہ قرار دے رہی ہے۔ بغیر ہیکہ

حنفی میں صرف نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ ہی کے ابواب نہیں بلکہ معاشیات و سیاسیات، معاملات و اخلاقی وغیرہ وغیرہ سارے علوم و فنون اس میں سمٹے ہوئے ہیں اور اس کی اسی ہمہ گیری نے قلوب و اذان پر استیلا کر کیا ہے اور لوگ اس کی افادیت اور ضرورت کے تسلیم کرنے سے بالکل چارہ نہیں پاتے۔

تیرا ہر نظارہ ہے آئینہ دارِ زندگی

قص کرتی ہیں ترے دامن میں ہوجیں علم کی

تدوین کتب کا سہرا امام صاحبؒ کے سر ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے علمائے اُمت کی سہولت کے لیے سب سے پہلے تدوین کتب اور ابواب کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس میں ایک بہترین مثال قائم کی۔ چنانچہ صدر الکمرؒ لکھتے ہیں کہ:-

والبُحَیْفَةُ رَحِمَهُ اللهُ اَوَّلَ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ
هَذِهِ الشَّرِيعَةِ لِمُعِیْبَةِ اَحَدٍ مِنْ قَبْلِهِ،
(مناقب موفق جلد ۲ ص ۱۳۷)
امام ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے علم شریعت کی
تدوین کی، ان سے پہلے کسی نے (اس طرح کی)
تدوین نہیں کی۔

اور امام سیوطیؒ، امام صاحبؒ کی خصوصیات نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-
انه اَوَّلَ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيعَةِ وَرَتَّبَهَا
البُوابَاتِ تَتَبَعُهُ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ فِي تَرْتِيبِ
الْمَوْطَا وَلَمْ يُسَبِّقْ اِبَاهُ حَنِيفَةُ اَحَدًا لَنْ الصَّحَابَةِ
رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَالتَّالِعِينَ لَمْ يَضَعُوا فِي
عِلْمِ الشَّرِيعَةِ الْبُوابَ مَبْتُوعَةً وَلَا كَتَبًا
مَرْتَبَةً وَاِنَّمَا كَانَ يَتَمَدَّدُونَ عَلَى قُوَّةِ
حِفْظِهِمْ فَلَمَّا رَأَى الْبُحَیْفَةُ الْعِلْمَ مَتَشَرًّا
وَخَافَ عَلَيْهِ الْفِصَاعُ دَوَّنَهُ فَجَعَلَهُ، الْبُوابَ
اھ (تبیین الصحیفہ ص ۳۲)

سب سے پہلے انہوں نے علم شریعت کی تدوین
کی ہے اور ابواب میں اس کی ترتیب دی ہے
پھر امام مالکؒ نے موطا میں ان کی پیروی کی ہے امام
ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ حضرات
صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے علوم شریعت میں ابواب
اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہیں کیا، وہ تو
صرف اپنے ہاں فطری اعتقاد کرتے تھے جب امام ابوحنیفہؒ
نے علوم کو مندرجہ شریعت بنایا اور اس کے ضائع ہونے کا
خوف کیا تو ابواب میں اس کو مدون کر دیا۔

اور امام سیوطی ہی علامہ ذہبی کے حوالہ سے ۱۲۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اس سن میں وَصَفَتِ الْوَحِيفَةَ الْفَقَهُ وَالرَّاهِي (تأليف الخلفاء من ۱۸۱ طبع مجتبائی دہلی) امام ابو حنیفہؒ نے فقہ ورائے تصنیف کی۔

اور امام ابن حجر مکیؒ امام صاحبؒ کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ

انہ اقل من ذقن علم الفقہ ورتبہ البواب
وکتباً علی عموما هو علیہ الیوم ونبیہ
مالک فی موطنہ ومن قبلہ انما کالوا
یعتمدون علی حفظہم وهو اقل من
وضع کتاب الفرائض وکتاب الشروط۔
(الخصایات الحسان ص ۲۸)

انہوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی ہے اور اس
کو البواب اور کتب میں مرتب کیا ہے جیسا کہ آج
ہے، پھر ان کی پیروی امام مالکؒ نے اپنے مظلایں کی
ہے اس سے قبل لوگ حافظ پر بھروسہ کرتے تھے، اور
سب سے پہلے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط بھی
امام ابو حنیفہؒ ہی نے وضع کی ہے۔

یہ بات ملحوظ خاطر ہے کہ علم و دین کی باتیں اور مسائل پہلے دور میں بھی لکھے جاتے تھے اور اس
کا حدیثی اور تاریخی طور پر کافی ثبوت موجود ہے اور ہم نے اپنی کتاب شوق حدیث میں اس پر بے شمار
حوالے دیے ہیں لیکن بایں ہمہ حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور اتباع تابعینؓ کے زمانہ میں زیادہ تر
وارد ملاحظہ پر تھا اور قرآن و حدیث کی طرح اکثر دینی مسائل بھی لوگوں کو بعتید حروف یاد ہوتے
تھے، جب خیر القرون سے زمانہ دور ہوتا گیا اور دینی جذبہ اور حفظ میں کمی واقع ہونے لگی تو سلف
صالحین کو بعنائے دین کی فکر ہوئی اور انہوں نے عہد مسلم دین کو کتابی شکل میں لکھنے کی سعی کی اور
اس طرح قرآن و حدیث کے علاوہ فقہی مسائل کا بھی معتد بہ جتہ ضبط تحریر میں آ گیا لیکن
ان کی ترتیب اور البواب و فصول کی صورت میں تدوین پھر بھی نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ
مسائل کی تلاش میں خاصی وقت ہوتی اور ایک ایک مسئلہ اور جزئی کی تلاش کے لیے
خاص قیمتی وقت صرف ہو جاتا اس اہم ضرورت کو یہ شیش نظر رکھ کر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور اسی
طرح دیگر بزرگوں نے فقہ وغیرہ علوم کی ترتیب اور البواب و فصول پر تدوین کا بیڑا اٹھایا اور ان
کا یہ مفید کام آج تک قابل قدر لگا ہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس طرح قیمتی وقت کی بچوت
ہوتی ہے اور ذہنی پریشانی سے بھی نجات ملتی ہے جس باب کا مسئلہ ہوتا ہے کتاب کی فہرست

مضامین دیکھی اور فوراً باب یا فصل نکال کر مسئلہ دیکھ لیا جاتا ہے۔ گویا اس لحاظ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور اسی طرح دوسرے بزرگوں کا محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ وغیرہم پر یہ بھی ایک بہت بڑا احسان ہے ہاں جو احسان کو سمجھتا ہی نہ ہو تو اس کا کیا کہنا؟ اور جس کی چشم ہی مینا نہ ہو اس کو طور کیا نظر آئے گا؟
سچ کہا گیا ہے کہ ۷۰

چشم بینا تو پہلے کہ پیدا پھر یہ کہنا کہ کو طور نہیں

بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اپنی کوئی تصنیف نہیں اور خصوصاً الفقہ الکبیر ان کی نہیں لیکن یہ ان حضرات کا زاوہم ہے ہم نے البیان الاذہر کے مقدمہ میں اس پر بقدر ضرورت بحث کی ہے مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق بن ندیمؒ اپنی کتاب الفہرست بن النديم ص ۲۹ میں (جس کو انہوں نے ص ۳۷ میں تصنیف کیا ہے) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ تابعی تھے اور کئی حضرات صحابہ کرامؓ سے آپ کی ملاقات ہوئی پھر آگے لکھتے ہیں کہ الفقہ الکبیر کتاب الرسالة الى البقی کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الرد على القندیة ان کی تصانیف ہیں (محصلہ الفہرست لابن النديم ص ۲۹ طبع مصر) اور علامہ طاش کبریٰ زادہؒ لکھتے ہیں کہ خود امام ابو حنیفہؒ نے اپنی کتاب الفقہ الکبیر اور کتاب العلم والمتعلم میں علم کلام کی اکثر بحثیں کی ہیں اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ انکی تصانیف نہیں بلکہ یہ ابو حنیفہؒ البخاریؒ کی ہیں تو یہ بات معتزلہ کے مخترعات میں سے ہے ان کا یہ باطل خیال ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ان کے مسلک پر تھے علامہ حافظ الدین البزازؒ نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہؒ میں لکھا ہے کہ میں نے خود یہ دونوں کتابیں علامہ شمس الدین الحکمری البرقیؒ فی العادوی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں اور ان دونوں کے بارے میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں کتابیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تصانیف ہیں اور اس امر پر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کا اتفاق ہے جن میں سے امام فخر الاسلامؒ نے دوئی بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اصول میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے امام شیخ عبدالعزیز بخاریؒ بھی ہیں جنہوں نے شرح الاصول میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔

۷۰ (مفتاح السعادة ومصباح السيادة ج ۲ ص ۲۹ طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن)

باب پنجم

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور علم حدیث

امام الامہ، سید الفقہاء، ذی الامت، راس الاقتیاد مجاہد کبیر حضرت نعمان بن ثابت الکوفیؒ میں جہاں خالق کائنات نے اور بہت سی خوبیاں اور بھلائیاں ودیعت رکھی تھیں وہاں ان کو علم حدیث سے بھی وافر حصہ مرحمت فرمایا تھا۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ فن روایت اور علم حدیث میں ان کا رتبہ اور پایہ باحوالہ عرض کرتے ہیں تاکہ ہر ایک منصف مزاج کو صحیح حقیقت معلوم ہو سکے اور متعصب و غلط کار لوگوں کے جھوٹے پروپیگنڈا سے متاثر نہ ہو کر خدا تعالیٰ کے نیک اور پارسا بندہ سے عداوت اور دشمنی اختیار کر کے محاربت خداوندی کا شکار نہ ہو کر کہیں اپنی آخرت ہی ضائع نہ کر دے۔

شیخ الاسلام ابن عبد البر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ودوی حماد بن نید عن ابی حنیفۃ لعادیت حماد بن زید نے امام ابو حنیفہؒ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔

کشیۃ - (الانتقاء ص ۱۳)

اگر حضرت امام حنیفہؒ کے پاس حدیثیں تھیں ہی نہیں یا صرف سونے، سترے کے قریب تھیں جیسا کہ بعض متعصب لوگوں نے کہا ہے تو احادیث کثیرہ کا کیا مطلب ہو گا؟ اور جب خود ان کے پاس ہی زیادہ حدیثیں نہ تھیں تو حماد بن زیدؒ سے انہوں نے بھلا احادیث کثیرہ کیا روایت کی ہوں گی؟

اور حافظ ابن عبد البر ہی اہم و کیع بن الجراح کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ :-

وكان يحفظ حديثه كله وكان قد سمع
من أبي حنيفة حديثاً كثيراً
کہ وکیع بن الجراح کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سب
حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے بہت
سی حدیثیں سنی تھیں۔ (مجمع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۳۹)

انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا کہ امام وکیع بن الجراحؒ بلند قدر اور پختہ کار محدث تھے۔
اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بیان کردہ حدیثیں ضعیف اور ناقابل اعتبار ہوتیں تو وہ ہرگز ان کو یاد
نہ کرتے؟ اور بہت سی حدیثیں بھی ہی وہ ان سے روایت کر سکتے ہیں جب کہ خود امام
ابو حنیفہؒ کے پاس بھی بہت سی حدیثیں ہوں۔

محدث ابن عدی (المتوفی ۳۶۵ھ) امام اسد بن عمرو (المتوفی ۱۹۰ھ) کے ترجمہ میں
لکھتے ہیں کہ :-

ولیس فی اصحاب الرائی بعد ابی حنیفۃ
اکثر حدیثاً منہ۔
اصحاب الرائی (یعنی فتاویٰ) میں امام ابو حنیفہؒ کے
بعد اسد بن عمرو سے زیادہ حدیثیں اور کسی کے
پاس نہ تھیں۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۳۸۳)

اور علامہ ابن سعدؒ اسد بن عمروؒ ہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

وكان عنده حديث كثير وهو ثقة
انشاء الله۔ (تابع بعد اد جلد ۱ ص ۱۷۱)
ان کے پاس بہت حدیثیں تھیں اور انشاء اللہ
وہ ثقہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اسد بن عمروؒ جو خود صاحب حدیث کثیر تھے، امام ابو حنیفہؒ
کے پاس ان سے بھی کمین زیادہ حدیثیں تھیں۔

امام صدر اللامہ مکی الحنفیؒ، امام مکی بن ابراہیمؒ (المتوفی ۲۱۵ھ) جو الحافظ، الامام اور شیخ خراسانی
تھے، علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۳۲) کے بارے میں لکھتے ہیں
کہ :-

ولزموا باحنيفة رحمه الله وسمع منه
الحديث والفقہ واكثر منه الرواية۔
انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں رہ
کر ان سے حدیث اور فقہ کا سماع کیا اور ان سے

بجائے رہا نہیں کہیں۔

یہ حضرت امام بخاریؒ کے استاد تھے اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ صرف مکی بن ابراہیمؒ کی سند سے ہیں اور یہ بڑے پایہ کے حنفی تھے گویا ان کی عبادت کے ساتھ امام بخاریؒ کو یہ تہہ اور شرف حاصل ہوا کہ صحیح بخاری میں گیارہ ثلاثیات ان کی سند سے درج کیں۔

اور امام عیسیٰ بن مالان ابو جعفر (المتوفی ۳۰۰ھ) بعض نے ان میں کلام بھی کیا ہے، مگر امام احمدؒ ان کو صالح الحدیث، اور ابن معینؒ، ابن مہزیہؒ، ابن عمار موصیؒ، ابن سعدؒ، حاکمؒ اور ابن عبد البرؒ کہتے ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۵۰ کے باب میں لکھتے ہیں کہ:-

امام اہل الرقی فی الحدیث والفقہ اکثر وہ رتبی کے باشندوں کے حدیث اور فقہ میں امام تھے، عن ابی حنیفہ روایۃ الحدیث والفقہ و انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث اور فقہ کی بہت روایتیں لی ہیں اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضاً ج ۱ ص ۲۴۳)

علامہ خلیف بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ محدث بشر بن موسیٰ (المتوفی ۲۸۸ھ) جو

المحدث الامام اور المحدث تھے تنکھ ج ۲ ص ۱۶۸ سے اور وہ اپنے استاد محترم حضرت امام ابو عبد الرحمن المقرئ (المتوفی ۲۱۳ھ) جو الامام، المحدث اور شیخ الاسلام تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۲۲۳، انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے نو سو حدیثیں سنی تھیں، مناقب کردی جلد ۲ ص ۶۱۶ سے روایت کرتے ہیں کہ:-

وكان اذا حدث عن ابی حنیفہ جب وہ ہم سے امام ابو حنیفہؒ کی سند سے قال حدثنا شافعیہ۔ کوئی حدیث بیان فرماتے تو کہتے ہم سے شافعیہ نے حدیث بیان کی ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵)

انذار فرمائیے کہ ایک محدث کامل اور شیخ الاسلام، حضرت امام ابو حنیفہؒ کو روایت اور حدیث کا بادشاہ ہی نہیں کہتے بلکہ شاہنشاہ کہتے ہیں، جو شخص اپنے دور اور زمانے میں حدیث کا شاہنشاہ ہو گیا اس کے محدث اور حافظ حدیث ہونے میں کوئی کسر اور

کسی قسم کا کوئی شک باقی رہ سکتا ہے؟ (فہم حدیث اور سند میں ہنشاہ ہونا جزوی بات صحیح اور مطلقاً ہنشاہ ہونا مخلوق کیلئے حرام ہے) حقیقت یہ ہے کہ کدھر "آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میسر نہیں!"

امام صدر الامرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وعبد اللہ بن یزید هو ابو عبد الرحمن المقرئ من حفاظ اصحاب الحديث وكبرائهم اكثر عن ابي حنيفة الدواية في الحديث -
امام ابو عبد الرحمن المقرئ عبد اللہ بن یزیدؒ نے جو خود بھی اصحاب حدیث و کبار ائمہ میں تھے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث کی بہت سی روایتیں لی ہیں۔ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۳۲)

مشہور محدث السرخسیؒ (المتوفی ۱۶۲ھ جو الامام اور الحافظ تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۹) ارشاد فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کیا ہی خوب مرد تھے کہ:-

ما كان احفظ لكل حديث فيه فقه واشد فحشه عنه واعلم بما فيه من الفقه -
انہوں نے ہر ایسی حدیث کو کیا ہی اچھی طرح یاد کیا جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے اور وہ حدیث کے بارے میں بڑی بحث کئے والے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔

امام صدر الامرؒ مکیؒ، امام علیؒ بن یونسؒ (المتوفی ۱۸۷ھ جو ثقہ اور ثبت تھے، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-
اكثر عن ابي حنيفة الدواية في الحديث والفتنہ - (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۹۷)

امام عبد اللہ بن داؤد الخزرجیؒ (المتوفی ۲۱۳ھ جو الحافظ الامام اور القدوہ تھے، تذکرہ جلد ۱ ص ۳۳) علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ، عابد اور ناسک اور امام ابن معینؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۳۱) فرماتے ہیں کہ:-

يجب على اهل الاسلام ان يدعوا الله لابي حنيفة في صلواتهم قال وذك يحفظه عليهم
مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں، اللہ تعالیٰ سے امام ابو حنیفہؒ کے لیے دعا کریں اور ذکر فرمایا کہ

السنن والفقہ - تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۴۲
یہ اس لیے کہ انہوں نے سنت حدیث اور فقہ کو
والبدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۰۱)

امام صدر الامرؒ کی اپنی سند کے ساتھ امام زفرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:-

قال کان کبرلہ المحدثین مثل زکریا
بن ابی زائدہ وعبد الملک بن ابی سلیمان
واللیث بن ابی سلیم ومطرف بن طریف
وحصین ہوا بن عبد الرحمن و
غیرہم یختلفون الی ابی حنیفۃ ویثبوا
عما ینوبہد من المسائل وما اشتبه علیہم
من الحدیث - (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۴۹)

بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبد الملک
بن ابی سلیمان، الیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور
حصین بن عبد الرحمن وغیرہ امام ابو حنیفہ کے پاس
آتے جاتے رہتے تھے اور ایسے (دقیق) مسائل ان
سے دریافت کئے جاتے تھے جو ان کو درپیش ہوتے تھے
اور جس حدیث کے بارے میں ان کو شک تھا ہو یا ہے
اس کے متعلق بھی وہ ان سے سوال کرتے تھے۔

اگر امام ابو حنیفہؒ کو فن حدیث میں مہارت تامہ حاصل نہ ہوتی یا وہ حدیث سے بے بہرہ ہوتے
تو ان کبرلہ محدثین کو ان کے پاس آنے جانے کی اور حدیث میں ان سے مشکوک و شبہات نکالنے
کی کیا مصیبت پڑی ہوتی؟

مشہور محدث امام معمر بن کدائم (المتوفی ۱۵۵ھ جو امام الحافظ اور احد الاعلام
تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۰۱) فرماتے ہیں کہ:-

طلبت مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبننا و
اغتنانی الزہد فبرع علینا وطلبنا معہ
الفتیۃ فجاء منہ مائتوں - (مناقب ابی
حنیفہ ص ۱۰۱ از علامہ ذہبی طبع مصر)

میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن
وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس
میں بھی ہم پر فائق رہے اور ہم نے ان کے ساتھ فقہ
طلب کی تو اس میں ان کا کمال ہے مخفی نہیں ہے۔

غور کیجئے کہ چوٹی کا محدث اور صحیح سنیہ کامرکزی راوی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی علم حدیث
میں فوقیت اور برتری کو کس شانِ سخاوت سے تسلیم کرتا ہے۔

محدث جلیل امام یزید بن ہارونؒ فرماتے ہیں کہ:-

کان ابو حنیفۃ ثقیلاً نقیاً زاهداً عالماً
امام ابو حنیفہؒ، متقی، پاک، زاهد، عالم، صدقت شعار

صدوق اللسان حفظ اہل زمانہ
 مناقب صمیمی بحوالہ ابن ماجہ اور علم
 حدیث صلاۃ از مولانا نعمانی

امام الحجرج والتعلیل بحوالہ بن سعید بن النقطان حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بابے میں فرماتے ہیں کہ :-
 انہ واللہ لو علمتہ ہذہ الامۃ بملجاء عن
 خدا تعالیٰ کی قسم امام ابو حنیفہؒ اس امت میں خدا
 اللہ ورسولہ (مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ
 تعالیٰ اور اس کے رسولؐ بحق سے جو کچھ بھی وارد
 مسعود بن شیبہ سنائی بحوالہ ابن ماجہ اور
 ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔
 علم حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی ص ۱۶)

اگر امام ابو حنیفہؒ کو قرآن کریم اور حدیث شریف کے علم میں پوری مہارت اور کمال حاصل نہ
 ہوتا تو ناقہ فرج رجال اور سرتاج محدثین کبھی قسم اٹھا کر یہ بیان نہ دیتے۔
 حضرت ملا علی قاریؒ امام محمد بن ساعدیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے
 فرمایا کہ :-

ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفا و سبعین
 الف حدیث و انتخاب الآثار من اربعین
 امام ابو حنیفہؒ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے
 کچھ اور حدیثیں بیان کی ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں
 سے (کتاب) الآثار کا انتخاب کیا ہے۔
 الف حدیث۔ (مناقب علی بن القاریؒ بذیل
 الجواہر جلد ۲ ص ۴۴)

اور امام صدر الائمہؒ مکیؒ ارقام فرماتے ہیں کہ :-
 و انتخاب ابو حنیفۃ الآثار من اربعین
 امام ابو حنیفہؒ نے (کتاب) الآثار کو چالیس ہزار
 الف حدیث۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)
 حدیثوں سے انتخاب کیا ہے۔

صد حیرت کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں اپنی تصانیف
 میں بیان فرماتے ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے کتاب الآثار کا انتخاب کرتے ہیں مگر بایں ہمہ
 متعصب لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فرج حدیث میں یتیم تھے، ان کو حدیث سے کوئی
 مس نہ تھا، ان سے صرف ستر ہزار حدیثیں مروی ہیں، یہ کس قدر ظلم عظیم اور نا انصافی کی بات ہے،

اور یار لوگ صرف ایسے ہی حوالوں پر اکتف کر لیتے ہیں اور دوسری طرف کے ٹھوس حوالے بالکل ہضم کر جاتے ہیں۔

نوٹ :- محدثین کرامؒ کی یہ اصطلاح ہے کہ سند کے بدلنے اور اسی طرح سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی گنتی اور تعدد بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں احادیث کی تعداد کم تھی کیونکہ سند مختصر تھی اور ائمہ حدیث کے زمانہ میں احادیث کی تعدد لاکھوں سے بھی متجاوز ہو گئی، کیونکہ جوں جوں سند بڑھتی گئی، اور راوی بدلتے گئے، تعدد حدیث کی تعداد بھی بڑھتی گئی نہ یہ کہ متون حدیث بڑھ گئے جیسا کہ محدثین کرامؒ کی اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے ممکنین حدیث اور اسی طرح دیگر بعض مصلح فرقوں نے ٹھوکر کھائی ہے، اور بلا وجہ محدثین کرامؒ کو عسلی طعن بنایا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری بحث تو شوق حدیث میں ہم نے کر دی ہے صرف مثال کے طور پر ایک حوالہ عرض کیا جاتا ہے، تاکہ بات بخوبی سمجھی جاسکے مشہور محدث ابراہیم بن سعید الجوهریؒ (المتوفی ۲۴۴ھ) جو الحافظ اور العلامة تھے خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت اور مکرثر تھے، تذکرہ جلد ۲ ص ۸۹) ایک خاص موقع پر فرماتے ہیں کہ ۱۔

كل حديث لا يكون عندی من
مائۃ وجہ فانا فیہ یتیم۔
جب ایک ایک حدیث مجھے پاس تھی تو سندوں
کے ساتھ نہ ہوتیں اس حدیث کے متعلق اپنے آپ
کو یتیم خیال کرتا ہوں۔
(تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۸۹)

اب ایسی حدیث تھیں اور الفاظ کے لحاظ سے تو صرف ایک ہوگی مگر تیسروں اور چالیسوں سے جب وہ الگ الگ روایت کی جاتے گی تو محدثین کرامؒ کے نزدیک سو حدیث متصور ہوگی، اور اگر بھی ایک حدیث ہزار سندوں اور طریقتوں سے مروی ہوگی تو وہ ان کے نزدیک ہزار حدیث ہوگی۔ یہی مطلب ہے ان عبارات کا جن میں یہ آتا ہے کہ فلاں محدث کو اتنے لاکھ حدیث یاد تھی اور فلاں کو اتنے لاکھ یاد تھی، ورنہ متون احادیث کی تعدد بالاتفاق محدثین عظام جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام سفیان بن سعید ثوریؒ، امام شعبہؒ، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام عبد الرحمن بن مہدیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ قابل ذکر ہیں، یہ ہے :-

ان جملة الأحادیث المسندة عن النبی
بلاشبہ تمام وہ مذاہب حدیث صحیحہ جو بلا تواتر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصبیحة بلا تکرار
اربعة آلاف واربعمائة حدیث۔ (توضیح الافکار)
صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد
چار ہزار اور چار سو ہے۔

طبع مصر از علامہ امینی (۱۹۰۶ء)

دیگر محدثین کی طرح جہاں حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف کم حدیثوں کی نسبت آتی ہے تو
اس سے نظر بظاہر یہی متون احادیث مراد ہیں اور جہاں چالیس یا ستر ہزار کا ذکر آتا ہے تو وہاں سے
اسانید و طرق متعددہ سے مروی روایات مراد ہیں، چنانچہ امام صدر الائمہ مکی، امام حنبل بن زیاد
کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

ہاں ابوحنیفہ یدوی اربعة الاف حدیث امام ابوحنیفہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔
الغین للحمد والغین لسان المشیخة ۱۵ دو ہزار تو صرف حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی
شیوخ سے۔ (دماقب موفی ج ۱ ص ۹۹)

یعنی اگر تکرار اور تعدد طرق و اسانید سے صرف نظر کر لی جائے تو تقریباً چار ہزار حدیثیں ان
سے مروی ہیں اور اگر اسانید و طرق کو ہمیشہ نظر رکھا جائے تو ستر ہزار سے بھی ان کی تعداد بڑھ جاتی
ہے جن کا تذکرہ امام صاحب نے اپنی تصانیف میں کیا ہے، یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے
کہ امام صاحب کی تصانیف سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء جن میں خصوصیت کے ساتھ مولانا
شبلی نعمانی (المتوفی ۱۳۲۲ھ) پیش پیش ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام صاحب کی اپنی
کوئی تصنیف ہی نہیں تھی کہ فقہ اکبر بھی اتنی اپنی نہیں تھی کہ اسی کتاب کے مٹاؤں بلو الودیعان لانہ کے مقدمہ
میں لائل کے ساتھ اسکی تردید کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں البتہ غیر مقلدین حضرات کی تسلی کے لیے ایک
حوالہ عرض کئے جیتے ہیں۔ مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ:-

امام ابن تیمیہ منہج السنۃ میں فقہ اکبر کو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
قرار دیتے ہیں، پس مولانا شبلی مرحوم کے انکار کی بنا پر اسے معرض بحث میں لانے کی ضرورت
نہیں۔ (بلفظہ، حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۶)

امام صاحب کی تصانیف سے وہ اطلاقی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے لائق اور قابل
قدر تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف وغیرہ امام صاحب کی تعلیم اور تدریس کے وقت قید تفسیر میں

لے آتے تھے جیسا کہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ احکام الاحکام شیخ الاسلام ابو الفتح محمد بن علی الشہید
 بابن دقیق العید الشافعی (المتوفی ۷۷۲ھ) کی اپنی تالیف و تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ اٹھکرتے
 تھے اور ان کے لائق و فائق شاگرد شیخ القاضی اسمعیل بن تاج الدین — الاثیر الحلبي الشافعی
 (المتوفی ۷۷۲ھ) لکھتے جاتے تھے اور باوجود این دقیق العید کی اپنی تصنیف نہ ہونے کے
 وہ انہی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے، دیگر متعدد شرح حدیث کی عبارات کے علاوہ حافظ ابن حجر
 متعدد مقامات پر فتح الباری میں ارقام فرماتے ہیں قال ابن دقیق العید فی احکام الاحکام الخ
 اسی طرح امام صاحب کی تصانیف سے وہ اٹھائی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے سامنے اور ان
 کے حکم سے ان کے تلامذہ قی تحریر میں لے آتے تھے جیسا کہ ہم نے خلیف بغدادی اور صدائے
 کے حوالے سے اس کا مفصل ذکر پہلے کر دیا ہے کہ جب ایک مسئلہ پر اچھی طرح غور و غوض ہو جائے
 تو آپ فرماتے اشتہا الخ کہ اب اس مسئلہ کو لکھ لو اور بجائے سینہ کے سفینہ
 میں محفوظ کر لو۔ اور امام صاحب کی ان اٹھائی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں موتوں
 کی طرح بکھری پڑی ہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب ندوی، امام صاحب کے چار ارشد تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں کہ امام محمد سے دو طرح کی کتابیں منقول ہیں، ایک جو ظاہر الروایہ سے منسوب ہیں
 جیسے مبسوط المباح، الکبیر، المباح، الصغیر، کتاب الیر الکبیر، کتاب السیر الصغیر اور الزیادات، دوسرے
 تو اور جیسے کتاب الامالی یا کیسانیات وغیرہ اور ان سب میں اپنے ملک کی تائید میں
 احادیث و آثار ہی کو پیش کیا گیا ہے۔ انتہی (مسند اجتہاد ص ۷۷)

اور مولانا محمد حنیف صاحب ندوی ہی لکھتے ہیں کہ اس میں بھی اختلاف رائے ہے کہ
 فقہ کی کوئی کتاب آپ نے تصنیف کی یا نہیں؟ اور آیا ابن ندیم نے جن کتابوں کا ان کی طرف
 انتساب کیا ہے جیسے الفقہ الاکبر، کتاب العالم و التعلم وغیرہ ان کا انتساب تاریخی طور پر درست
 ہے یا نہیں؟ مگر یہ حقیقت بہر حال مسلمہ ہے کہ ان کے ارشد تلامذہ نے اپنی کتابوں میں فقہ
 حنفی کے نام سے جن فروع و اصول کا تذکرہ کیا ہے، ان کی تعیین و تفتیش میں بڑی حد تک حضرت
 امام ہی کی مجتہدانہ کوششوں کو دخل ہے الخ (الاعتصام ص ۷۷، عالم دین، فروری ۱۹۶۷ء)

اور چالیس ہزار روایات سے انہوں نے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے چنانچہ امام عبد القادر القرشی الحنفی (المتوفی ۷۵۰ھ) امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد محترم کے توسط سے:

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃ وہو مجلد امام ابو حنیفہ سے ان کی کتاب الآثار روایت کی
ضمیمہ (المجاہد ج ۲ صفحہ ۳۲۵) ہے جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

کچھ عرصہ پہلے کہ مصر سے کتاب الآثار لابی یوسف طبع ہو کر علماء کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ غالباً یہ وہی نسخہ ہے جو امام ابو یوسف نے امام صاحب سے نقل کیا تھا اور اب وہ انہی کی طرف منسوب ہو کر رہ گیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی تحریر فرماتے ہیں کہ:-

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفقود انما امام ابو حنیفہ کی حدیث میں مفقود کتاب کتاب الآثار
ہو کتاب الآثار التي رواها محمد بن ہے جو امام محمد بن الحسن نے اُن سے روایت کی
الحسن عندہ (تجہیل المنفعۃ) ہے۔

اور اسی کے قریب انہوں نے لسان المیزان ج ۵ ص ۳۱ میں بھی لکھا ہے۔ نظر بہ ظاہر یہ کتاب الآثار وہی ہے جو امام محمد کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ انہی کی روایت یہ نسخہ رائج ہوا جیسا کہ بخاری، ابوداؤد اور موطا امام مالک وغیرہ حدیث کی کتابوں کے متعدد روایات کی وجہ سے مختلف نسخے نقل ہوتے چلے آئے ہیں اور ان نسخوں میں تقدم و تاخر اور دیگر کئی امور میں باہمی اختلاف اور تفاوت بھی پایا جاتا ہے لیکن اس جزوی اختلاف کی وجہ سے ان کی پوزیشن اور ان پر اعتماد ختم نہیں ہو جاتا جیسا کہ منکرین حدیث نے غلط کاری سے یہ سمجھ رکھا ہے، اور بزرگان دین کی محنت اور ان پر اعتبار کو یکسر ختم کرنے کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوفی میں کھوئے
پیدا کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

امام صاحب رحمہ حدیث اور حفاظ حدیث میں تھے

اگرچہ گذشتہ مندرجہ ٹھوس حوالے حضرت امام ابو حنیفہ کی حدیث دانی اور محدث کامل ہونے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ بحث کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ رہے اس لیے

ہم اب یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام صاحب محض حدیث دان اور محدث ہی نہ تھے بلکہ
فن حدیث اور روایت کے بڑے مجتہدین حفاظ حدیث اور ائمہ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا
ہے خود سے مندرجہ ذیل حوالے ملاحظہ کیجئے:-

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (المتوفی ۲۴۵ھ) جو الامام الثبت اور سید الخلفاء
تھے، تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۲) ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

رحم الله مالكا كان اماما رحم الله الشافعي
كان اماما رحم الله اباحيفه كان اماما
كتاب الامتداد ص ۲۲ وجامع بيان العلم وفضله ص ۱۶۲
اللہ تعالیٰ رحمت نازل کئے امام مالک پر کیونکہ وہ
امام تھے، اللہ تعالیٰ رحمت کرے امام شافعی پر اس لیے
کہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابو حنیفہ
پر کیونکہ وہ امام تھے۔

اور علامہ ذہبی (امام ابو داؤد سے نقل کرتے ہیں کہ:-

ان اباحيفه كان اماما تذکرہ ج ۱ ص ۱۶۱) ابو حنیفہ امام تھے۔

امام ابو داؤد جیسے محدث کا محدث جب امامت کا ذکر فرماتے ہیں تو اس سے یہی متبادر
ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث کی امامت مراد لیتے ہیں اور خصوصیت سے جب امام مالک اور امام شافعی
کی لڑائی میں منسلک کئے کہ وہ امام ابو حنیفہ کا ذکر کرتے ہیں، تو اس امامت سے وہی امامت
مراد ہوگی جو حضرت امام مالک اور امام شافعی کے لیے لی جاسکتی ہے، چونکہ وہ حدیث اور فتنہ
دونوں کے امام تھے، اس لیے حضرت امام ابو حنیفہ کے لیے بھی حدیث اور فتنہ دونوں
کی امامت مراد ہوگی۔

علامہ عبد الکريم شہرستانی (المتوفی ۴۹۹ھ) فرقہ مرجئہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں
کہ ان میں ایک وہ فرقہ ہے جو اہل سنت والجماعت کے نظریات اور عقائد کے خلاف ہے،
اور ایک وہ گروہ ہے جو مرجئہ التفتہ کہلاتا ہے اور ان کے کئی فرقے ہیں کوئی کلام نہیں کیونکہ
یہ حضرات اعمال کو ایمان کی جزئیات سے متاخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال ایمان کی جزئ
نہیں نہ یہ کہ اعمال کو ایمان سے بالکل الگ کر دیتے ہیں کہ ان پر ثواب و عقاب ہی مترتب
نہ ہو۔ اس طویل بحث کے بعد انہوں نے تتمہ میں ایسے ہی رجال مرجئہ کے کچھ نام گنوائے

ہیں اور وہ یہ ہیں :- الحسن بن محمد بن علی بن ابی طالب، سعید بن جبیر، طلح بن حبیب، عمر بن مرہ، محارب بن زیاد، مقاتل بن سلیمان، ذر و عمر بن ذر، حماد بن ابی سلیمان، ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن اور قتیب بن جعفر اور پھر ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ :-

وهو لا وكله ائمة الحديث الا (الملل والنحل) یہ سب کے سب ائمہ حدیث ہیں۔

جاءت المكتبة الانجلو صریحہ ۲۳۶ طبع اول مکتبہ

الحسین القبادیہ

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن الحسنؒ وغیرہ جن کا ذکر ہوا سب کے سب ائمہ حدیث تھے، اگر یہ حضرات فن حدیث کے عالم اور پھر اس پر عامل نہ ہوتے تو ائمہ حدیث کیسے بن گئے۔

فرقہ مرجیہ

حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی نے غنیۃ الطالبین میں مرجئہ کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اور پھر ان مرجئہ میں اصحاب نعمان بن ثابتؒ ابو حنیفہؒ کو بھی شمار کیا ہے جس سے بعض نادان اور متعصب غیر مقلدین حضرات امام صاحبؒ اور ان کے جملہ اصحاب کو مرجئہ سمجھ کر ان کو کھتے اور ان پر ناحق ظلم اور بے انصافی کے تیر برساتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت شیخ صاحبؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کے فرقہ میں داخل نہیں کیا بلکہ ان کے اصحاب کو مرجئہ کہا ہے اور ان کے مقلدین سب نہیں بلکہ بعض باوجود فرقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے معتزلہ بھی تھے جیسے علامہ زعفرانیؒ (المتوفی ۵۲۸ھ) صاحب تفسیر کشاف وغیرہ اور اسی طرح بعض دیگر فرقہ میں حنفی مذہب رکھنے کے باوجود اصولاً و مفرداً مرجئہ کے اس باطل گردہ اور فرقہ سے تعلق تھے جو اہل سنت کے مسلک حق کے بالکل خلاف تھا لیکن ان کے مرجئہ ہونے کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ پر کیا نوٹ کر سکتی ہے؟ اور ان مرجئہ کے قول باطل کی وجہ سے ان اصحاب ابی حنیفہؒ پر جو اس معنی میں مہرگز مرجئہ نہ تھے، کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟

امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے مرجئہ ہونے کی بحث حافظ ابن عبدالبرؒ کی کتاب جامع بیان العلم (ج ۲ ص ۱۶۸) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تفسیرات البیہ (ج ۱ ص ۲۸) اور

لواب صاحب کی دلیل الطالب (ص ۱۶۵) وغیرہ کتابوں میں ملاحظہ کریں کہ ان کا اختلاف بعض محدثین کرام کے ساتھ صرف لفظی ہے، وہ یہ کہ بعض محدثین عظام، ایمان، تصدیق بالقلب استمرار باللسان اور عمل بالجوارح کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور مرجئہ اہل سنت، ایمان صرف تصدیق قلبی کو کہتے ہیں کیونکہ یہ معنی لغوی معنی کے بالکل قریب ہے (حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ائمان الايمان في اللغة فيطلق على التصديق المحض الخ تفسيد به احد المعنى يعني به كيفة لغت میں ایمان محض تصدیق پر اطلاق ہوتا ہے، اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں والایمان لغة التصديق. فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۱) اور قرآن کریم میں ایمان کو اعمال صالحہ کی قبولیت کی شرط قرار دیا گیا ہے اور شرط مشروط سے خارج ہوتی ہے نیز اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے، اور معطوف و معطوف علیہ مغایر ہوتے ہیں، علاوہ ازیں بعض بد اعمالیوں کے ساتھ بھی قرآن و حدیث سے نفس ایمان کا ثبوت ملتا ہے، اگر اعمال ایمان کا جزو ہیں تو ان کے فقدان سے ایمان کا تحقق کیسے؟ (دیکھئے تفسیر بیضاوی، شرح مواہق ص ۱۹، طبع نو کشور اور شرح ص ۱۹۵ حقاہ وغیرہ) یہ حضرات اس کے ہرگز قائل نہیں کہ ثواب و عقاب کا اعمال پر ترتب نہیں؟ یا اعمال کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مومن ہو سکتا ہے؟ یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال ایمان کے اجزاء حقیقتہً نہیں بلکہ اجزاء متعمہ و مکملہ ہیں۔

مولانا میر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس شبہ کا حل بھی نہایت ضروری ہے۔ کہ بعض مصنفین نے سیدنا امام ابو حنیفہؒ کو بھی رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ اہل سنت کے بزرگ امام ہیں اور آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کے تقویٰ اور تورع پر گزری جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، بے شک بعض مصنفین نے، احسان دان پر رحم کر کے، امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفر اور امام حسن بن زیادہ رحمہم اللہ کو رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحبؒ مدوح کے طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے خوب اچھا لایا ہے لیکن حقیقت اس علماء نے اس کا جواب کئی طریق پر دیا ہے الخ (مادح: اہل حدیث ص ۱۶۵)

اور طویل بحث کرنے کے بعد آگے علامہ شہرستانیؒ کی الملل والنحل ج ۱ ص ۱۸۹ کے حوالہ

سے لکھتے ہیں کہ مجھے اپنی زندگی (کے عطا کرنے والے) کی قسم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو مرجہ استثنہ کہا جاتا ہے الخ (تایخ اہل حدیث ص ۵۸)

الغرض امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اکثر اصحاب جس میں معنی میں مرجہ ہیں وہ اہل سنت کے مسلک کے ہرگز ہرگز خلاف نہیں، ہاں صرف لفظی نزاع کے پیش نظر ان کو مرجہ کہا گیا ہے اور اس سے ان کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا، اور نہ اُس کی وجہ سے ان کی دیانت و امانت اور مسلک مجروح ہوتا ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نواب صاحبؒ کی پوری عبارت نقل کر دیں، ممکن ہے اکثر حضرات کو کتاب دلیل الطالب انسانی سے میسر نہ ہو سکے، نواب صاحبؒ لکھتے ہیں:-

سوال: در غنیۃ الطالبین مرجہ را در اصحاب ابی حنیفہ نعمان ذکر کردہ و کذا غنیۃ فی غیرہ وجہ آن چیست؟ جواب: بد شاہ دلی اللہ محدث دہلوی در تفسیسات توشہ اند کہ ارجاء دوگونہ است یکی ارجاء است کہ قائل را از سنت بیرون میکند و یکجہ آنست کہ از سنت بیرون نمیکند لاول آنست کہ معتقد آن باشد کہ ہر کہ اقرار بجان تصدیق بجماع کرد، صحیحیت اور امضہ نیست اصلاً دیگر آنکہ اعتقاد کند کہ عمل از ایمان نیست و لیکن ثواب و عذاب بران مترتب است و سبب فرق میاں ہر دو آنست کہ صحابہ و تابعین اجماع کردہ اند بر تخطیہ مرجہ و گفتہ اند کہ بر عمل ثواب و عذاب مترتب می شود پس مخالف ایشان ضال و مبتدع است و در مشکوٰۃ ثانیہ اجماع سلف ظاہر نشدہ بلکہ دلائل متعارضہ اند بعض آیات و حدیث و اثر دلائل میکنند بر آنکہ ایمان غیر عمل است و این نزاع راجع میشود بسوئے لفظ بجمعت اتفاق ہمہ بر آنکہ عاصی از ایمان خارج نمی شود اگرچہ سختی عذاب است و صرف دلائل و الہ بر آنکہ ایمان عبارت از مجموعہ ایس چیز نا است از ظاہر اش باد فی عنایت ممکن است انتہی و ازیں جا معلوم شد کہ مراد حضرت شیخ از مرجہ بدون اصحاب ابی حنیفہؒ شق ثانی است دلائل علیہ اگرچہ ارجح از روئے نظر و دلائل ہماں مذہب اہل حدیث است کہ ایمان عبارت است از مجموعہ اقرار

و تصدیق و عمل وہ قال القاضي شہد اللہ فی مالوۃ فان دفع الاشکال وصفی مطلع الهدل

وباللہ التوفیق (انتہی بلفظہ) دلیل الطالب^{۱۶۵} ملح شاہجانی بھوپال^{۱۶۹} شکر

نواب صاحب کی اس عبارت سے یہ بات تو بالکل واضح اور صاف ہو گئی کہ جن معنی میں حضرت شیخ صاحب نے اصحاب ابی حنیفہ کو مرجعہ کہا ہے، وہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں ہے ولا غبار علیہ لیکن چونکہ حضرت شاہ صاحب کی پوری عبارت جو انہوں نے تفہیمات میں بیان فرمائی ہے، نقل نہیں کی گئی، اس لیے ادھوری عبارت سے جو نواب صاحب نے نقل کی ہے غنیۃ الطالبین کی عبارت کی پوری عمدہ کثافتیں سنیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت شیخ صاحب نے اصحاب ابی حنیفہ کو مرجعہ کے اس فرقہ میں داخل کرتے ہیں جو باطل فرقوں میں شمار ہوتا ہے جو اعمال کو ایمان کے ساتھ ترتیب نواب و عتاب کے درجہ میں بھی نہیں مانتا تو یہ پیش کو پیش ثانی ان پر کیسے چسپاں ہو سکتی ہے جس میں اعمال پر نواب و عتاب کے ترتیب کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے؟ اس لیے ہماری نزدیک یہی جواب متعین ہے کہ حضرت شیخ صاحب نے ان اصحاب حنیفہ کو مرجعہ کے باطل فرقہ میں شمار نہیں کیا جو مرجعہ السنۃ تھے۔ بلکہ وہ اصحاب اس سے ملو ہیں جو معتزلہ و غنیہ کی طرح فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے باوجود خلاف اہل سنت فرقہ مرجعہ میں تھے اور وہی فرقہ باطلہ ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی تصریح کی ہے (تفہیمات ج ۱ ص ۲۸)

علامہ ذہبی نے حضرت مسیح بن کدام (جن کا سن وفات اور حدیث میں درجہ پہلے لکھا جا چکا ہے، ان پر بھی ارجاء کا اعتراض تھا اور حیرت ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ اور جیسے محدث، فقیہ اور صوفی اسی ارجاء کے الزام میں ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے حالانکہ ایک ہی شہر کوفہ میں دونوں رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۱۵ اور درحقیقت وہ اسی معنی میں مرجعہ تھے جو علامہ شہرستانی کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے مگر غلط فہمی کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کے ترجمہ میں حضرت امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر حضرات کا نام لے کر یہ لکھا ہے کہ ان کو مرجعہ کہنے کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۴) یعنی اس معنی میں ارجاء کی نسبت ان کی طرف باطل ہے جو مرجعہ السنۃ کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ احناف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-
والحنفية هم من اهل السنة
احناف اہل سنت والجماعت سے ہیں۔

(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۳۵ طبع مصر)

اور مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ فرماتے ہیں کہ ”اور مرجئہ السنۃ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو ہوں تو اہل سنت لیکن بحسب لغت ان مسائل کی وجہ سے جو اہل سنت کے نزدیک قابل اعتراض نہیں ان پر ارجاء کا لفظ بولا گیا ہو الخ تابع اہل الحدیث ص ۵۱)

ان گہری تفصیلات اور تشریحات کے باوجود بھی اگر کوئی شخص حنفیوں کو مرجئہ کے ہل فرقہ میں داخل اور شمار کرتا ہے تو مالک یوم الدین ہی قیامت کے دن اس کا فیصلہ کئے گا۔ اور اس وقت حقیقت بے نقاب ہو کر رہے گی۔ چنانچہ مؤلف نتائج التقلید ص ۹۶ میں دل کی بھڑک میں نکالتا ہے کہ حضرت شیخ اپنی تصنیف لطیف غلبۃ الطالبین میں اہل بدعت و گمراہ فرقوں کی تفصیل و فہرست بیان کرتے ہوئے حنفی مذہب کو اہل سنت سے خارج مرجئہ ایسے بدعتی و گمراہ فرقے کی شاخ شمار کرتے و اھ یہ بت تحقیق انیق؟ سبحان اللہ!

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبیؒ (شافعی المذہب و جبلت المعتمد) نے تذکرۃ الحفاظ کے نام سے چار جلدوں میں ایک بہترین اور زرین کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے مستقل عزوات نامہ کے تحت صرف وہی حضرات داخل اور شمار کئے ہیں جو حافظ حدیث تھے ان حضرات میں وہ (ج ۱ ص ۱۵۸ میں) حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی حفاظ حدیث میں شمار اور بیان کرتے ہوئے یوں مرنخی قائم کرتے ہیں۔ ”ابو حنیفہ الامام الاعظم فقیہ العراق الخ طبقات رجال اور ناقد فن روایات کے اس بڑے پہاڑ کی یہ شہادت کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے۔

امام حاکم نے اصول حدیث پر ایک مختصر اور بہترین کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے فن حدیث میں روایت و درایت کی اہم بنیادی شرطوں پر اصولی بحث کی ہے جس کا نام معرفت علوم الحدیث ہے جو قابرہ میں طبع ہوئی ہے اور ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں انہوں نے انچاسویں ذریعہ میں لکھا ہے کہ ۱۔

هذا النوع من هذه العلوم معرفة الامثلة الثقات
یعنی یہ نوع علوم سے تابعین اور تبع تابعین کے ان ائمہ

المشهورين من التابعين واتباعهم ممن
يجمع حديثهم للحفظ وللمذاكرة والتبديل بهم
وبند عدهم من الشرق الى الغرب الى
(ص ۲۴۰)

ثقافت اور مشہورین کی معرفت کے بیان میں ہے جن
کی حدیثیں از شرق تا غرب حفظ و مذاکرہ کے لیے جمع
کی جاتی ہیں۔ اور ان کی ذات اور ذکر سے مشرق سے
مغرب تک تہرک حاصل کیا ہے۔

اور پھر آگے ص ۲۴۵ میں علم حدیث کے ان ائمہ ثقافت اور مشورین میں حضرت امام ابو حنیفہؒ
نعمان بن ثابتؒ کا ذکر بھی کیا ہے۔

حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعیؒ (المتوفی ۹۴۲ھ) اپنی کتاب معقود الحسان میں
میں لکھتے ہیں کہ:-

كان أبو حنيفة من كبار حفاظ الحديث و
أعيانهم ولولا كثرة اعتناهم بالحديث
ما تهتأنا لاستنباط مسائل الفقه الخ
(دکڑاڈ تاخبر ص ۱۵۶) للعلامة الكوثري طبع مصر

امام ابو حنیفہؒ نے حفاظ حدیث اور ان کے فضلاء
میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر وہ حدیث کا بکثرت اہتمام
نہ کرتے تو فقہ کے مسائل میں استنباط کا محکمہ ان کو کہاں
سے حاصل ہوتا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے روایتی اور درایتی کمال و تفقہ پر بحث
کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

واكثر ائمة الحديث والفقه كمالك والشافعي
وإسماعيل وأبو حنيفة وأبو عبيد وغير ذلك
الذين هم في الشورى والليت هؤلاء وكذا لك
لأبي يوسف صاحب أبي حنيفة ولأبي
حنيفة أيضاً ما لم من ذلك ولكن لبعضهم في
الإمامة في الصنفين مائس للتعرف في
بعضهم من صنف المعرفة بإحد الصنفين
مائس في الآخر فرضي الله تعالى عن جميع
أهل العلم والإيمان وتلخيص الاستغناء

اکثر ائمہ حدیث و فقہ جیسے امام مالک، شافعی،
احمد، اسماعیل، بن راہویہ، ابو عبیدہ اور اسی طرح اوزاعی
اور ثوری اور لیث بن سعدیہ حضرات اور اسی طرح
ابو یوسف، صاحب ابی حنیفہ اور خود امام ابو حنیفہؒ
کا بھی اس میں وہی مرتبہ ہے جو ان کے شاگردان میں
ہے لیکن ان میں سے بعض کو دونوں قسم کی امامت
میں وہ مقام حاصل ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہیں ہے
اور بعض کو کسی ایک صنف کی معرفت میں وہ
مقام حاصل ہے کہ جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے

المعروف بالرد على البكري - الله تعالى تمام اہل علم و ایمان سے

راضی ہو۔

(طبع مصر ۱۳۱۰ و ۱۳۱۱)

عز فرمائیے کہ کس طرح حافظ ابن تیمیہ نے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کو ائمہ الحدیث

والفقہ میں شمار کیلئے۔

امام خطیب ولی الدین محمد بن عبد اللہ البرزلی الشافعیؒ (المتوفی بعد ۷۴۰ھ)

لکھتے ہیں کہ :-

امام ابو حنیفہؒ، عالم، غافل، نیک، ازاد، عابد اور
علوم شریعت کے امام تھے۔

فانه كان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً عابداً
اماماً في علوم الشريعة. (اعمال ۲۲۵ صفحہ ۲۲۵)
تصنيف ۲۲۵)

امام ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ :-

اس بات پر ہنس کرنا کہ تم یہ وہم کہنے لگو کہ امام ابو حنیفہؒ
کو فقہ کے بغیر اور کسی علم کی خبر تمام نہ تھی، احاشا! اللہ
امام ابو حنیفہؒ علوم شریعہ، تفسیر حدیث اور علوم
ادبیہ اور قیاسی فنون میں بحر بیکمال اور یلے امام
تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اور ان کے بعض
دشمنوں کا ان کے بارے میں اس کے خلاف کچھ کہنا
اس کا سبب محض حسد اور معاصرانہ چشمکیت اور جھوٹ
اور بہتان کی الزام تراشی ہے۔

احذران تتوهم من ذلك ان ابا حنيفة
لم يكن له خبرة تامة بغير الفقه حاشا لله
كان في العلوم الشرعية من التفسير والحديث
والاثر من العلوم الادبية والفتاوى الحكمية
بحراً لا يجارى واماماً لا يارى وقول بعض
اعدائه فيه خلاف ذلك منشؤه الحسد
حجته الترفع على القرآن وديمهم بالنزوم
والبهتان اهـ (الحديث الحسن ۲۵ طبع مصر)
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

علامہ ذہبیؒ وغیرو نے امام ابو حنیفہؒ کو حافظ حدیث
کے طبقہ میں لکھا ہے اور جس نے ان کے بارے میں یہ خیال
کیا کہ وہ حدیث میں کم شان رکھتے تھے تو اس کا یہ خیال
یا تو قابل پرہیزی ہے یا حسد پر۔

ذكره الذهبي وغيره في طبقات الحفاظ من
المحدثين ومن زعم قلته اعتنا به بالحديث
فهو اما المتساهل او حاسده اهـ
(الحديث الحسن ص ۲۵)

مؤرخ شہیر محقق کبیر زادۃ العصر علامہ ابن خلدون اپنی بے نظیر اور لاجواب کتاب میں حضرت

امام ابو حنیفہ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ ۱۔

ویدل علی ابنہ من کبار المجتہدین فی علم امام ابو حنیفہ کے علم حدیث میں بڑے مجتہدین میں

الحدیث اعتماد مذہبہ بینہم والتعویل سے ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کے مذہب پر رواً

علیہ واعتبار ردۃ او قبولہ ۲۔ و قولہ اعتمدوا اور بھروسہ کیا گیا ہے۔

(مقدمہ ص ۴۴ طبع مصر)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرت امام ابو حنیفہ صرف محدث ہی نہیں

بلکہ بعض اکابر ملت کے بیان کے مطابق من ائمة الحدیث اور بعض کے ذکر کے موافق من ائمة

الثقات المشہورین اور بعض کے تذکرہ کے تحت من حفاظ الحدیث اور بعض کے ارشاد کے

طالع امام لایمازی اور بعض کے قول کے مناسب من کبار المجتہدین فی علم الحدیث

اور بعض کے نزدیک من ائمة الحدیث والفقہ ہیں۔ ان تصریحات کو بھی دیکھ لیجئے اور

غیر مقلدین حضرات کے ظلم صریح اور تعصب مذہبی کو بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ چنانچہ مؤلف نتائج

التقلید شرم و حیا کو لایاتے طاقی رکھ کر لکھتا ہے (اور اس کے جملہ مصدقین حضرات اس کے

افتراد و بہتان اور شہادت زور پر صا د کہہ رہے ہیں) کہ :-

۱۔ کیونکہ یہ قلم امر اور آخری اور قطعی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب کے نام

کے ساتھ محدث یا امام فن حدیث کا لفظ لائے نام بھی کتب تاریخ اسلام و رجال

وطبقات میں موجود نہیں الٰہ (ص ۱۸۹)

یہ ہے غیر مقلدین حضرات کی دیانت اور خاندان ساز میٹنگ جس میں وہ مل جل کر مسئلہ

اور آخری اور قطعی حقیقت کو طے کر رہے ہیں اور کتب تاریخ اسلام اور اسماء الرجال و طبقات

کی ان بالا صریح اور واضح عبارات سے جہالت یا خیانت کی وجہ سے کبوتر کی طرح آنکھیں

بند کر رہے ہیں اور آپس میں کچھ ایسی سازش کر کے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے خلاف

متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اس قبیح گت کی قلعی نہیں کھولے اور نہ

زبان اور قلم سے حق بات کہنے اور لکھنے پر اپنے کو آمادہ پاتا اور ذکر کرتا ہے۔ جناب میں علمی

طور پر تعصب کی اس سے بدترین مثال شاید ہی کوئی اور ہو مگر بایں ہمہ ان کے اہل حدیث ہونے میں کیا مجال ہے کہ کوئی فسق آئے؟ یا ان کو اس پر شرم ہی آتی ہو؟ اور یہ سب کثرتِ عداوت کے نیک بندوں سے عداوت کرنے اور ہوائے فحشانی پر چلنے کا، جب خوفِ خدا اور رضائے الہی ہی مفقود ہو جائے تو پھر ضمیر کس کام کا؟

پانی پانی کہ گئی مجھ کو قلعہ در کی یہ بات
جب جھگکا تو غیب کے آگے نہ تن تیرا نہ من

حضرت امام ابو حنیفہ کی ثقاہت

حاجت تو نہیں کہ ہم ان مندرجہ بالا ٹھوس حوالجات کے ہوتے ہوئے جن میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو من ائمة الحديث، من حفاظ الحديث اور من ائمة الثقات المشہودین وغیرہ سنہری الفاظ کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔ ان کی ثقاہت الگ عرض کریں، مگر چونکہ بعض غیر مقلدین حضرات کے نزدیک از روئے تعصب یہ بھی ایک فزاعی اور اختلافی امر ہے اس لیے ہم اس پر بھی کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت امام علی بن المدینیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وهو ثقة لا بأس به (جامع بیان العلم ج ۲ وہ ثقہ اور لا بأس بہ تھے

۱۴۹ وتعلیق المغنی ج ۱ ص ۱۲۳)

امام ابو زکریا یحییٰ بن معینؒ سے دریافت کیا گیا کہ:-

البُحَیثَةُ كَانَ يَصْدُقُ فِي الْحَدِيثِ؟ قَالَ كَيْفَا اَمَامِ ابُو حَنِيفَةَ حَدِيثٌ مِیْنِ سَجَّحْتُمْ؟ اَنَّهُمْ لَمْ يَنْفَعُ صَدُوقٌ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹) فرمایا کہ ہاں سچے تھے۔

امام احمد بن محمد البغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معینؒ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا:-

فَقَالَ عَدْلٌ ثَقَّةٌ مَأْظَنَةٌ بِمَنْ عَدَلَهُ تُوَانُوهُمْ لَمْ يَنْفَعُوا كَمَا لَمْ يَنْفَعُوا عَدْلُهُمْ جَنْ تَعْمَلُ

ابن المبارک و وکیع۔ (مناقب کردری ج ۱ ص ۱۴۹) امام عبداللہ بن المبارکؒ اور وکیع بن الجراحؒ

کہیں تم ان کے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ:-

امام یحییٰ بن معین سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں ثقہ تھے ثقہ تھے خدا کی قسم ان کی شان اس سے بہت بلند و بالا تھی کہ وہ جھوٹ کہتے۔

یقول یحییٰ بن معین وهو یسأل عن ابی حنیفۃ ثقۃ ہو فی الحدیث فقال نعم ثقۃ ثقۃ کان واللہ اوسع من ان یکذب وهو اجل قدراً من ذالک الخ

(منابہ رفقہ ج ۱ ص ۱۹۲ واللفظ لہ ومنابہ کروری ج ۲ ص ۲۲۰)

امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:-

امام ابو حنیفہؒ ثقہ تھے وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو ان کو ازبر یاد ہوتی تھی اور جو حدیث ان کو یاد نہ ہوتی تھی تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

کان ابو حنیفۃ ثقۃ لایحدث بالحدیث الا ما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ۔

(تاریخ خطیب ج ۱ ص ۲۹۹ طبع مصر۔ و مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نقل کرتے ہیں کہ:-

امام صالح بن محمد اسدیؒ حضرت امام یحییٰ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ تھے۔

وقال صالح بن محمد الاسدی عن ابن معین کان ابو حنیفۃ ثقۃ فی الحدیث (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۵ و مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۱)

امام ابن حجر مکیؒ حضرت یحییٰ بن معینؒ سے یوں نقل کرتے ہیں کہ:-

امام ابو حنیفہؒ ثقہ اور حدیث میں ثقہ اور صدوق اور اللہ تعالیٰ کے دین میں قابل اعتماد اور مومن تھے۔

کان ثقۃ صدوقاً وفافۃ الحدیث ماموناً علی دین اللہ۔ (الحدیث الحسن ص ۱۸)

شیخ الاسلام ابن عبد البر المالکیؒ بطریق امام عبد اللہ بن احمد الدوریؒ (المتوفی ۲۶۶ھ) امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں بغدادیؒ ج ۹ ص ۳۶۲ روایت کرتے ہیں کہ

سئل یحییٰ بن معین وانا اسمع عن ابی امام یحییٰ بن معینؒ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے

حَنِيفَةً فَقَالَ ثَقَّةٌ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا
ضَعْفَهُ هَذَا شُعْبَةُ بْنُ الْحُجَّاجِ يَكْتُبُ
إِلَيْهِ أَنْ يَحْدِثَ وَيَأْمُرَهُ وَشُعْبَةُ شُعْبَةُ
(الاستقاء ص ۱۲ طبع مصر والجواهر ص ۲۹)
میں سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا تو انہوں نے فرمایا
کہ وہ ثقہ تھے میں نے کسی سے نہیں سنا کہ کسی ایک
نے بھی ان کی تضعیف کی ہو اور یہ شعبہ بن الحجاج ہیں
جو ان کی طرف لکھ رہے ہیں کہ وہ حدیث بیان کریں
اور ان کو حکم دے رہے ہیں اور شعبہ تو آخر شعبہ ہیں۔

اور امام ابن حجر مکی الشافعی لکھتے ہیں کہ:-

وَسُئِلَ بِحِجْلِي بْنِ مَعِينٍ عَنْهُ هَذَا ثَقَّةٌ مَا
سَمِعْتُ أَحَدًا ضَعْفَهُ
(الخيرات الحسان ص ۲۲)
کہ امام یحییٰ بن معینؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے
میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی سے
ان کی تضعیف نہیں سنی۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکہ پوری لکھتے ہیں کہ امام ابن معینؒ امام شعبہؒ اور امام
سفیان ثوریؒ تمام امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کرتے ہیں۔ (محصلة تحقيق الكلام ص ۱۳)

ناظرین! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام علی بن المدینیؒ، عبد اللہ بن المبارکؒ، وکیع بن الجراحؒ
یحییٰ بن معینؒ، شعبہ بن الحجاجؒ اور سفیان بن سعید ثوریؒ وغیرہ ائمہ حدیث اور ارباب جرح و تعدیل
حضرت امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کرتے ہیں، اور حدیث میں ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معینؒ
کے یہ الفاظ کہ ثقہ فی الحدیث آپ نے دیکھ ہی لیے ہیں بلکہ امام یحییٰ بن معینؒ تو یہ فرماتے ہیں
کہ میں نے کسی ایک شخص سے بھی امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف نہیں سنی۔ حیرت اور تاسف کی بات
ہے کہ امام یحییٰ بن معینؒ کے زمانہ تک تو ان کی تضعیف کرنے والا کوئی ایک شخص بھی نہ ہو مگر غیر
مقلدین کی رائے میں وہ پھر بھی ضعیف ہی قرار پائیں بلکہ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ:-

”امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ثقہ ہیں لیکن نہایت متقی، پرہیزگار، دیانتدار اور ہفت
میں نام ہیں مگر محدثین کے ہاں جس قدر حافظہ کی ضرورت ہے بعض محدثین کے نزدیک
ان کا مقام اس سے نیچے ہے“ (ص ۴۷)

مقام شک ہے کہ مؤلف مذکور نے ثقہ کا معنی مٹا تازہ نہیں کر دیا ورنہ ان کا کوئی کیا بگاڑ لیتا
اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

”اس حدیث کے جملہ راوی سوائے امام ابو حنیفہؒ کے ثقہ ہیں“ (ملفوظ ص ۸۸)

مؤلف خیر الکلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب محدثین کسی کو ثقہ کہتے ہیں تو وہ اس سے ثقاہت فی الحدیث ہی مراد لیا کرتے ہیں نہ کہ پرہیزگار وغیرہ اور ثقہ فی الحدیث کی صریح قید موجود ہے اور بغیر کسی متعنت اور متعصب کے اور کسی نے امام صاحب کو سنی الحفظ نہیں کہا متعصب کی جس طرح کی مبسوط بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

مؤلف نتائج التقلید کا اندھا تعصب ملاحظہ کیجئے کہ علامہ بدر الدین عینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) نے ام یحییٰ بن معینؒ کا یہ قول ماسمعت احداً اضعفہ نقل کیا تھا تو اس کی پیٹھ پا اور خواہش نفسانی کے گھوٹے پر سوار ہو کر یوں لکھتا ہے کہ علامہ عینیؒ نے یحییٰ بن معینؒ پر یہ بالکل غلط اور سرسراہٹان باندھا ہے، ان کا یہ قول صحیح سند سے کتب اسماء الرجال میں نہیں پایا جاتا کیا امام صاحب کی تضعیف میں جو روایتیں بغدادیؒ وغیرہ کے حوالہ سے مؤلف نتائج التقلید نے نقل کی ہیں ان کی اسانید صحیح ہیں؟ کاش وہ اسانید اور روایت پر بحث کرتا تو ہم بھی ان پر کچھ کلام کرتے اور امام صاحب کی توثیق کو راویوں کی توثیق سے عرض کرتے۔ صفحہ ۷۰ زیادہ سے زیادہ تاریخ بغداد مصنفہ امام خطیبؒ اور تذکرۃ الحفاظ میں یحییٰ بن معینؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں لا بأس به، لم یکن یتهم (تذکرۃ الحفاظ) لا بأس به، وکان لا یکذب (تاریخ بغداد خطیب) ہاں صرف ثقہ کا لفظ بھی تاریخ بغداد میں موجود ہے لیکن وہ حدیث میں ثقاہت کے متعلق نہیں بلکہ جھوٹ کے مقابلہ میں ہے الخ (ملفوظ ص ۸)

پھر آگے لکھا ہے کہ :-

”ائمۃ محدثینؒ کی کثیر جماعت سے امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف ثابت ہے جو کتب اسماء الرجال میں مصرح اور نمایاں ہے۔ امام صاحب کی ثقاہت تو صرف جھوٹ کے مقابلہ میں قبول ہو سکتی ہے لیکن فن حدیث میں ان کی ثقاہت ثابت نہیں ہو سکی پس عینیؒ نے ماسمعت احداً اضعفہ کے الفاظ جو یحییٰ بن معینؒ کی طرف منسوب کیے ہیں یہ علامہ عینیؒ کا یحییٰ بن معینؒ پر سرسراہٹ افراہ اور جھوٹا بہتان ہے جو تعصب کی ایجاد ہے (اعاذنا اللہ اعاذنا اللہ) نتائج التقلید ص ۱۸

آپ غور سے دیکھئے اور فرمائیے کہ غلط افتراء پر دوازہ جھوٹا مہبتان تراش اور مقتصد کون ہے؟ آیا علامہ عینیؒ ہیں یا ثوقت نتائج التعلیق اور اس کے جلد مصدقین حضرات! اور کیا امام یحییٰ بن معینؒ کا یہ قول علامہ عینیؒ نے اپنی طرف تراش ہے یا شیخ الاسلام ابن عبد البرؒ وغیرہ کی کتابوں میں بھی نمایاں اور مصرح طعن پر یہ موجود ہے؟

اور آپ باحوالہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ثقہ فی الحدیث کے نمایاں اور مصرح الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ نہ تو مطلقاً ثقہ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں اور نہ جھوٹ کے مقابلہ میں ثقاہت اس سے مراد ہے۔ یہ صرف غیر مقلدین حضرات کے سواد مزاج کا کرشمہ ہے کہ وہ ان کی مسئلہ ثقاہت اور عدالت کو جھوٹ کے مقابلے میں ثقاہت پر حملہ کر کے اپنے دل ماؤف کے لیے تسکین کا سامان مہیا کرتے ہیں مگر آخر تاب کے۔

آمار سحر کے پیدا ہیں اب رات کلباؤ ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیا نک ہاتھوں سے تنویر کا دامن جھوٹ چکا

حدیث میں احتیاط

روایت اور حدیث کے بارے میں جس قدر احتیاط کی ضرورت ہے وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وجہ اول میں متواتر حدیث من کذب علی متعذراً الحدیث کے الفاظ سے آئی ہے، اس لیے محدثین کرامؒ اس سلسلہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں تاکہ کوئی غلط قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے روایت حدیث کے بارے میں بڑے حزم و احتیاط سے کام لیا ہے۔ چنانچہ امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ :-

انہ سئل عن الرجل یجد الحدیث یخطئہ لا یحفظہ فقال ابوزکریا کان ابو حنیفۃ یقول لا یحدث الا بما یعرف ویحفظ۔
ان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے خطا سے لکھی ہوئی حدیث پائے لیکن وہ اُسے یاد نہیں تو وہ کیا کرے، امام ابوزکریا یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ تو فرماتے تھے کہ وہ اس کو بیان کرنے

(کنزہ ص ۲۳ طبع حیدر آباد دکن)

کا مجاز نہیں ہے وہ صرف وہی حدیث بیان کر سکتا ہے جو اسے یاد ہو۔

امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام سفیان ثوری سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ
 عن ابی حنیفۃ شدید الیخذ للعلم ذابا
 من حرم اللہ ان تستحل یلخذ بما صعب من العمل
 لئلا کان یعملها الثقات و بالآخر من فعل
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبما ادرک علیہ
 علماء الکوفۃ ثم شنع علیہ قوم یغفر اللہ لنا
 ولہم -

امام ابو حنیفہ علم کے حاصل کرنے میں بڑے سخت محتاط اور حدودِ الہی کی بے حرمتی پر بھید و نفرت کرنے والے تھے اور وہ صرف وہی حدیث سیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو وہ لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماء کو مذکور و عامل پایا ہوتا تھا مگر پھر بھی ایک قوم نے (بلا وجہ) ان پر طعن کیا ہے اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی مغفرت کرے۔

اس سے جہاں امام سفیان ثوری کی زبان سے امام صاحب کا مخاطب فی الحدیث ہونا ثابت ہوتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب پر طعن و تشنیع کو وہ گنا سمجھتے تھے بھی تو یغفر اللہ لنا ولہم سے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔
 امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ :-

عن ابی حنیفۃ اند قال لا یعمل للمجل ان
 یروی الحدیث الا اذا سمعہ من فم الحدیث
 فی حفظہ ثم یحدث بہ۔

امام ابو حنیفہ نے یہ فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی حدیث بیان کرے تا وقتیکہ محدث سے بالمشافروہ حدیث نہ سنے اور پھر وہ اسے اُس وقت تک یاد ہے جس وقت کہ وہ اس کو بیان کئے۔

(مدخل فی اصول الحدیث ص ۱۵)
 امام ابو یوسف کا یہ مضمون الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ حافظ قرشی نے بھی نقل کیا ہے۔
 (ملاحظہ ہو الجوامع المضمیۃ ج ۱ ص ۲۵)

مشہور محدث امام علی بن الجعد (المتوفی ۲۳۰ھ) جو الحافظ الثبت المسند اور شیخ بغداد

تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۳۶۱) فرماتے ہیں کہ :-

ابو حنیفۃ اذا جلد بالحديث جاء به
مثل المدّر (جامع المسانید ج ۲ ص ۳۶۲)
امام ابو حنیفہ جب حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ موتی کی
طرح چمکدار ہوتی ہے۔

امام وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۷ھ) جو الامام، المحافظ الثبت اور محدث العراق
تھے۔ تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲) فرماتے ہیں کہ :-

لقد وجد الورع عن ابي حنيفة في الحديث
ماله يوجد عن غيره (مناقب امام محمد بن اسحاق ج ۱ ص ۱۹)
بلاشبہ امام ابو حنیفہ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے
جو اور کسی سے ایسی احتیاط نہیں پائی گئی۔

علامہ القرطبی نے امام صاحب روایت حدیث کی ایک کڑی شرط یہ بھی نقل کی ہے کہ :-
شرط جواز رواية الحديث عند ابي حنيفة
رضی اللہ عنہ ان الراوی لعینس الحديث
من حين حفظه الى وقت الرواية -
امام ابو حنیفہ کے نزدیک روایت حدیث کے
جائز ہونے کی یہ شرط ہے کہ راوی نے جب حدیث
یا دہ کی ہو اس وقت تک درمیان میں اسے روایت
بھولی نہ ہو۔ (الجواهر ج ۱ ص ۳۹)

اور یہی مضمون امام ابن حجر مکیؒ نے تھوڑے بہت تغیر الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو الخیرات الحان ص ۶۰ طبع مصر)

امام عبد الوہاب شمرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) جن کے بارے میں مولانا میر سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں
کہ آپ شافعی تھے لیکن بہت متأدب تھے۔ حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۵) امام ابو حنیفہؒ کی
ایک اور شرط بھی لکھتے ہیں کہ :-

وقد كان الامام ابو حنيفة يشترط في
الحديث المنقول عن رسول الله ﷺ
قبل العلل به ان يرويه عن ذلك المعالي
جميع ائقياء عن مثله وهكذا
(میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۳۳ - طبع مصر)
جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو
اس میں امام ابو حنیفہؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ عمل سے
پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راوی حدیث سے
صحابی تک پر ہیز گاروں کی ایک خاص جماعت
نقل کرتی ہو پھر وہ قابل عمل ہوگی۔

امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) تشدید روایت کے بارے میں حضرت امام

ابو حنیفہؒ کا مذہب اور رائے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ولهذا المذهب شديد وقد استقر العمل
عليه خلافاً لفعل الرواة في التصحيحين
أولئك المذاهب التي لا يبلغون النصف
أولئك المذاهب التي لا يبلغون النصف
اور یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار
پایا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ بخاری اور مسلم کے
ان روایات کی تعداد جو شرط مذکور پر پورے اُترتے
ہوں نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو۔ (تدوین الراوی ص ۱۶)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی شرط امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں
سے بھی زیادہ کڑی ہے۔ اگرچہ جمہور محدثینؒ اس شرط میں امام موصوفؒ کا ساتھ نہیں دیتے مگر
جو کہ علم حدیث میں بھی وہ کبار مجتہدین میں تھے اس لیے دیا نہ اپنے اجتہاد کے پیش نظر
انہوں نے یہ شرط لگائی ہے اور اس شرط لگانے میں ان پر کوئی طعن نہیں ہو سکتا جس طرح کہ
حضرت امام بخاریؒ نے امکان لقاہ کو درغور اعتقاد نہیں سمجھا بلکہ حقیقت لقاہ کی شرط لگائی
ہے، اگرچہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہوئی ہو تاکہ تدلیس و غش نہ کا شبہ باقی نہ رہے مگر جمہور محدثینؒ نے
جہاں خصوصیت کے ساتھ امام مسلمؒ پیش پیش ہیں، ان کی خوب تردید کی ہے (دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم
وغیرہ) اور جمہور نے ان کا ساتھ بالکل نہیں دیا۔ اور جیسا کہ امام بخاریؒ اور امام ابن العربیؒ حسن حدیث پر
عمل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں۔ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ :-
والحق ما قاله الجمهور (نسيل الوطار حق جمهور کے ساتھ ہے۔

ج ۱ ص ۲۲ طبع مصر)

اہل علم جانتے ہی ہیں کہ عمل کے لیے صرف حدیث صحیح پر دار و مدار رکھنے سے حسن قسم
کی تمام حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے، اور کتنی ہی حدیثیں ہیں جو حسن میں۔ امام عجمیؒ مشہور محدث
حماد بن سلمہؒ (المتوفی ۱۶۷ھ) جو الامام الحافظ اور شیخ الاسلام تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۹،
کے باب میں فرماتے ہیں کہ :-

ثقة رجل صالح حسن الحديث فقال ان
عنده الف حديث حسن ليس عند غيره
وكان له تذييل التذويب جلد ۲ ص ۱۵۱
وہ ثقہ مرد صالح اور حسن الحدیث ہیں اور نہ دیکھا کہ
ان کے پاس ایک ہزار حدیث حسن ہے جو اور کسی
کے پاس نہیں ہے۔

اندازہ فرمائیے کہ جب ایک محدث کے پاس ایک ہزار حسن حدیث ہے تو اوروں کے پاس کتنی حسن حدیثیں ہوں گی۔ تو کیا اب یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے اور اس پر کتا میں اور سارے لکھنے شروع کر دینے چاہئیں کہ حضرت امام بخاریؒ کم از کم ایک ہزار حدیث کے مستحکم ہیں؟ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں؟ وغیرہ وغیرہ حاشا۔ وکلا کہ کسی اہل علم کے دل میں یہ وہم بھی گزرتا ہو۔ وہ یہی سمجھے گا اور سمجھتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ "فنی حدیث" کے مجتہد ہیں، انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق جو شرطیں قبولیت روایت اور جواز عمل کے لیے لگائی ہیں، ان میں نہ صرف وہ معذور بلکہ ماجر بھی ہیں۔ اسی طرح اگر امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اجتہاد کے پیش نظر قبولیت روایت کے لیے کچھ شرطیں عائد کی ہیں اور جن لمعات میں ان کے خیال کے مطابق وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں تو انہوں نے ان کو نہیں لیا، بتائیے کہ ان کے اس ترک کی وجہ سے بھلا وہ کیونکر تارک حدیث یا مخالف حدیث قرار دیے جائیں گے کون عقلمند اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ جمہور ان کی عائد کردہ شرطوں میں ان کے ساتھ مناقشہ کر سکتے ہیں اور ان کی بات کو دلائل کے ساتھ رد کر سکتے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ کی حقیقت بقا اور عدم جواز العمل بالحدیث الحسن کی رائے کو چھوڑنے کو کیا ہے مگر ان کو دشمن اسلام اور مخالف حدیث وغیرہ کے القاب سے بھی تو کسی بھلے مانس نے موصوم نہیں کیا لیکن جب باری آتی ہے امام ابو حنیفہؒ کی اور ان کے اصحاب کی تو پھر حسن ظنی کے تمام دروازے بند کر لیے جاتے ہیں۔ حیرانگی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے مولانا مبارکپوری صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:-

"حدیث کی (قیود و شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید، پابندی اور احتیاط امام ابو حنیفہؒ نے کی ہے اور کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا" (تحفۃ الخوفا ج ۲ ص ۱۵۱)

اس سے بڑھ کر امام ابو حنیفہؒ کا علم حدیث و روایت میں حزم و احتیاط کا اور کیا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے؟ مگر نہ ملنے والوں کے لیے دفتر کے دفتر بے سود ہیں اور تسلیم کرنے والوں

کے لیے ایک صحیح بات بھی کافی ہے۔

تشنہ کا مان حقیقت کی تسلی کے لیے
گر نہیں بھر رواں اک قطرِ شبنم ہے بس

احترام حدیث و حُبِّ محمدؐ

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اور محدثین کرام کے ساتھ محبت کرنا ایک کھلی حقیقت ہے، اور بغیر کسی معاذ کے اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ امام نصر بن محمد مروزیؒ (المتوفی ۱۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

لما رَجَلَا الزَّمَّ لِلدَّشْرَمَنِ ابْنِ حَنِيفَةَ
میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی اور شخص حدیث پر
جمع ہلنے والا اور ڈٹ ہلنے والا نہیں دیکھا

امام الحسن بن صالح بن حمیؒ (المتوفی ۱۶۷ھ) جو الامام، القدوة الفقیہ اور العابد تھے امام ابوہاشم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ اور متقن تھے۔ (ج۱ تذکرہ ص ۲۱) فرماتے ہیں کہ:

كَانَ التَّعَانُ بْنُ ثَابِتٍ فُهْمَا عَالِمًا مُتَّبِعًا فِي
ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ فہیم، عالم اور علم میں محترم تھے۔
عَلِمَهُ إِذَا صَدَّ عَنْهُ الْخَبَرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
جب ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعِدْهُ إِلَى غَيْرِهِ -
صحیح ثابت ہوتی تو اس سے غیر کی طرف وہ تجاوز
رِوَايَتُهُ مَعْدُومَةٌ (۱۵۴ھ) نہ کرتے تھے۔

حضرت امام محمد بن حنفیؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) سے منقول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کسی مسئلہ میں ایک شخص سے بحث کر رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں:-

فَسَكَتَ أَبُو حَنِيفَةَ فَتَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ
امام ابوحنیفہ خاموش ہو گئے، ان کے بعض اصحاب نے
الْوَجْهِيَّةُ يَا أَبَا حَنِيفَةَ فَتَالَ بِمَا احْبَبْتَهُ
کہا اے ابوحنیفہؒ آپ اس کو کیوں جواب نہیں دیتے؟
هُوَ يَحْدِثُنِي بِهَذَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
انہوں نے فرمایا کہ وہ تو مجھ سے جناب رسول اللہ صلی
وَسَلَّمَ (شرح عقيدة الطحاوية ص ۲۸)
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہے میں اس
طبع مکہ مکرمہ) کو کیا جواب دوں؟

اس واقعہ کو مولانا امیر صاحب سیالکوٹیؒ بھی نقل کرتے ہیں اور آگے ارشاد فرماتے

ہیں کہ :-

”امام طحاویؒ کے اس حوالہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی تعظیم کرتے تھے، اس کے سنے کس طرح گزرنے جھکنا دیتے تھے۔“ الخ (تاریخ اہل حدیث ص ۷)

علامہ غلیبؒ اور صدر الائمہؒ اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ بغداد کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتے تھے اور اس سے ساز و سامان خرید کر کوفہ لاتے تھے اور اس سے جو کچھ بھی سالانہ لفع ہوتا تھا۔

فیشتری بہا حوائج الشیخ من المحدثین سو اس سے وہ اشیعین محدثین کی ضرورت کی چیزیں ان
واقواتہم وکسوتہم وجميع حوائجہم۔ کی خوراک لباس اور تمام ضرورت کی چیزیں خرید کر ان
کر دے دیتے تھے۔

اور اس کے علاوہ نقد رقم بھی ان کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم ان رقم کو اپنی حاجات میں صرف کرو اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثناء بیان کرو کیونکہ میں نے اپنی طرف سے تمہیں کچھ نہیں دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس کو میں تمہیں دے کر سکدوش ہوا ہوں۔“

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۱۲ و مناقب موفی ج ۱ ص ۲۶۲)

اور امام صدر الائمہؒ مکیؒ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ :-

وما کان یبدع ابداً من المحدثین الا بئہ امام ابوحنیفہؒ محدثین میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ
بذل واسعاً (من مناقب موفی ج ۱ ص ۲۶۲ طبع حیدرآباد دکن) چھوڑتے تھے جس کے ساتھ وسیع پیمانے میں عطیہ
اور حُرّ سلوک سے نہ پیش آتے۔

ان اقتباسات سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حدیث اور محدثین سے والہانہ عشق و محبت اور فریفتگی بالکل عیاں اور آشکارا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ :-

طریق عشق میں ہم یوں سنبھل سنبھل کے چلے
کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

قلبِ حدیث کا الزام

آپ نے گزشتہ اقتباس سے یہ تو اندازہ کر ہی لیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا علم حدیث اور فنِ روایت میں کیا رتبہ اور مقام ہے؟ اور محدثین کرامؒ نے ان کے بارے میں اس فن کے سلسلہ میں کیا کیا تحریفی اور توصیفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں؟ مگر انتہائی حیرت اور بے حد حسرت کی بات ہے کہ بایں ہمہ حضرت موصوفؒ پر قدیم و حدیثاً جو الزامات تراشے اور تھوپے گئے ہیں ان میں ایک ان کے قلیل الحدیث ہونے کا بھی ہے حتیٰ کہ ان کو یتیم فی الحدیث کے لقب بلکہ تیرسے بھی زخمی کیا گیا ہے اور یہاں تک ان کی ناکہ بندی کے متعصبانہ منصوبے تیار کئے گئے کہ یہ بھی کہا گیا کہ ان کو تو صرف سترہ حدیثیں معلوم تھیں اور اس کے اثبات کیلئے ان لوگوں نے مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدونؒ کے ایک نامکمل حوالہ کے دامن میں پناہ ڈھونڈی ہے جس کو وہ خود بھی یقال کے ساتھ نقل کر کے اس کی تضعیف و تمویض بیان کر رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کا مکمل حوالہ عرض کر دیں تاکہ سلیم القلب اور منصف مزاج حضرات اصل حقیقت کو دیکھ لیں۔

علامہ موصوفؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

واعلم ایضا ان الأئمة المجتهدين تفاوتوا
في الأكتار من هذه الصناعة والو قلال
فابو حنیفة رضي الله تعالى عنه يقال بلغته
الى سبعة عشر حديثا ونحوها ومالك رضي الله
تعالى انما صمعه عنده ما في كتاب الموطأ وغايتهما
ثلاث مائة حديث ونحوها واحمد بن
حنبل رحمه الله تعالى في مسنده خمسون
الف حديث ولعل ما اراه اليه اجتاده
في ذلك وقد تقول بعض المبعضين
المتعصبين الى ان منهم من كان قليل

اور تو یہ بھی جان لے کہ ائمہ مجتہدین حدیث کے فن
میں متفاوت ہے ہیں کسی نے زیادہ حدیثیں بیان
کی ہیں اور کسی نے کم، سو امام ابو حنیفہؒ رضی اللہ تعالیٰ
عنه کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی روایتیں صرف
سترہ یا ان کے گنگ بھگ ہیں اور امام مالکؒ رحمہ اللہ
سے جو روایتیں ان کے ہاں صحیح ہیں وہ وہی ہیں
جو مؤطا میں موجود ہیں جن کی تعداد تین سو کے گنگ بھگ
ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ رحمہ اللہ کے مسند میں
پچاس ہزار حدیثیں ہیں اور ہر ایک سائے اپنے اپنے
اجتہاد کے مطابق اس میں سعی کی ہے اور بعض بعض

البضاعة في الحديث قل هذا اقلت رواية
فلا سبيل الى هذا المعتقد في كبار الائمة
(مقدم ابن خلدون ص ۳۳۳ طبع مصر)

امد کجوری اختیار کرنے والوں نے اس جھوٹ پر مگر بائد
لی ہے کہ ان ائمہ مجتہدین میں سے جن سے کم حدیثیں
مروی ہیں وہ محض اس لیے کہ ان کا سرمایہ ہی اس
فن میں اتنا ہے، لہذا ان کی روایتیں بھی کم ہیں
حالانکہ ان بڑے بڑے اماموں کی نسبت ایسا
خیال کرنا ناواقف و راست دور ہے۔

غور فرمائیے کہ علامہ ابن خلدون کیا کہہ گئے ہیں؟ اور کس طرح ان مبغضین اور متعصبین کے
تقول اور جھوٹ کا پول کھول دیا ہے، اور کس طرح ان کے زعم باطل اور ائمہ مجتہدین کے بارے
میں غلط روی کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں کہ ان اکابر ائمہ کے بارے میں
قلیل البضاعة في الحديث کا نظریہ ہی سرے سے باطل ہے اور ایسا بے بنیاد نظریہ
جو ان کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے وہ لقول اور جھوٹ ہے۔
الحافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی فرماتے ہیں کہ:-

وانما قلَّت الرواية عنه وان كان متبع
المحفظ لا اشتغاله بالاستنباط وكذا الث
لعمير وعن مالك والشافعي والقليل
بالنسبة الى ما سمعاه
امام ابو حنيفة سے باوجود وسیع المحفظ اور حافظ
حدیث ہونے کے روایتیں اس لیے کم مروی ہیں
کہ وہ استنباط مسائل میں مشغول رہتے تھے جیسا کہ امام
مالک اور امام شافعی سے ان کی سنی ہونی حدیثوں
کی نسبت ان کی روایتیں کم ہیں۔

پھر اس بات کو مثال کے کر یوں واضح اور آشکارا کرتے ہیں کہ:-

كما قلَّت رواية امثال ابى بكر وعمر بن
كبار الصحابة رضى الله تعالى عنهم بالنسبة
الى كثرة اطلاعهم وقد كثرت رواية
من دونهم بالنسبة اليهم اه
جس طرح حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے اکابر
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایتیں ان کے
علم اور اطلاع کی نسبت کم ہیں حالانکہ ان سے کم
مرتبہ کے صحابہؓ کی روایتیں ان سے بدرجہا
زیادہ ہیں۔
(محمود البان باب ۲۳ بحوالہ تالیف ۱۵۶ طبع مصر)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ۹۰ھ میں سفر حج کے علاوہ اور کوئی قابلِ قدر موقع اور سفر ایسا نظر نہیں آتا جس میں حضرت ابو بکرؓ جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے کہیں الگ اور جدا رہے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ کر حدیثیں اور کس کو معلوم تھیں؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی وکان البوکر اعلمنا (متفق علیہ شکوۃ ج ۲ ص ۵۴) کہتے پر مجبور ہیں مگر بایں ہمہ ان سے جو روایتیں مروی ہیں، ان کی تعداد بہت کم ہے اور اس کے برعکس حضرت ابو ہریرہؓ (بالافتقار ۸۰ھ) میں مُلمان ہوئے ہیں مگر وہ ۴۰، ۵۳ روایتیں کرتے ہیں اور اسی طرح حضرت عمرؓ سے بھی بہ نسبت حضرت ابو ہریرہؓ حضرت انسؓ حضرت ابوسعیدؓ الخدریؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت کم حدیثیں مروی ہیں تو کیا اب یہ کہہ دینا چاہیے کہ یہ حضرات صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ بڑے محدث اور حدیث دان تھے؟ کوئی بھی مُلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی اگر روایتیں کم مروی ہیں تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ قرنِ حدیث میں کم مایہ تھے بلکہ وہ باوجود حافظِ حدیث ہونے کے متنباطِ مسائل میں مصروف رہے، اس لیے روایتیں ان کی کم ہیں جس طرح کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی باوجود محدثِ کامل ہونے کے روایتیں کم ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کے پاس بضاعتِ حدیث ہی اس قدر ہے۔ حاشا وکلاً کہ کوئی مُلمان اس کا دم بھی کر سکتا ہو اور ہم نے پہلے یہ بھی عرض کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی اعلیٰ کتابوں میں ستر ہزار سے اوپر حدیثیں موجود ہیں اور کتاب الآثار انہوں نے چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کی ہے۔ پھر ان پر قلتِ حدیث کا الزام کس طرح عائد کیا جاسکتا ہے؟

مقامِ افسوس ہے کہ حقیقتِ الفحہ حصہ سوم ص ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بے شک ایک مُسلم اور محتاط، ذکی الفہم عابد زاہد متقی، پرہیزگار تھے لیکن علمِ حدیث میں کہ جس پر بیشتر ماردینِ کلمہ، ائمہ ثلاثہ یا دیگر خواص علماء اہل سنت سے کمتر پایہ رکھتے ہیں اور آپ زیادہ تر اقوالِ شیوخِ خود سے مسائل استنباط کرتے تھے اسی وجہ سے امام اہل الرای کے مشورے نہ اہم حدیث کے: (انتہی لفظہم) سبحان اللہ! ع

بریں عقل و دانش بیاید گریست

غلطی کا سبب

اصل بات یہ ہے کہ جن اکابر محدثین نے روایت کے بارے میں کڑی شرطیں لگائی ہیں ان کی حدیثیں بہ نسبت ان حضرات کے جنہوں نے سہل انگاری سے کام لیا ہے کم ہی رہی ہیں یہ ایک کھلی ہوئی اور واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جو شرطیں احادیث کو صحیحین میں درج کرنے کے لیے لگائی ہیں وہ خود انہوں نے دوسری کتابوں کے لیے اور اسی طرح دیگر محدثین نے وہ شرطیں عامہ نہیں کیں بنا بریں صحیحین کے علاوہ روایت حدیث کا یہ دائرہ وسیع ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ آپ اگر کتاب مستدرک حاکمؒ ہی دیکھ لیں جو امام حاکمؒ نے بزرگم خویش حضرت شیخینؒ کی شرطوں پر لکھی ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں انہوں نے بعض نرمی موضوع اور جلی روایتوں کو بھی علی شرط الشیخین صحیح کہہ دیا ہے۔ محدثین جزیلے خیر مے علامہ ذہبیؒ کو جنہوں نے ان کا تعاقب کر کے علماء کو صحیح راستہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ امام بیہقیؒ، علامہ خطیب بغدادیؒ، حافظ دارقطنیؒ اور اسی طرح اور محدثین کی کتابیں دیکھیں تو اہم نشر ہو کر یہ حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی کہ نرم شرطوں کے بعد روایت کا دائرہ کتنا وسیع ہو گیا ہے۔ حجة الله البالغة اور عجالة نافعة وغیرہ میں اسکی محقق بحث ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اگر آپ متاخرین میں خطیب قطلانیؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ کی کتابیں دیکھیں اور حدیث کے ساتھ کچھ مسئلے بھی ہو تو حیرت کے مارے انگشت ہنذاں رہ جائیں گے کہ کیسی کیسی باطل اور من گھڑت حدیثوں کی انہوں نے تصحیح اور تحجیم کر ڈالی ہے۔ اور امام سیوطیؒ تو بعض بعض احادیث کے بارے میں ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ اس حدیث کو فلاں اور فلاں محدث اور ان کے علاوہ دیگر محدثین کرامؒ کی ایک کثیر جماعت نے موضوع کہا ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں صرف ضعیف ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کو کہتے ہیں تنکول کاہل اور بیشتر انہی کی کتابوں سے مبند عین مداری کی پٹاری کی طرح مفید مطلب جو عقیدہ اور عمل چاہتے ہیں، نکال لیتے ہیں اور حوالہ پر حوالہ دیتے پتلے جاتے ہیں اور عوام الناس موٹی موٹی کتب ازں اور بیان کنندگان کے جہوں اور گنبد نما عاموں کو دیکھ کر مغالطہ کھا جاتے ہیں اور اہل حق سے بزرگ پکار نظر آتے ہیں۔ بعض دفعہ تو ایذا رسانی کے درپے بھی ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات

ایسا کر بھی چکے ہیں کیونکہ ۷

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں ہے

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں جیسا کہ بعض کم ظرف لوگوں نے سمجھا ہے کہ ان کتابوں میں
سرے سے کوئی روایت ہی صحیح نہیں ہے، یہ دعویٰ بھی یقیناً اور قطعاً باطل ہے، ان کتابوں
میں ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو اصول کے خلاف نہیں۔ ان کی اسانید صحیح ہیں اور محدثین کرام
نے ان کو صحیح کہا ہے اور ائمہ کا ان پر اعتماد اور عمل ہے۔ ہاں ان کتب کی سب احادیث
کی صحت کا دعویٰ باطل ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ امکانِ نقاد پر اکتفا نہیں فرماتے
اور اسی طرح حدیث حسن کو معمول بہ قرار نہیں دیتے اس لحاظ سے ان کا دائرہ تنگ ہے گاہ
ان امور میں ان سے اختلاف رائے رکھنے والے حضرات کا نطق وسیع ہو گا اور اسی قدر
ان کی روایتیں بھی زیادہ ہوں گی۔ چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی روایتِ حدیث کے لیے
نہایت ہی سخت کڑی شرطیں لگائی ہیں، اس لیے قدرتی طور پر ان کی روایتیں بہ نسبت ان حضرات
کے کم ہوں گی جو یہ شرطیں عائد نہیں کرتے اور اس اعتبار سے امام ابو حنیفہؒ کو قلیل الروایہ کہا
جائے گا کہ ان کی روایتیں کڑی شرطیں نہ لگانے والوں کی نسبت سے کم ہیں نہ یہ کہ وہ فی نفسہ
فنِ روایت میں کم مایہ اور قلیل البضاعت ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو علامہ ابن خلدونؒ ہی سے
سن لیجئے وہ فرماتے ہیں کہ :-

والامام ابو حنیفۃ انتہا قلت روایۃ لما
شدة فی شروط الترویۃ والتحمل ومنعت
روایۃ الحدیث یقینی اذا عارضها الفعل
التفسی وقلت من اجلها روایۃ
فقل حدیثہ لا لانه تذلک روایۃ الحدیث
متعمداً لحاشاہ من ذالک ویدل

اور امام ابو حنیفہؒ کی روایتیں اس لیے کم ہیں کہ انہوں نے
روایت اور اس کے تحمل میں بڑی کڑی شرطیں لگائی ہیں
اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث یقینی کی روایت جب کہ
اس کے معارض میں فعلِ نفسی واقع ہو ضعیف ہو جاتی
ہے اور اس وجہ سے ان کی روایت اور حدیث میں
کمی واقع ہوئی ہے نہ اس لیے کہ انہوں نے جان بوجھ

علیٰ انہ من صبار المجتہدین فی
علم الحدیث اھ
(مقدمہ صفحہ ۴۵)

کہ روایت حدیث کو ترک کر دیا ہے، ان کی ذات
اس سے بہت بلند ہے اور ان کے کبار مجتہدین فی علم
الحدیث ہونے کی یہ دلیل ہے (کہ رواد قبول ان کے مذہب
پر اعتبار کیا گیا ہے)۔

اس سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قلیل الحدیث ہونے کی وجہ صاف طور پر معلوم ہو گئی ہے
کہ باوجود ان کے کبار مجتہدین فی علم الحدیث ہونے کے ان کی روایتیں اس بنا پر کم ہیں کہ ان
کی روایت حدیث کے بارے میں شرطیں بڑی کڑی ہیں نہ اس لیے کہ وہ حدیث کا علم نہیں
رکھتے یا عمدتاً اس کو ترک کرتے ہیں غشاہ عن ذالک۔

منایت تعجب ہے کہ بعض ایسے حضرات جو قلت حدیث کی اس اصطلاح کو نہ
سمجھتے ہوتے امام ابوحنیفہؒ کو سب سے محدثین کرام کے دائرہ ہی سے نکال باہر کرنے کا
ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ جب ایسے ہی الفاظ دیگر اکابر علماء اُمت کی نسبت آتے ہیں تو
وہاں وہ استینین چڑھا کر تاویلات کے تھیلے میں جواب تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور امام
ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تاریخ کے اوراق میں صریح اقوال کو بھی جو موتیوں کی
چمک ہے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

محدث جلیل امام ابو قتادہؒ (المتوفی ۲۴۱ھ جو الحافظ الاوحد تھے، تذکرہ ۲ ص ۱۰، امام
نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ اور مامون تھے، ایضاً ص ۱۰) سے حضرت امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ
امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام ابو عبیدہؒ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ان کی آپس میں علمی طور
پر کیا نسبت ہے؟

فقال اما افہمہم فالشافعی الا انہ قلیل
الحدیث (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۴۵)

تو انہوں نے فرمایا کہ ان تمام حضرات میں زیادہ فہم کے
مالک تھے امام شافعیؒ ہیں مگر میں وہ قلیل الحدیث۔

اس حوالہ کے پیش نظر کیا ہم سچ مچ یہ کہنا شروع کر دیں کہ حضرت امام شافعیؒ حدیث
کے علم میں بے مایہ تھے؟ اور ان کو حدیث کے فن میں مہارت ہی نہ تھی؟ حاشا وکلا ہم
یہی کہیں گے کہ اگرچہ ان سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی طرح بکثرت حدیثیں تو مروی

نہیں اور نہ مسند احمد کی طرح انہوں نے سچاس ہزار حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے چھوڑا ہے بلکہ حدیث کے علم میں متقل طور پر انہوں نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی۔ مسند شافعی احمد کی اپنی تالیف نہیں ہے بلکہ وہ ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم (المتوفی ۳۳۶ھ) جو الامام الثقفہ اور محدث المشرق تھے، تذکرہ ج ۳ ص ۳۷) نے کتاب الام اور مبسوط وغیرہ کتب امام شافعیؒ سے احادیث کا انتخاب کر کے ابوجعفر محمد بن طریش پوریؒ سے لکھوائی (ملاحظہ ہو بیئین المحدثین ص ۲۷ و ۲۸ مطبوعہ مجتبائی دہلی) مگر بایں ہمہ وہ چوٹی کے محدث اور استاد المحدثین ہیں اور اسی طرح امام الجرح والتعديل امام ابوہاشم الرازمی (المتوفی ۳۵۵ھ) جو الحافظ الامام اور علامہ تھے، تذکرہ ج ۲ ص ۱۲) کے اس ارشاد سے بھی ہم متاثر ہو کر ہرگز ہم ان کی شان کو گھٹانے پر آمادہ نہیں کہ:-

كان الشافعي فقيهاً ولم تكن له معرفة امام شافعي فتيه توتے لیکن ان کو حدیث کی معرفت بالحديث (بفتح الحاء بدلہ ص ۱۲ لابن ابی یعلیٰ) نہ تھی۔

اگر حضرت امام شافعیؒ کو حدیث کی معرفت نہ تھی تو اور کس کو تھی؟ اور امام احمد بن عبد اللہ اعلیٰ کا یہ قول بھی ہمارے نزدیک قابل تاویل ہے جو انہوں نے حضرت امام شافعیؒ کے بارے میں فرمایا کہ:-

هو ثقة صاحب رأي وعلم ليس عنده حديث (الديباج للذہبی ص ۲۲ لابن فرحان طبع مصر) پاس حدیث نہ تھی۔ وہ ثقہ، صاحب رائے اور متعلم توتے لیکن ان کے

کیا ہم اس حوالہ کے پیش نظر امام شافعیؒ کو صاحب رائے کہہ کر محدثین کے بد مقابل ٹھکر کر دیں اور اصحاب رائے کی مذمت میں جو احادیث اور اقوال علماء آئے ہیں وہ سب ایک ایک کر کے ان پر چسپاں کر دیں؟ حاشا وکلا کہ یہ وہم بھی ہمارے دل میں گزرتا ہو۔ ہم ان تمام امور کے صحیح محال بیان کر کے سب علماء حق سے عھدیت و محبت رکھتے ہیں اور بدگمانی اور سوظن کو قریب بھی نہیں آنے دیتے اور ان حوالجات سے بڑھ کر شیخ الاسلام ابو عمر بن عبد البرؒ کا ایک حوالہ اور بھی ملاحظہ کر لیجئے:-

وقیل له، والشافعی کان یکذب؟ قال ما
 احب حدیثہ ولا ذکرا۔
 کہ امام بیہقی بن معینؒ سے سوال کیا گیا، کیا امام شافعیؒ
 بھوٹ بولتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نہ تو
 اُن کی حدیث کو پسند کرتا ہوں اور نہ اُن کے
 ذکر کو۔

لیجئے بات کیا نکل آئی کہ حضرت امام شافعیؒ کی حدیث تو رہی درکنار، ان کے نام و ذکر کو بھی
 امام بیہقیؒ بن معینؒ پسند نہیں کرتے۔ یہ کسی معمولی آدمی کی نہیں امام الجراح والتعدیل اور ستید الحفاظ
 کی بات ہے لیکن ہم ایسی باتوں کو پرکھنا کہ حثیت بھی نہیں دیتے، جو کلام القرآن بجمعہم فی
 بغض یا بغض و حسد اور تعصب مذہبی اور بعد زمانہ اور غلط کار لوگوں کے بے جا پروپیگنڈا وغیرہ
 متاثر ہو کر صادر ہوئی ہوں یا کسی بے دین نے وضع کر کے ان کے ذمہ تصویب دی ہوں۔ ہم نے
 یہ حوالجات محض اس لیے پیش کئے ہیں تاکہ غیر معتدین حضرات ان سے عبرت حاصل
 کریں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کے بارے میں اگر کسی کا کوئی قول اور صریح ایسی
 نظر آئے تو انصاف و دیانت کو ملحوظ رکھ کر اس کا کوئی اچھا عمل تلاش کریں اور تعصب مذہبی
 بغض و کینہ اور حسد کی بدولت درگٹھری ہی سر پر نہ اٹھائے پھر اس اور نہ خدام اسلام کو بدنام کرنے کی
 سعی کریں کیونکہ ۔

کوئی حملہ بھی عفوفاں کا ڈبو سکتا نہیں اس کو
 متیا جو نئے ساحل پہ ہر موج رواں کھلے

حضرت امام ابو حنیفہؒ پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا الزام

امام موصوفؒ پر جمال اور بہت سببے بنیاد الزام تراشی اور عائد کئے گئے ہیں وہاں ایک
 یہ سنگین الزام بھی تھوپا گیا ہے کہ اُن سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ حضرت امام
 بخاریؒ نے اپنی سند کے ساتھ اور اسی طرح علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی سند کے ساتھ دونوں
 نے نعیم بن حمادؒ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام سفیان ثوریؒ کو جب امام ابو حنیفہؒ کی
 وفات کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے کہ الحمد للہ کہ وہ مر گیا، وہ تو اسلام کی کڑیوں کا ایک ایک حلقہ
 توڑا تھا۔ اسلام میں اس سے بڑا بد بخت کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ (تاریخ صغیر امام بخاری ص ۱۷۱ طبع الدہ آباد)

و تاریخ بغداد جلد ۳ ص ۳۹۸ طبع مصر

الجواب: نعیم بن حمار پر کتب اسرار الرجال میں اچھی خاصی جرح موجود ہے کہ :-
 کان (نعیم بن حمار) یضع الحدیث فی نعیم بن حمار توفیر سنت کے لیے جعل حدیثیں بنایا
 لقویۃ السنۃ وحکایات مزقۃ فی کرا تھا اور امام ابو حنیفہ کی توہین میں جھوٹی حکایات
 ثلب نعمان کلہا کذب - بنانا کہ پیش کرتا تھا جو سب کی سب جھوٹی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۶۳)

حضرت مولانا امیر صاحب سیالکوٹی نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب
 ترغیب وترہیب اور (سبط ابن العجمی، ابن العجمی، بن النخیل، المتوفی ۵۸۱ھ کی کتاب) نہایت
 السؤل فی رواۃ السنۃ الاصول وغیرہ کے متعدد حوالجات سے نعیم پر کڑی جرح نقل کی ہے اور
 طویل بحث کے بعد فرمایا ہے کہ :-

” خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بنا پر حضرت
 امام ابو حنیفہ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں جن کو حافظ شمس الدین ذہبی جیسے ناقد الرجال
 امام عظیم کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں، حافظ ابن کثیر البدریہ میں آپ کی نہایت تعریف کرتے
 ہیں اور آپ کے حق میں لکھتے ہیں :- احد الانتمۃ الاسلام والسادۃ الاعلام واحد الارکان
 العلماء واحد الانتمۃ الاربعۃ اصحاب المذاهب المتبوعۃ الخ“

(تاریخ اہل حدیث ص ۶۷)

اور حضرت امام بخاریؒ کی تاریخ صغیر کا درجہ اور مقام بتاتے ہوئے مولانا مرحوم لکھتے
 ہیں کہ :-

” اور یہ بھی یاد ہے کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح کی طرح اپنی دیگر کتب میں صحت

کا التزام نہیں کیا الخ“ (تاریخ اہل حدیث ص ۷۷)

ان ٹھوس اور معنی خیز حوالجات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی شخص حضرت امام ابو حنیفہؒ
 کو (معاذ اللہ) دشمن اسلام اور اسلام کی گھنڈی گھنڈی توڑنے والا ثابت کرنے پر بضد ہے
 تو ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں اور نہ ایسے تھکب اور عناد کا دنیا میں کبھی کوئی علاج

ہوا ہی ہے۔ اس کا علاج تو عالمِ آخرت ہی میں ہو سکے گا جس وقت **لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ** یہ بات بھی عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ نعیم بن حمارؓ اہل سنت والجماعت کے مسلک حق کے خلاف قرآن کو حقوق کہتے تھے اور حکومتِ وقت کی بے راہ روی سے وہ بھی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اسی قید اور حبس کے زمانہ کے بارے میں علامہ خلیفہؒ لکھتے ہیں کہ:-

فَخِرَ بِاِقْيَادِهِ فَاَلْقَى فِي حُفْرَةٍ وَلَمْ يَكُنْ
وَلَمْ يَصِلْ عَلَيْهِ فَعِلْ ذَالِكُ بِهِ حَسَبُ
ابن ابی داؤد۔ (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۱۶)

ان کو ہتھکڑیوں کے ساتھ صاحبِ بن ابی داؤد کے حکم سے
کھینچ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، نہ تو ان کو کفن نصیب
ہوا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

اور ہمارے خیال میں یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہی کا نتیجہ تھا کہ نماز جنازہ
میک سے محروم ہے، اللہ تعالیٰ اُن کی لغزشوں سے درگزر فرما کہ اپنی رحمت کے سایہ
میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین!

مشہور غیر مقلد عالم حافظ محمد عبداللہ النان صاحب (المتوفی ۱۳۳۲ھ) وزیر آبادی کے حالات
میں مولانا میر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:-

”آپ امّہ دین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فسفہ فرمایا کرتے تھے کہ
جو شخص امّہ دین اور خصوصاً امام ابو حنیفہؒ کی بے ادبی کرتا ہے اُس کا خاتمہ اچھا
نہیں ہوتا۔“ (مفہم تاریخ اہل حدیث ص ۴۶)

مولوی عبد اللہ صاحب پکڑا لوی جو مشہور غیر مقلد عالم اور جامع مسجد چینیانوالی لاہور کے
خطیب تھے، وہ بعض دیگر امّہ دین اور اولیاء اللہ کی توہین کے علاوہ خصوصاً یہ کہا کرتے تھے
کہ امام ابو حنیفہؒ ان تمام فتنوں کا دروازہ ہے جس کی اندھی تقلید نے عوام کو گمراہ کر دیا ہے مگر اس پر
ایسی رحمت پڑی کہ وہ سب سے علمِ حدیث ہی کا منکر ہو گیا اور اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک جدید مگر
مسلک اور تباہ کن مذہب ایجاد کر گیا۔ غالباً ایسے موقع کے لیے کہنے والے نے کہا ہے کہ سچ

”دلی کے منہ سے جو نکلی تھی بات ہو کے جی“

حضرت مولانا میر سبالکوثیؒ (المتوفی ۱۳۵۵ھ) کا چشم دید واقعہ

کسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میرؒ بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف

کچھ کھنے اور لکھنے کا جنوں سوار ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مولانا مرحوم کے علم و تقویٰ اور بزرگان دین سے حُسنِ عقیدت کی برکت سے انہیں اس بُرائی سے محفوظ رکھا چنانچہ مولانا مرحوم خود لکھتے ہیں کہ :-

”اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لیے کُتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کُتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آگیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سوچ پوری طرح روشن تھا یکایک میرے سامنے گھٹپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت طبعضا فوق بعض کا نظارہ ہو گیا۔ معاذِ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اس سے استغفار کرو میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کیے، وہ اندھیرے فوراً کافر ہو گئے، اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اُس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حُسنِ عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی، اور میں اُن شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حُسنِ عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرینِ معاصیہ قدسیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے اَفْتَأْذُنُ عَلٰی مَا یَنْذِرُ مِنْ نَّبَاِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور ہشامی میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کر نابے سود ہے“

(ملفوظات تاریخ اہل حدیث ص ۱۷)

حضرت امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب سے پرہیز کرنا حکم

بعض حضرات نے اپنی کتابوں میں کچھ ایسے خواب بھی ذکر کئے ہیں جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے طریقہ اور فقہ سے کنا و کشی کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ موقوف نتائج التعلیل نے بھی حضرت مولانا تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) کے چھاپہ والے خواب کا اور اس کی تعبیر کا جواب دینے کے سلسلہ میں بڑے خود الزامی جواب کے نام سے یہ تین خواب

بغدادی کے حوالہ سے نقل کئے ہیں۔

① محمد بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں بھیجا اور یہ سوال کیا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے کلام کو دیکھنا اور اس پر عمل کرنا کیا ہے؟ کیا میں اس پر نظر عمل کر سکتا ہوں؟ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: لا، لا، لا (نہیں، نہیں، نہیں)۔

② سعید بن عبد العزیز کے پاس کسی شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ مسجد کے مشرقی دروازہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ وہاں موجود تھے اور قوم میں میلے کچیلے کپڑوں والا ایک شخص بھی تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم پہچانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ ابو حنیفہؒ ہے جو اپنی عقل سے لوگوں کو فتنہ و فحش پر جری کرتا ہے۔

③ عامر طائی کا بیان ہے کہ میں نے غصب میں دمشق کی سیڑھیوں پر لوگوں کو مجتمع پایا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ایک دو سکر شیخ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ اس شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بدل دیا ہے۔ میں نے پہلوں میں بیٹھ ہوئے رفیق سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت ابوبکرؓ ہیں جو ابو حنیفہؒ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہیں۔ (محصلہ مترجمان تاج العقائد ص ۳۹)

الجواب: یہ پہلا خواب تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۱۳۷ طبع مصر) میں ہے جس کی سند میں محمد بن حماد ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ (المتوفی ۱۳۷۲ھ) فرماتے ہیں کہ :-

محمد بن حماد وضعاء معروف من اصحاب محمد بن حماد شہو وضعاء (جلی حدیثیں بنانے والا) اور مقاتل بن سلیمان المدونی شیخ الجسہۃ ۱۷ مقاتل بن سلیمان المدونی شیخ الجسہۃ کے اصحاب سے تھا۔ (تأیید الخطیب ص ۱۲۱ طبع مصر)

دوسرا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۷ میں ہے۔ علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن عبد العزیزؒ یہ خواب ایک مجہول شخص سے نقل کر رہے ہیں۔ نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ (محصلہ تأیید الخطیب ص ۱۲۶)

اور تیسرا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۷ میں ہے۔ علامہ کوثریؒ ہی فرماتے ہیں کہ اس کی

سند میں ابو الفتح محمد بن المنظر الحیاط ہے جس کو بغیر خطیب کے اور کوئی نہیں جانتا اور نہ خطیب کے بغیر کسی اور نے اس سے روایت کی ہے اور اس کا شیخ صاحب قوت القلوب سالمیہ فرقہ کا آدمی تھا جس کے بارے میں خود خطیب بغدادی ہی یہ فرماتے ہیں کہ صفات خداوندی کے بارے میں اس سے بہت سی ہنر آشیا بھی آئی ہیں، پھر تعجب ہے کہ خطیب بغدادی اس سے نہ اتنا بھی لیتے ہیں (تاریخ ص ۱۳۴)

انصاف سے فرمائیے کہ ایسی ضعیف کمزور اور ناقابل اعتبار اسانید سے حضرت امام ابو حنیفہ کی توہین کیسے ثابت کی جاسکتی ہے اور ان پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ مؤلف نتائج التعلیل کا عوام کو مروج کرنے کے لیے یہ لکھنا کہ تاریخ بغداد وہ بابرکت کتاب ہے کہ جس کے سننے کے لیے خود حضور تشریف لائے، جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ (جلد ۳ ص ۲۱۲) میں لکھا ہے اور ہندوستان میں بھی حامل المتن ترجمہ امام محمدی کے نام سے مشہور ہے، انہی بلفظہ (حاشیہ) بغیر ان کی جہالت کے اظہار کے اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جہالت تو اس لیے کہ تاریخ خطیب بغداد کی چودہ مبسوط جلدیں ہیں اور ان سب کا ترجمہ نہیں ہوا، بلکہ بعض غیر متقدمین کے خاص ایثار و قربانی سے اس کے صرف اسی حصہ کا امام محمدی کے نام سے ترجمہ ہوا ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ کے مثالب اور کچھ برائے نام مناقب پر مشتمل ہے اور اس ترجمہ کا مقصد بھی مخفی نہیں ہے۔ ع۔ اتنی سی بات تھی جسے افشاء کر دیا۔

حیرت ہے کہ مؤلف مذکور کس طرح تاریخ بغداد کے ترجمہ کا مطلق حوالہ دے رہا ہے، لَوْ قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

خواب کا شرعی حکم

اگرچہ جواب کے لیے گزشتہ بالا متعینہ بالکل کافی ہے لیکن ہم اس میں ایک اصولی بات عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی کم فہم کو شبہ باقی نہ رہے۔

حضرت امام محی الدین النووی الشافعیؒ حدیث من ذلنی فی المتام فقد ذلنی کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ خواب میں آپ کا دیکھنا تو صحیح ہے اور اس میں پریشان خیالات اور تبلیس شیطان کا کچھ دخل نہیں ہو سکتا لیکن اس سے کسی حکم شرعی کا

اثبات جائز نہیں کیونکہ نیند کی حالت سُننے والے کے لیے ضبط و تحقیق کی حالت نہیں ہوتی۔ اور محدثین کا اتفاق ہے کہ قبول روایت اور شہادت کی شرط یہ ہے کہ راوی ہیلہ ہو نہ یہ کہ وہ مغفل، سیتی الحفظ، کثیر الخطا، اور مختل الضبط ہو اور سونے والے کی یہ حالت نہیں ہوتی، اس لیے اس کی روایت قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا ضبط مختل ہوتا ہے؟ (شرح مسلحہ ج ۱ ص ۱۵۱)

مولانا مبارکپوری صاحب علامہ عینی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

وکیا وہ حدیث جو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی جائے حجت اور قابل استدلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہلا کہ وہ حجت نہیں کیونکہ حدیث کے قابل استدلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ راوی سماع کے وقت ضابط ہو اور حالت نیند ضبط کی حالت نہیں ہوتی؟ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۲)

اور اپنا فیصلہ یوں لکھتے ہیں کہ ”میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کی (خارجی طور پر) صحت معلوم نہ ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں تصحیح کرنے سے صحیح نہیں ہو سکتی اور اسی طرح کثرت الہام سے بھی وہ صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حکم خواب میں آپ کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتا، ہاں اس کا ثبوت آپ کے حیات و نبوی میں ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں تصحیح حدیث کا دار و مدار اسناد پر ہے؟“ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۳)

۱ اور نواب صدیقی جن خان صاحب فرماتے ہیں کہ :-

”واگرچہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی ست و شیطان بدان متمثل نمیشود و لکن نام از اہل تحمل روایت نیست بنا بر عدم حفظ خود“ ۱ھ

(هدایۃ المسائل الی ادلة المسائل ص ۴۲۳)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ :-

”گوئی جماع اہل شرح است بر آنکہ هیچ حکم از احکام شریعت بواقعات منبت امتیاز ثابت نمی شود“ ۱ھ (فتۃ العینین طبع مجتبیٰ دہلی)

ان تمام اقتباسات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ارشاد سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ نہ اس لیے کہ معاذ اللہ وہاں تلبیس شیطان

کا کچھ اثر اور دخل ہوتا ہے اور نہ اس لیے کہ معاذ اللہ آپ کا ارشاد اور قول حجت نہیں بلکہ محض اس لیے کہ بجا لبت نیند انسان تحمل اور ضبط کے وصف کمال سے محروم ہوتا ہے اور روایت اور سند حدیث کے لیے یہ ایک بنیادی شرط ہے کہ راوی مضابط ہو۔ لہذا اس پر کوئی شرعی حکم مبنی نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اس پر کوئی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، اور اس کے متعلق بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ ع

یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی دید کہیں
حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی تائید میں خواب

اس سابق اصولی بحث کے پیش نظر نہ تو ضرورت ہے نہ حاجت کہ ہم امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی منقبت اور فضیلت خوابوں سے ثابت کریں اس لیے کہ جمہور اُمت کے ہر ایک طبقہ نے ان کی فضیلت کے لیے جو کچھ فرمایا ہے وہ کیا کم ہے؟ اور ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ خواب کے کوئی حکم ثابت ہوتا بھی نہیں اور نہ اس پر کسی شرعی حکم کا وار و مدار ہی ہے لیکن بایں ہمہ باحوالہ چند خواب عرض کرتے ہیں تاکہ غیر مقلدین حضرات یہ بھی معلوم کر لیں کہ جہاں دیکھنے والوں نے اپنی طبعی ساخت اور اُفتاد کے مطابق وہ خواب دیکھے ہیں، اسی طرح اُن کے برعکس اپنی استعداد کے موافق دیکھنے والوں نے اُن کی فضیلت اور فرضیت کے خواب بھی دیکھے ہیں اور خود حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی ایسے خواب دیکھے ہیں جن سے اُن کی جلالہت شان کا اندازہ ہو سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیں :-

○ علامہ خلیفہؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن مہران نے سنا دیا کہ امام ابو حنیفہؒ نے خواب دیکھا جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کو گریدہ ہے، انہوں نے ایک قاصد حضرت محمد بن سیرینؒ کے پاس اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے بھیجا، انہوں نے فرمایا کہ صاحب خواب کون ہے؟ قاصد نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ انہوں نے دریافت کیا مگر وہ خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ سوال کیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ :-

صاحب هذه الرؤيا شير عملاً لا بسبب
یہ خواب دیکھنے والا ایسے علم کی نشر و اشاعت کریگا

الیہ احد قبلہ، قال هشام فظفر ابو حنیفۃؒ جس کو اس سے پہلے کسی نے نشر نہیں کیا ہو گا وہ شام
و تطلقہ۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۵) فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے نظر و فحش کے بعد اس
میں لب کشائی کی۔

اور امام ابن حجر مکیؒ نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ (الخصایلات الحسان ص ۶۴)
اور یہ خواب علامہ ابوسعید عبدالکریم السمعیؒ (المتوفی ۵۶۲ھ جو المحافظ الباریؒ اور العلماہ
تھے تذکرہ ج ۴ ص ۱۰۱) نے بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے کتاب الانساب و دق ۱۹۶)
امام کردریؒ، مولیٰ طاش کبرنی زاوہ الحنفیؒ (المتوفی ۹۶۲ھ) اور امام ابن حجر مکیؒ اسی خواب
میں یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ:-

كانه ينشب قبره عليه السلام ويجمع عظمه یعنی گویا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک
الی صدرہ الی رماقہ کروری ج ۲ ص ۲۲ مفتاح العاقہ کو کید کہ ان کے وجود موعود کو اپنے سینہ سے
ج ۲ ص ۸۲ والیزات الحسان ص ۶۴ لگاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی جس کی بنیاد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے رکھی ہے، اس کا
اصل ماخذ و منتہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جس کو امام صاحب
موصوفؒ نے خدا واد بعصیرت اور ناخن تدبیر سے قرآن و حدیث سے کرید کرید کر نکالا ہے اور
اپنے اجتہاد و استنباط سے اس کو چار چاند لگاتے ہیں جو چار دانگ عالم میں چمک اور پھیل کر لوگوں
کے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا ہے۔ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وما اشتغل بالدعوة ای بدعوة الناس امام ابو حنیفہؒ اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت
الی مذہبہ الا بالاشادة النبویة فی المنام الیہ عینے میں اشارۃ نبویہ کے بعد شوقل ہوئے جو ان کو
لیدعوهم الی مذہبہ الذی الخیرات الحسان خواب میں ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس کی طرف
طبع مصر دعوت دیں۔

(۲) امام صدر الائتہ مکیؒ اپنی سند کے ساتھ مسند بن عبدالرحمن البصریؒ سے روایت کرتے ہیں وہ
فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام (یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ) کے درمیان سو گیا۔ خواب میں میرے
پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا تو اس جگہ سوتا ہے؟ یہ تو وہ مقام ہے جس میں جو دعایا اللہ تعالیٰ سے

کی جائے، اس کی قبولیت میں کوئی حجاب واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں اپنی نیند سے بیدار ہوا اور جلدی سے مسلمانوں اور مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ اسی اثنا میں مجھ پر پھر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا۔ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بالکل میرے قریب ہیں :-

فقلت یا رسول اللہ ما تقول فی هذا الرجل
الذی بالکوفة النعمان ؟ أخذ من علمہ
فقال لی صلی اللہ علیہ وسلم خذین
علمہ واعمل بہ فتعم الرجل
میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے
میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں رہتا ہے اور اس کا
نام نعمان ہے؟ کیا میں اس سے علم حاصل کر لوں؟
آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے علم لے اور اس پر
عمل کرو تو اچھا آدمی ہے۔

میں اپنی نیند سے بیدار ہی ہوا تھا کہ صبح کی نماز کے لیے صدا بلند کرنے والے نے آواز بلند کی اور میں بخدا نعمان بن ثابتؓ کو سب لوگوں سے بُرا سمجھتا تھا لیکن اب میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ یہ کوتاہی مجھ سے سرزد ہوئی۔ (منقب موفق ج ۲ ص ۲۵)
اور یہ واقعہ امام ابن حجر مکیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۶۵)

③ انہر بن کیسانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے پیچھے پیچھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے۔ میں نے ان دونوں بزرگوں سے دریافت کیا کہ کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سوال کرو مگر آواز بلند نہ کرنا۔ چنانچہ میں نے آپ سے امام ابو حنیفہؒ کے علم کے بارے میں سوال کیا کیونکہ مجھے ان سے کوئی حشرِ ظنی نہ تھی۔
فقال هذا علم الفتح من علمه الحضر۔
(الخیرات الحسان ص ۶۴)
تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم تو خضر علیہ السلام کے علم سے
(جو علم لدنی تھا) پھوٹ کر نکلا ہے۔

④ ابو معانی الفضل بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔

فقلت ما تقول فی علمہ ابی حنیفۃ فقال ذلک
علم یمتج الناس الیہ (الخیرات الحسان ص ۶۵)
میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ابو حنیفہؒ کے
علم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ یہ ایسا علم ہے جس کے لوگ محتاج ہیں۔

⑤ علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ العلان بن صاعد بن مخلد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اتنے میں ابو العباس احمد بن محمد بن عیسیٰ البرقی القاضی (المتوفی ۳۸۵ھ) تشریف لے آئے۔

فقام الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اٹھے اور
وصافہ وقبیل بین عینیہ وقال مرجا ان سے مصافحہ کیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے
بلذی یعمل بسننی واشری۔ درمیان بوسہ دیا اور فرمایا مہربان اس شخص کو جو
میری سنت اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔

(ماتبع بغدادی ج ۵ ص ۶۷) اور یہ قاضی صاحب فقہ میں ابوسلمان الجوزجانی کے شاگرد تھے اور انہوں نے امام محمد بن الحسن سے فقہ حاصل کی تھی اور

کتب الحدیث وصنف المسند انہوں نے حدیث لکھی اور ایک مستند تصنیف
وکان ثقة ثبتا حجة یدکر بالصلاح کیا اور وہ ثقہ ثبت اور حجت تھے نبی کی عبادت کے
والعبادة۔ (بغدادی ج ۵ ص ۶۷) ساتھ ذکر کیے جاتے تھے یعنی صالح و عابد تھے۔
وحدث بحديث کثیر (ج ۶ ص ۶۷) وقال اور بہت سی حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔
الدارقطنی ثقة (ج ۶ ص ۶۷) امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔

اور صاف لفظوں میں علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ :-

وکان رجلا من خيار المسلمين دنیا عیفا وہ بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں دین دار
علی مذهب اهل العراق (ج ۵ ص ۶۷) اور پاک دامن تھے اور اہل عراق کے مذہب پر تھے۔

اپنے مقام پر انشاء اللہ العزیز یہ بحث آئے گی کہ اہل عراق سے علماء حنفیہ مراد ہوتے ہیں اگر محض اُدھار پر کسی کا نفس مطمئن نہ ہو تو ہم تصور اسانقد بھی پیش کر دیتے ہیں، چنانچہ علامہ عبد الکریم شہرستانی لکھتے ہیں کہ :-

اہل العراق ہم احصاب ابی حنیفۃؒ اہل النعمان بن ثابت کے اصحاب
النعمان بن ثابت اہل (الملل والنحل ص ۱۴۶) مروی ہے۔

اس خواب کے پیش نظر کتنے بڑے شرف کا مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک حنفی عالم سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور مرجا فرماتے ہوئے اس کو اپنی
سنت اور حدیث پر عمل کرنے والا فرمایا اور اپنی رضا کا پروانہ مرحمت فرمایا۔
میں بھی تو ہوں شریک نظام بہارِ گل
ہر شخ گشتاں پہ نہ کیوں مجھ کو گھسے

⑥ امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ مجموعہ سے روایت کرتے ہیں جو ابدال میں شمار
ہوتے تھے کہ میں نے محمد بن الحنفیہؒ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا کہ آپ سے کیا گزری؟ فرماتے
لگے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تجھے علم کا ظرف اس لیے تو نہیں بنایا کہ میں
تجھے سزا دوں۔ میں نے کہا، تو ابو یوسفؒ سے کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بھی اوپر
ہیں تو میں نے کہا کہ:-

فما فعل ابو حنیفۃ؟ قال فوق ابی یوسفؒ ابو حنیفۃؒ سے کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو ابو
یوسفؒ سے بھی کئی درجات بلند ہیں۔

مولیٰ الماکش کجری زاوہ اور ابن عبد البرؒ یہ روایت یوں نقل کرتے ہیں کہ:-
قلت فاما فعل بابی حنیفۃ رحمہ اللہ قال ابو حنیفۃؒ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ
اعلیٰ علیین (مفتاح السعاده ج ۲ ص ۸۲، واللفظ لہ) وہ تو اعلیٰ علیتین میں ہیں۔
والا تمام ۱۳۵ ولفظ ہونی اعلیٰ علیین)

اس قسم کے اور بھی کئی خواب ہیں مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں، صرف یہ بتانا مقصود
ہے کہ امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے علم اور فہم اور طرز و طریق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم بالکل راضی ہیں، اور خود رب تعالیٰ بھی ان سے راضی ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے
ان کو علم کا ظرف بنا کر بلند رتبہ عطا فرمایا ہے اور خصوصیت سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو اعلیٰ علیتین
میں پہنچا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا مقام ہے۔ سچ ہے کہ:-

ایں سعادت بزرگ بازو نیست

تا نہ بخشہ خدائے بخش مند

یہی قسم کے عمدہ بہترین اور اعلیٰ خوابوں کو کاٹنے اور توڑنے کے لیے امام صاحبؒ اور ان کے اصحاب کے حاسدین نے اس کے برعکس کچھ خواب تراشے اور بیان کئے ہیں چنانچہ امام ابن حجر مکیؒ، امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے فضائل کے کچھ خواب بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:-

زعم بعض حاسدیه انه دعی له منامات
امام صاحبؒ کے حاسدوں کے زعم میں ان (عماد)
بضد ذالک اھ (الخیرات الحسان ص ۱۵۸)
خوابوں کی ضد میں کچھ دوسری قسم کے خواب
بھی دیکھے گئے ہیں۔

امام ابن حجر مکیؒ کا یہ جملہ بڑا صاف، صریح اور معنی خیز ہے۔ ہمیں اس کی اور زیادہ تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان روشن اور تابناک خوابوں کے معنی بلکہ میں ان حاسدین کے ایسے خوابوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ شیعہ فروداں تاریکی کو کافور کر دیتی ہے۔

تاریکیوں میں دہر کی پہلے پہل الم
آئے تھے آپ شیعہ فروداں لیے ہوئے

امام صاحبؒ کا اہل الرائے ہونا

یہ عنوان تمام سابق عنوانات سے زیادہ مستحق توجہ اور قابل غور ہے۔ اگر صحیح معنی میں یہ سمجھ لیا گیا تو بہت حد تک غلط فہمی دور ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص تعصب اور حسد کے نشہ سے چور چور ہو کر غلط روی اور کم فہمی کو دولت عزیز سمجھ کر چھوڑنا ہی نہ چاہے تو اس کا بھلا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کتب تاریخ اسلام، طبعات رجال اور مناقب وغیرہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا لقب امام اہل الرائے مذکور ہے جس سے بعض نا فہم لوگوں کو اچھی خاصی ٹھوکر لگی ہے، اور بعض متعصب حضرات نے عمداً اس پر دبیز پردہ ڈال کر عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی مذموم سعی کی ہے، اور بجائے اس کے کہ اس بات کو تاریخ کے واضح حوالوں سے حل کر کے اس میں

سلجوا پیدا کرتے مزید الجھاؤ پیدا کر کے اس کو ایک چیتان اور معتبر بنا رکھا ہے۔ اس لیے ہم اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام اہل الرأی تھے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اہل الرأی ہونا لغوی اور شرعی لحاظ سے مذموم اور موجب تنقیص ہے؟ یا محمود اور باعث فضیلت ہے؟ اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کس معنی میں اہل الرأی تھے اور کس موقع اور محل پر وہ رائے سے کام لیا کرتے تھے؟ ان امور پر ہم اصولی بحث عرض کرتے ہیں۔ غور فرمائیے:-

رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے پہلے رائے کا لغوی معنی عرض کریں تاکہ اس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہے۔

علامہ ابو الفتح ناصر الدین المطرزی الحنفی (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

الرأی ما استأه الانسان واعتقده ومعنه رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان ربیعة الرأی بالاضافة فقیہ اهل المدينة اختیار کرتا ہے، اور اسی سے اضافت کے ساتھ اھ (المغنی ج ۱ ص ۱۹۷ طبع دکن حیدرآباد) ربیعة الرأی ہے جو اہل مدینہ کے فقیہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی نہ کوئی نظریہ یا اعتقاد نہ ہوتا ہو۔ مشہور لغوی علامہ ابو الفضل القرشی (المتوفی ۸۰۰ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:-

”رأی دیدن بدل۔ و بینائی دل :- (صرح ص ۵۵) رائے کی بصیرت اور بینائی کو کہتے ہیں۔“

ظاہر بات ہے کہ دل کی روشنی اور بصیرت خداوند عزیز کا خالص عطیہ اور مہبت ہے۔ وہ کوئی بڑی مذموم شے نہیں، بخلاف اس کے دل کا اندھا پن انتہائی طور پر مذموم ہے آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بلاوجہ تو نہیں کہ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ سچ کہا گیا ہے کہ :-

مجھے ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ) نقل کرتے ہیں کہ :-

والرأى هو نظر القلب يقال رأى رأياً
رأى کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ کہا
بدل دید ورائی رؤیا بغیر تنوین بخواب دید ورائی
جانتا ہے کہ رائی رؤیا اس نے دل کے ساتھ دیکھا
رؤیہ یکشم دید اھ (مقدمہ فتح الملمم ص ۶)
اور رائی رؤیہ اس نے آنکھوں سے دیکھا۔

علامہ ابن اشیر الجرجانی الشافعی (المتوفی ۱۰۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ :-

والمحدثون يسمون اصحاب القياس
محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب الرائی کہتے ہیں اس
اصحاب الراى يعنون انهم يلاحظون بأهيم
سے وہ مڑا دیر لیتے ہیں کہ وہ شکل احادیث کو اپنی رائے
فيما يشكل من الحديث او ما له يأتي فيه
اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مقام پر وہ اپنے قیاس
حدیث ۱۰۱۸ اش
اور رائے سے کام لیتے ہیں جس میں کوئی حدیث
(سنایہ ج ۶ ص ۱۷۱ مصر مقدمہ تحفۃ الاحادیث ص ۲۹۹)
موجود نہیں ہوتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الرائی وہ حضرات ہیں جو شکل احادیث اور غیر منصوص مسائل
کو اپنے ناخن تدبیر اور دل کی بصیرت سے حل کرنے کے ٹھوگر ہوتے ہیں اور محدثین کرام اسی معنی
میں ان کو اہل الرائی کہتے ہیں۔

اور کم و بیش یہی الفاظ میں محدث جلیل الشیخ محمد طہر الحنفی کے (ملاحظہ ہو مجمع البحار ج ۱ ص ۴۷)
علامہ شرف الدین الطیبی الشافعی (المتوفی ۷۴۳ھ) نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کچھ
ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے اہل الرائی کی کچھ تنقیدیں معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ملا علی القاریؒ
ان کے ساتھ مناقشہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

يشم من كلام الطيبي رائحة الكناية
رائے کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں اور اسی لیے ان
الاعتراضية على العلماء الحنفية ظانمانه
کو اصحاب الرائی کہا جاتا ہے مگر علامہ طہریؒ یہ نہیں
سمجھے کہ ان کو اصحاب الرائی اس لیے کہا جاتا ہے کہ
ان کی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے۔
اصحاب الرائی ولم يد رايهم انما سموا
بذلك لدة رأيهم وحذاقة عقولهم الخ

(مرقات ج ۲ ص ۵۸) و مخدوم تحفۃ الاعوذی ص ۲۰۴

اس سے معلوم ہوا کہ علماء حنفیہ کو اصحاب الراۓ اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ معاذ اللہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لیے اصحاب الراۓ کہلاتے ہیں کہ ان کی رائے بڑی دقیق، عقل بڑی تیز اور بصیرت بڑی گہری ہوتی ہے، اور حدیث کے مشکل معانی کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حافظ ذہبیؒ امام ربیعہ بن ابی عبد الرحمن الراۓ (المتوفی ۳۴۸ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:۔
وكان اماماً محافظاً فقيهاً مجتهداً بصيراً وہ امام، محافظ، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے
بالتأی ولذا لا یقال له ربیعة الراۓ بڑے ماہر تھے اسی لیے ان کو ربیعۃ الراۓ کہا
(تذکرہ ج ۱ ص ۱۴۸) جاتا ہے۔

امام احمدؒ، محدث بخاریؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فقہ تھے (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۴۷۵)
اور علامہ خلیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فقیہ و عالم اور حافظ فقہ و حدیث تھے (ایضاً ص ۴۷۱)
امام یحییٰ بن سید القطانؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔
مارأیت احداً استدلّ عقلاً من ربیعة میں نے ربیعہ سے زیادہ پختہ عقل والا کوئی نہیں
(ایضاً ج ۸ ص ۲۲۴) دیکھا۔

عبد العزیز بن ابی سلمہ کا بیان ہے کہ میں جب عراق میں داخل ہوا تو اہل عراق میرے
پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم ربیعہؒ کی کوئی بات سناؤ جو اپنی رائے سے کام لیتے ہیں میں
نے کہا کہ تم ربیعہؒ کو صاحب رائے کہتے ہو؟ حالانکہ
لولا اللہ مارأیت احداً احوط لسنّة منہ بخدا میں نے ان سے بڑھ کر سنّت میں محتاط اور
(بغدادی ج ۸ ص ۲۲۴) کسی کو نہیں دیکھا۔

اور علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ:۔
وكان ثقة کثیر الحدیث و حافظاً یثقونہ ربیعہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے لیکن لوگ ان سے
الموضع الراۓ۔ (بغدادی ج ۸ ص ۴۸۸) صاحب رائے ہونے کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے۔
وادیجئے اس گریز و اجتناب کی کہ ربیعہؒ جیسے حافظ حدیث، متبع سنّت اور ثقہ و ثبوت

سے پرہیز کرنے والوں نے محض اس لیے اجتناب اختیار کیا کہ ان کے نام کے ساتھ صاحب الرائی کا لقب چپاں تھا۔ پھر بھلا اس وہم کا کیا علاج ہو سکتا ہے جو ظنون بلکہ افانوں کے دہیز پروں میں صدیوں سے چھپا چلا آتا ہو۔ مگر بایں ہمہ

اہل دانش کی نگاہوں سے یہ پوشیدہ نہیں

اک حقیقت بھی ہوا کرتی ہے افانوں کے ساتھ

علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ "امت کے ائمہ مجتہدین دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ تیسرا

گروہ یہاں کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک اصحاب حدیث اور دوسرے اصحاب الرائی۔ اصحاب

حدیث اہل حجاز ہیں جو امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ٹوڑیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام دواؤرؒ بن علی الاصہبانیؒ کے پیروکار ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:-

اصحاب الرائے اہل عراق میں جو ابو حنیفہ نعمان بن

واصحاب الرائی وہم اہل العراق هم

ثابت کے اصحاب ہیں۔

اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن الثابت

(کتاب الملل والنحل ج ۲ ص ۱۴۶)

اور پھر ان کے اصحاب الرائے ہونے کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ:-

اور ان کا نام اصحاب الرائے اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ

وانما سموا اصحاب الرائی لان عنایتہم بتفصیل

قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور اس

وجه من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام

معنی کے حاصل کرنے کے پہلے ہوتے ہیں جو احکام

وبناء الحوادث علیہا وریعایتہ من القیاس الجلی

سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث کو ان پر مبنی قرار دیتے

علی احد الاخبار وقد قال ابو حنیفۃ علمنا ہذا

ہیں اور کبھی وہ قیاس علی کو خبر واحد پر مقدم بھی

رائی و هو احسن ما قدرنا علیہ فمن قدر علی

کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم

غیر ذالک فله مارائی ولنا مارأینا ہ

رائے ہے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہو۔ رائے

(الملل والنحل ج ۲ ص ۱۴۶ علی طبع کتاب الفضل)

ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا

ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے جیسا کہ ہمیں رائے کا حق ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا اکابر اہم حدیث و فقہ کے جامع امام تھے یعنی جس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ حدیث سے بے بہرہ نہ تھے، اسی طرح دیگر اکابر فقہ و اجتہاد کی صفت سے محروم نہ تھے، مگر جب ان دونوں صفتوں کا مقابل اور توازن کیا جائے تو یہ کہنا قطعی طور پر صحیح ہے کہ دوسرے ائمہ میں روایت اور حدیث کی حفاظت اور خدمت کا وصف غالب رہا اور وہ بایں وجہ صحابہ الحدیث کے لقب سے موسوم ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ پر باوجود حفاظت حدیث کے اجتہاد و فقہ و استدلال کا وصف غالب تھا۔ بدین وجہ وہ اہل الرائے کہلائے نہ یہ کہ وہ حدیث سے بے پروا نہ ہو کہ صاحب رائے بنے۔ علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ:-

وانقسم الفقہ فیہم الی طریقین طریقتہ اہل علم فقہ ان میں دو قسموں میں بٹ گیا ایک طریقہ اہل الرائے والقیاس وہم اہل العراق وطریقہ اور قیاس کہے اور وہ اہل العراق ہیں اور دوسرے طریقہ اہل الحدیث وہم اہل الحجاز وکان الحدیث اہل الحدیث کے کہے اور وہ اہل الحجاز ہیں اور اہل العراق قلیلاً فی اہل العراق لما قد مناه فاستکتوا میں حدیث کم تھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں درکہ من القیاس ومہروانیہ فلذلک قلیل اہل حدیث کے بارے میں ان کی شرطیں کڑی تھیں) اس لیے الرائی ومقدم جماعتہم الذی اسقدر انہوں نے بحیثیت قیاس سے کام لیا اور اس میں ان کو المذہب فیہ وفي اصحابہ ابوحنیفہ ام مہارت حاصل ہو گئی اور اسی مہارت فی القیاس کی وجہ سے ان کو اہل الرائے کہا جاتا ہے اور اس جماعت مقدمہ ملائکہ ابن خلدونؒ طبع مصر و مقدمہ تحفۃ الخواریؒ (۲۰)

یاد رہے کہ یہ وہی علامہ ابن خلدونؒ ہیں جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو من کبار المجتہدین فی علم الحدیث کے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور جن لوگوں نے امام موصوف کو قلت حدیث کی گزند توار سے زخمی کرنے کی نامبارک سعی کی تھی ان کو علامہ ابن خلدونؒ نے المبغضین اور المتعصین کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور صاف بتایا ہے کہ چونکہ امام صاحب کی شرطیں روایت کے بارے میں سخت اور کڑی ہیں، اس لیے ان سے روایتیں بہ نسبت ان محدثین کرامؒ کے جن کی شرطوں کا دائرہ بڑا وسیع ہے کم ہیں نہ اس لیے کہ فن روایت حدیث

میں وہ بے بضاعت اور کم مایہ تھے اور جب ان کے قیاس و اجتہاد اور فقہ و رائے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے سر پر مہارت فی القیاس کا سنہری سہرا باندھتے ہیں اور صریح العظائم لکھتے ہیں کہ :-

ومقامه فی الفقہ لا یطوق شہد لہ بذالک
اہل جلدتہ وخصوصاً مالک والشافعیؒ
فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا
ان کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات
اور خصوصیت سے امام مالکؒ اور شافعیؒ نے اس کی
(مقدمہ ص ۴۴)

شہادت دی ہے۔

ان دو گروہوں کے علاوہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر بھی کتب اختلاف و تاریخ میں آتا ہے جن کو اہل الظاہر کہا جاتا ہے مگر ان کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے کبھی کوئی فروغ حاصل نہیں ہوا جن کا اہم نظریہ ترک تقلید اور فقہ سے اختلاف تھا اور دعویٰ یہ تھا کہ صرف قرآن و حدیث ہی کو پیش نظر رکھا جائے اور بس۔ مگر اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے باقیامت باقی رہنے والا دین ہے، اور نہت نئے مسائل و حوادث اور نوازل و واقعات کا پورا حل بغیر فقہ و اجتہاد اور استنباط کے کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہل الظاہر کسی وقت کچھ ابھرنے کے باوجود بھی تقریباً دنیا میں ناپید ہی رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ ہی لکھتے ہیں کہ :-

ثم درس مذهب اہل الظاہر الیوم
بدروس اثنت (مقدمہ ص ۴۴)
پھر اس زمانہ میں اہل الظاہر کا مذہب باقی نہیں
رہا کیونکہ ان کے ائمہ ہی ختم ہو گئے ہیں۔

اور تصریح کرتے ہیں کہ :-

ولعیبق آلہ مذهب اہل الرئی من العراق
واہل الحدیث من الحجاز (مقدمہ ص ۴۴)
اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرئیؒ کا جو عراقی ہیں
اور اہل حدیث کا جو حجازی ہیں۔

مؤرخ اسلام کی اس علمی اور ٹھوس تحقیق سے یہ بات بھی آشکار ہو گئی کہ اہل العراق اور اہل الحجاز دونوں گروہ اور طلحہ فقہ کے تسلیم کرنے والے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک کا طریق کار دوسرے کے انداز فکر سے قریب مختلف ہے مثلاً اگر ایک گروہ حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارت النص ہی سے استنباط کرتا ہے تو دوسرا گروہ

دلالتہ انقص اشارۃ انقص اور اقتضاء انقص کے دقیق اور غامض پہلو کو بھی استدلال میں نظر انداز نہیں کرتا اس لیے اس کے علم فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے علمی معانوں کو ہزار ہائے نئے مسائل میں اس کے ہاں کسی طرح تشکیک پیش نہیں آتی۔ اسی وجہ سے نصف مئی سے زیادہ لوگ اس کے فیض سے مستفید ہو رہے ہیں اور اس کے دلدلوہ ہیں۔

علامہ ابن خلدون ہی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان چین، ماداء التمر و بلاد النعم کثرتا (عجم کے سب شہروں) میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (مقدمہ ص ۴۸)

اس سے فقہ حنفی کے فروغ، اس مذہب میں فقہاء کی کثرت اور لوگوں کے عام رجحان کی ایک اور وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے، البقیہ وجوہ اپنے مقام کی بحث ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ باوجود استاد المحدثین اور مقتدا اہل سنت ہونے کے جب فقہ کے اس بلند مقام پر نہیں پہنچ سکے تو ان کے مقلدین کی تعداد بھی بڑی ہی قلیل بلکہ نادر رہی ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ قیاس و رائے اور فقہ و اجتہاد کے بغیر پوری اُمت کے سبب پیش آنے والے مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا رتبہ اجتہاد و قیاس میں اتنا اونچا نہ تھا اس لئے ان کے مقلدین بھی زیادہ پیدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون ہی رقمطراز ہیں کہ :-

فاما احمد بن حنبل فمقلدہ قلیل البعد
مذہبہ عن الاجتہاد واصلتہ فی معاضدۃ
الدواۃ وللخیار بعضہا ببعض واكثرہم
بالشام والعراق من بغداد ولواجہا وہم
اکثر الناس حفظا للسنۃ ۱ھ
ان کا مذہب اجتہاد سے بعید رہا ہے اور ان کا اصل
الاصول ہی یہ ہے کہ روایت اور اخبار ہی ہیں سے
بعض کی بعض سے تائید اور تقویت حاصل کی جائے
ان کے اکثر پیرو شام، عراق اور اس کے آس
پاس رہتے ہیں اور وہ سب لوگوں سے
سنت کے زیادہ محافظ رہے ہیں۔ (مقدمہ ص ۴۸)

اور نقاب صاحب فرماتے ہیں کہ :-

”مذہب امام احمدؒ خود در قدیم و حدیث زمان قلیل بود؛ زیرا کہ اجتہاد او قلیل بلکہ اقل
بلکہ نیست و مذہب او ہمیں عمل بر حدیث بود ۱ھ (بدریۃ السائل الی اولۃ المسائل ص ۲۸)
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :-

اگر اکثر اہل اسلام را بنظر امتحان نگاہ کنی حنفیان و مالکیان و شافعیان اند۔

(قدرة العینین ملک)

یہ واضح عبارتیں مزید کسی اور وضاحت کے لیے تشنہ نہیں ہیں۔

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ :-

ولو اسطر ہمیں مناسبت کہ بجزرت روح اللہ
دارو تواند بود آنچه خواجہ محمد پارسا در فضول ستہ
نوشتر است کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ
الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بجز مہب امام
ابی حنیفہ عمل خواہد کرد یعنی اجتناد حضرت
روح اللہ موافق اجتناد امام عظیم خواہد بود آنکہ
تقلید ایں مذہب خواہد کرد و علی نبینا وعلیہ
الصلوٰۃ والسلام کہ شان او علی نبینا وعلیہ
الصلوٰۃ والسلام ازاں بلند تر است کہ تقلید
علماء امت فرماید بے شائبہ تکلف و تعصب
گفتہ میشود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر
کشفی در نگ دریائے عظیم میناید و سائر مذہب
در رنگ حیاض و جداول بنظری در آیند و بظاہر
ہمہ کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد عظیم اہل اسلام
متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان ۔
رمکتوبات الکیانی دفتر دوم حصہ ہفتم
مکتوب ۵۵ ص ۱۴ طبع امرتسر)

اور اسی مناسبت کی وجہ سے ہے جو امام ابو حنیفہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں جو کچھ کہ
حضرت خواجہ محمد پارسانے اپنی کتاب فضول ستہ
میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل
ہونے کے بعد امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کریں
گئے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتناد امام عظیم
(اور ان کے اصول میں ان کے پیروکاروں) کے
اجتناد کے موافق ہوگا نہ کہ وہ ان کی تقلید کریں گے
کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس سے بہت
بلند ہے کہ وہ علمائے امت میں سے کسی کی تقلید کریں
(کیوں کہ وہ خود مجتہد مطلق ہوں گے) ۔
تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے
کہ کشفی نگاہ میں حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دیا کی مانند
دکھائی دیتی ہے اور دیگر مذہب جو ضل و انیول
کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی
یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اہل اسلام کی بڑی اکثریت
امام عظیم کی پیروی کرتی ہے ان سب کے اللہ تعالیٰ
راضی ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ ارشاد کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے۔ اور نہ یہ تعصب کی پیداوار
ہے بلکہ نفس الامری حقیقت کے عین مطابق ہے کیونکہ فقہ حنفی ضرور دیا کو پورا کوئی نوری فطری حیثیت ہے (جس میں
اختلاف اور تفاوت ناقابل انکار امر ہے)

مشہور غیر مقلد عالم **مولانا محمد عقیل صاحب گجرانوالہ** (المتوفی ۱۳۸۷ھ) کہتے ہیں کہ علامہ شیخ علی المتقی صاحب کثر العمال (المتوفی ۹۷۵ھ) اور شیخ محمد طاہر بنوری مؤلف مجمع البحار (المتوفی ۹۸۶ھ) حضرت شیخ الامام احمد الفاروقی مہرندی (المتوفی ۲۴۱ھ) وغیرہم رحمہم اللہ یہ حضرات فروع میں عملاً حنفیت سے متاثر تھے، لیکن ان حضرات میں نہ جمود تھا نہ تعصب۔ (مقدمہ معیار الحق ص ۴ طبع چٹان پریس لاہور)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رائے کے مفہوم و مصداق پر طویل بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

ليس المراد بالرأي نفس الفهم والعقل
فان ذاك لا ينفك من احد من العلماء
ولا الرأي الذي لا يعتمد على السنة اصلاً
فاذا لا يتخله مسلم البتة ولا القدرة
على الاستنباط والقياس فان احمد واسحاق
بل الشافعي ايضاً ليسوا من اهل الرأي
بالاتفاق وهم يستبطون ويقيسون بل
المراد من اهل الرأي قوم توجهوا بالوسائل
المجمع عليها بين المسلمين اوبين جمودهم
الى التضييق على اصل رجل من المتقدمين
فكان اكثرهم حمل النظير على النظير
والرد الى اصل من الاصول دون تتبع
الاحاديث والآثار والظاهر من لا يقول
بالقياس ولا ياتار العمالة والتابعين كما وُدَّ
وابن حزم وبينهما المحدثون من اهل السنة
عاحمد واسحاق الى

”رائے سے نفس فہم اور عقل مراد نہیں کیونکہ اس سے اہل علم میں کوئی بھی عاری نہیں ہوتا اور اس رائے سے ایسی رائے بھی مراد نہیں جس کی بنیاد سنت پر بالکل مبنی نہ ہو کیونکہ ہرگز کوئی مسلمان اس کو اپنے لیے گوارا نہیں کرتا اور اس سے استنباط اور قیاس پر قدرت بھی مراد نہیں کیونکہ امام احمد اور امام اسحاق بلکہ خود امام شافعی بھی بالاتفاق اہل الرأی سے نہیں ہیں حالانکہ استنباط و قیاس وہ بھی کرتے ہے ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے وہ قوم مراد ہے جنہوں نے ان مسائل کے بعد جو تمام مسلمانوں میں یا جمہور کے درمیان اجماعی قرار پائے ہیں متفقین میں سے کسی شخص کے اصل پر مسائل کی تخریج کی ہو اور ان کا بڑا کام یہ رہا ہے کہ نظیر کو نظیر پر حمل کرتے ہے اور ان کو اصول میں سے کسی اصل کی طرف رد کرتے ہے بغیر اس کے کہ وہ احادیث کا تتبع کرتے“ اور ظاہری وہ ہے جو نہ تو قیاس کا قائل ہو اور نہ آثار صحابہ کا اور آثار تابعین کا جیسے داؤد (بن علی) اور علامہ ابن حزم اور ان دونوں طبقوں کے درمیان

محققین اہل البنت کا طبقہ ہے جیسے کہ امام محمد بن حنفیہ اور امام اسحاقؒ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں دونوں متبع الاحادیث کے جملہ سے انکار کوئی گوارا مغز یہ سمجھے یا سمجھنے کی کوشش کہے کہ اہل الرأی وہ ہوتا ہے جو احادیث سے بے پروا اور استغنی ہو تو یہ نہ صرف یہ کہ ظلم صریح ہو گا بلکہ یہ ترجیح العول بمعانی رضی بہ قائلہ کا مصداق بھی ہو گا کیونکہ خود حضرت شاہ صاحبؒ اسی عبارت میں اس کی وضاحت فرما چکے ہیں کہ رائے سے ایسی رائے ہرگز مراد نہیں جس کا اعتماد اور بنیاد سنت پر نہ رکھی گئی ہو کیونکہ کوئی مسلمان ایسی رائے کو اپنانے کے لیے کسی طرح اور کسی صورت میں راضی نہیں ہے، بلکہ اہل الرائے سے مراد ایسی قوم ہے جو اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد غیر منصوص فروع اور جزئیات میں متقدمین میں سے کسی شخص کے طے شدہ اصول و ضوابط اور قواعد پر (جن کی بنیاد اُس نے اپنے اجتہاد و تفقہ کے اعتبار سے قرآن و سنت پر رکھی ہے) مسائل اور جزئیات کی تخریج اور تفریع کرتی ہو کہیں نظیر کو نظیر پر عمل کرتی ہو کہیں مفسرین عنہا اصول میں سے کسی اصل کی طرف مسئلہ اور جزئی کو روکتی ہو اور ان غیر منصوص مسائل و جزئیات میں وہ مسئلہ مسئلہ اور جزئی جزئی کے لیے احادیث کی تلاش نہ کرتی ہو جس کی وجہ نظر نہ ظاہر ہو معلوم ہوتی ہے کہ قرآن و سنت اور تمام یا جمہور مسلمانوں کے اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد ہر ہر پیش آمد جزئی میں صاف اور صریح الفاظ میں کہاں سے صحیح حدیث دستیاب ہو سکتی ہے؟ اس لئے ایسے مسائل میں متبع احادیث کو وہ ضروری نہیں سمجھتے بلکہ متقدمین میں سے کسی کے اصول کے تحت ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک خالص علمی بحث ہے مگر افسوس ہے کہ بعض نا فہم بلا وجہ اس میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔

ان مسائل میں ہے کچھ شرف نگاہی درکار !

یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں !

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

”پس محمد در تصنیف خود رائے اس سے (امام ابراہیمؒ، امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ) را فراہم کر بسیار نفع بمردم بخشید و اصحاب ابی حنیفہ متوجہ ہیں

تصانیف شہدہ بتخیص و تفریح و تخریج و تاسیس و استدلال اھ (ہدایۃ السائل ص ۲۶۵)

اور ان تینوں کی رائے کی بنیاد قرآن و سنت پر قائم ہے۔

یہ بات بھی بخوبی ملحوظ خاطر ہے کہ اصحاب الرائے بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (جذئیات و مسائل میں) احادیث کا تتبع تو نہیں کرتے تھے مگر جب کسی جزئی میں ان کو حدیث مل جاتی تو پھر وہ رائے کو درخور اعتنا بھی نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام زفر جن الذیل جن کی رائے اور فقہ پر حضرت امام ابو حنیفہ بھی ناز کرتے تھے اور فرماتے تھے ہوا قیس اصحابی، (المجاہد ص ۱۲۳) کہ میرے جملہ تلامذہ میں وہ قیاس کا زیادہ ماہر ہے۔ اور انہوں نے ہی بصرہ میں سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کی رائے اور فقہ پہنچائی تھی (لسان المیزان ج ۲ ص ۴۴) ان سے حضرت امام عبداللہ بن المبارک نقل کرتے ہیں کہ:-

سمعت نفعاً يقول نحن لا نأخذ بالرأى مادام اشر واذ اجاد الا شتر كنا الترائى
میں نے امام زفر سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی حدیث موجود ہوتی ہے ہم رائے پر عمل نہیں کرتے اور جب کوئی حدیث مل جاتی ہے تو ہم اپنی رائے کو ترک کر دیتے ہیں۔
(منقب ابی حنیفہ للملا علی النجار ص ۲۰۰ ذیل المجاہد ص ۲۰۰)

اس کی مزید بحث انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی، یہاں تو صرف اس قدر ذکر کرنا ہے کہ اصحاب الرائے نے نہ تو ابتدائے حدیث کو چھوڑا ہے اور نہ انتہاء ماں اہل علم کے طریقہ کے مطابق کسی حدیث میں روایتی یا دوائی لحاظ سے کوئی غلط فہمی کاوجہ نظر آئے یا کوئی حدیث کسی دوسری سے متعارض ہو یا منسوخ ہو یا کسی اور قوی عند کی وجہ سے وہ ترک کرتے ہیں تو یہ بات الگ ہے مگر کوئی صاحب فہم اور دیانت وار انسان اس کو ترک حدیث نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ طریقہ تو قدر مشترک کے طرہ پر تمام محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رائج ہے اور اس باطل نظریہ کے تحت پھر تو سبھی تارک حدیث کہلا لیں گے۔ (العیاذ باللہ) نواب صاحب حضرت شاہ صاحب کی سابق عبارت کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

”بلکہ نیست مراد برائے نفس فہم و محفل چہ ازاں خود احدے از علماء منفک نمی تواند شد و نہ آں رائے کہ نیست محمد بر سنت اصلاً زیرا کہ آں را خود سخانی حلال نمی تواند نہایت

البتہ اھ (ہدایۃ السائل ص ۲۵۴)

اگر اہل رائے مسلمان ہیں؟ اور ان کی نامسلمانی کی آخراً کوئی وجہ بھی تو نظر نہیں آتی تو پھر وہ کیوں ایسی رائے قائم کرتے ہوں گے جو سنت سے متصادم ہو اور اس کی بنیاد سنت پر نہ رکھی گئی ہو؟

حضرت محمد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

جماعت کے ایسے اکابر دین راہ صاحب رائے میدانند
اگر ایسے اعتقاد دار نہ کہ ایشان برائے خود
حکم میگردند و متابعت کتاب سنت نمی نمودند
پس سواد عظیم از اہل اسلام بزعم فاسد ایشان ضال
و مبتدع باشند بلکہ از جبرکہ اہل اسلام ہیں
بودن را این اعتقاد نهند مگر جہل ہے کہ از جہل خود
بے خبر است یا از ندیقے کہ مقصودش البطال
شرط دین است ناقتی چند احادیث چند
دیا و گرفتہ اند و احکام شریعت را منحصر در ان
ساختہ اند و مارائے معلوم خود را نفی مینمایند
و آنچه نزد ایشان ثابت شدہ منتفی میسازند
چہل آں کریمے کہ در سنگے نہال است
زمین و آسمان او ہماں است
دمکتوبات امام ربانیؒ دفتر دوم حصہ
ہفتم مکتوبات ۵۵۵ طبع امرتس

وہ جماعت جو ان اکابر دین کو اصحاب رائے سمجھتی ہے
اگر یہ اعتقاد کرتی ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے
حکم کرتے تھے اور کتاب سنت کی پیروی نہیں
کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں
کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہوگی بلکہ اہل اسلام کے
ٹوٹے ہی سے باہر ہو جائے گی اور یہ خیال یا تو وہ جاہل
کرے گا جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے اور یا
وہ از ندیق کرے گا جس کا مقصد نصف دین کو باطل
کرنا ہے، کچھ کو تاہ فہم چند حدیثیں یاد کر کے احکام
شریعت کو انہی میں منحصر کرتے ہیں اور اپنے معلومیت
کے علاوہ اور چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو چیز ان کے
نزدیک ثابت نہ ہو اس کی نفی کرتے ہیں۔ جیسے
وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہو، اُس کی زمین و آسمان
ہی بس وہ سہہ۔

غیر تقلیدین حضرات حضرت مجدد صاحب کی اس عبارت کہ بار بار پڑھیں اور پھر از راہ انصاف یہ فرمائیں کہ حضرت مجدد صاحب کیا فرماتے ہیں۔

الغرض نہ تو رائے اور سمجھنی نفسہ کوئی بری شے ہے اور نہ اہل الہ رائے احادیث کے منکر اور

اُن کے متغنی ہیں اور نہ اہل الرائے ہونا کوئی موجب تنقیص امر ہے، اور یہ بھی درست نہیں کہ صرف علماء حنفیہ ہی اہل الرائے ہیں اور ان کے علاوہ اہل الرائے اور کوئی نہیں ہوا۔ جیسا کہ مولانا مبارکپوری صاحب (وغیرہ) کو اس کا مغالطہ ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ۱۔

فاعلم ان اهل الراى هو العلماء الحنفية جاننا چاہیے کہ اہل الرائے علماء حنفیہ ہی ہیں۔

(مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص ۲۵)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ امام عجل نے حضرت امام شافعی کو صاحب الرائے کہا ہے اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:-

فاجتمع له علم اهل الراى وعلم اهل الحديث امام شافعی میں اہل الرائے اور اہل الحدیث دونوں کا علم جمع ہو چکا تھا۔

(قالی تاسیس طبع مصر)

اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ربیعہ اہل الرائے بلکہ ملقب بہ الرائے تھے اور حنفی نہ تھے اور الملک المنظر ابو جرح بن الیوب الحنفی لکھتے ہیں کہ:-

وقد رأینا مذاهب جماعة من اهل الراى ہم نے دیکھا کہ اہل الرائے کی جماعت کے مذاہب قد ذهبوا وضاعت ومذهب ابی حنیفة تو ختم اور مضمحل ہو گئے مگر امام ابو حنیفہ کا مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقی رہا۔

(السم المصیب ص ۳)

مشہور امام اور محدث ابن قتیبہ (المتوفی ۲۶۶ھ) نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی شرح قائم کی ہے اور نیچے یہ نام لکھے ہیں:- ابن ابی لیلیٰ، ابو حنیفہ، ربیعہ الرائے، زفر، اوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابو یوسف اور محمد بن الحنفیہ (مختلہ سیدۃ النعمان از علامہ شبلی)

الغرض اہل الرائے تو اور بھی ہیں مگر فقہ واجتہاد اور قیاس رائے میں جو بلند مقام حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کو ملا وہ اور کسی کو نہ مل سکا۔

یہ مرتبہ بلند بلا جس کو مل گیا!

کیا رائے کے بغیر حدیث سمجھی جاسکتی ہے؟

رائے کے لغوی اور اصطلاحی معنی کے بعد اس امر پر بھی غور کرنا ہے کہ کیا رائے اور فہم کے

بغیر حدیث سمجھی جاسکتی ہے؟ اگر کبھی جاسکتی ہے تو ٹھیک ہے، پھر رائے کو لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر رائے اور فہم کے بغیر حدیث نہیں سمجھی جاسکتی تو پھر وہ مذموم کیسے ہوگی؟ کب کوئی مذموم چیز بھی کسی مقبول و محمود چیز کا ذریعہ اور موقوف علیہ بن سکتی ہے؟ مولیٰ طاش کبریٰ زاوہ حضرت امام محمد بن الحسن کے حالات میں جو خود چوٹی کے اصحاب الرائے میں شمار ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ:-

نشأ بالكوفة وعلیہ الرائی ای الاجتهاد وہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور ان پر رائے یعنی اجتہاد کا غلبہ تھا۔ (مفتح السعادة ۲ ص ۷۸)

کتاب ادب القاضی میں تصریح فرماتے ہیں کہ:-

لا یستقیم الحدیث الا بالرائی ای باستعمال حدیث رائے کے استعمال ہی سے درست ہو سکتی ہے
الرئی فیہ بان یدرک معانیہ الشرعیۃ بایں طور کہ حدیث کے شرعی معانی جو احکام کے
الئی ہی مناط الاحکام ولا یستقیم الرائی لیے مناط ہیں رائے ہی سے ادراک کئے جاسکتے ہیں
الا بالحدیث ای لا یستقیم العل بالتائی اور رائے بھی بدون حدیث کے درست نہیں ہو
والاخذ بہ الا بانضمام الحدیث الیہ اھ سکتی یعنی محض رائے پر عمل کرنا درست نہیں ہو سکتا
(بحوالہ مقدمہ فتح الملہم ص ۸۷) تاویفیکہ اس رائے کے ساتھ حدیث نہ مل جائے۔

انصاف سے فرمائیے کہ صاحب الرائے امام محمد بن الحسن کیا فرما گئے ہیں؟ یہی فرمایا ہے کہ نبی رائے کوئی حقیقت اور وقعت نہیں رکھتی جب تک کہ اس کی بنیاد حدیث پر نہ رکھی جائے۔ مگر بایں ہمہ کہنے والے ان کو صاحب الرائے کہہ کر کہنے سے باز نہیں آتے۔ انصاف کا تقاضا تو ہے کہ عِزُّهُ مَصَافًا وَدَعُ مَا كَذُر۔

امام ابن حجر مکی الشافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

قد قال المحققون لا یستقیم العل بالحدیث مقتضی نے فرمایا ہے کہ بغیر استعمال رائے کے عمل
بدون استعمال الرائی فیہ اھو المذکر بالحدیث بالحدیث درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رائے ہی سے
معانی کا ادراک ہوتا ہے جس پر احکام کا دار مدار ہے اور اسی وجہ سے جب بعض محدثین کو رضاعت

القصی فی الرمناع قال بان المر تضرعین بلین شاة تثبت بینہما المحدثیة ولا العل بالرائی المخص ومن ثم لم یفطر الصائم بنحو الاکل ناسیا ۱۵

کی تحریم کی علت کا اور اک نہ ہو سکا تو اس نے یوں کہہ دیا کہ بکری کا دودھ پینے والے دو بچوں کے درمیان رضاعت کا حکم ثابت ہے اور اسی طرح رائے مخص بہ بھی عمل صحیح نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بھول چوک سے روزہ کھانے والے کا روزہ نہیں جاتا۔

(الحیثیات الحسان ص ۱)

غور فرمائیے کہ رائے اور دل کی بصیرت محروم ہونے والے بعض محدثین نے کیسی ٹھوکر کھائی کہ وہ لڑکی اور لڑکا جو آپس میں نبی اور رضاعی طور پر تو بہن اور بھائی نہیں مگر انہوں نے ہل کر ایک ہی بکری کا دودھ پی لیا ہو وہ آپس میں بھائی اور بہن ہو جائیں گے اور ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہوگا۔ پھر پوچھنے کی بات یہ ہے کہ گائے بھینس اور اونٹنی نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ ان کے دودھ سے رضاعت کیوں نہ ثابت ہوگی؟ اگر بکری رضاعی ماں بہن ہو سکتی ہے تو بھولی بھالی لگائے فریہ اندام بھینس اور بلند قد اور دراز گردن اونٹنی کیوں ماں نہیں بن سکتی؟ اور ان بیچارہ لڑکیوں کو ماں کی مامت سے کیوں محروم کر دیا جائے؟ اور اس فتویٰ کے رُوسے تمام بوئے زمین پر مسلمانوں کے نکاحوں اور ان کی اولاد کا کیا حکم ہوگا؟ شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہنے والے نے کہا ہے کہ ۱۷

”ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند“

اور جس طرح رائے کی محرومی سے یہ ٹھوکر لگتی ہے اسی طرح حدیث سے استغناء برت کر مخص رائے پر بھروسہ کرنا بھی انسان کو ورطہ ضلالت میں ڈال دیتا ہے۔ اگر مخص رائے ہی سے دین کے احکام اخذ کئے جاسکیں تو بھول کہ روزہ کھانے والے کا جو خوب سیراب اور سیر شکم ہو کر کھاپی لے، روزہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ اور کس کی عقل اس کو باور کرتی ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود روزہ جوں کا توں باقی ہے؟ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد اور حدیث کی موجودگی میں اطعمک اللہ وسقاک را لہو داؤد ج ۱ ص ۲۲۷ واللفظ لہ ویتناہی ج ۱ ص ۲۵۹ و مسلم ج ۱ ص ۳۶۷ کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے، عقل اور رائے کی کیا وقعت اور قیمت ہے؟ یہاں تو محبوب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اشارہ ابرو پر ہزاروں رائیں اور لکھوں عقلیں آن واحد میں قربان کرنا ہوں گی۔ ۱۸

عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے حنم ابھی
حضرت علیؑ (المتمنی سنہ ۳۷) نے دین کے ایسے ہی مخصوص مسائل کے مقابلہ میں اے محض
کے بلے میں یہ ارشاد فرمایا ہے :-

لو کان الدین بالترائی لکان اسفل الخف اولی
بالمسح من اعلاه وقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یسح علی ظاہر خفیہ -
اگر دین نری لئے ہی سے ہوتا تو مونے کا پچھلا حصہ
اوپر کے حصہ سے مسح کا زیادہ مستحق رہے حالانکہ میں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزہ کے اوپر ہی مسح کرتے
دیکھا ہے - (البعۃ اؤد ج ۲ ص ۲۳)

انسان جب چلتا ہے تو زمین پر اس کے پاؤں کا پچھلا حصہ ہی لگتا ہے، اور گرد و غبار اور
نجاست وغیرہ سے اسی کے زیادہ ملوث اور آلودہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے مسح کا
تھنڈا بھی صرف یہی حصہ ہونا چاہیے مگر چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے
اعلیٰ حصے پر ہی مسح کیا ہے تو کسی دانشور کی دانش اور کسی عقلمند کی عقل اور کسی فیہم کی فہم دلائل کی
اس پیادے عمل کے مقابلہ میں بھلا حیثیت ہی کیا ہے؟ اس موقع پر اگر تسلی اور چین ہو سکتا ہے
تو صرف آپ کی پیاری ادا اور آپ کے پسندیدہ عمل اور بہترین اسوہ حسنہ سے اس لیے کہ -

برسوں فلاسفہ کی چناں اور چہنیں رہی

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

حدیث سے رائے کی عذگی کا ثبوت

جس مسئلہ میں قرآن و حدیث سے بصراحت روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسئلہ میں کون سا طریقہ
اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس کے حل کرنے کے لیے کیا صورت عمل میں لائی جاسکتی ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کے پیش نظر کتاب و سنت کے اصولی قوانین اور ضوابط کو لازمی
اور قابل عمل قرار دے کر ہر ایسی پیش آمد ضرورت کے متعلق جس کی تفصیل و تشریح یا بصراحت
تذکرہ قرآن و سنت میں موجود نہ ہو، قرآن و سنت کے جاننے والوں اور صحیح معنی میں مجتہدین کو یہ حق حاصل
ہے کہ وہ اپنے اجتہاد و رائے سے کام لے کر قرآن و سنت کی روشنی میں وقتی و ضروری اور ہنگامی
مسائل کو حل کریں اسی کو فقہ و اجتہاد اور قیاس و رائے کہتے ہیں مجتہد مطلق کا درجہ اگرچہ

نہیں رہا۔ ہاں فی الجملہ اجتماع و قیامت تک باقی ہے لیکن مخصوص اور اجماعی مسائل میں اجتہاد کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ ہر حال میں ان کی پیروی کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبل (المتوفی ۱۸ھ) کو جب یمن کا عامل اور گورنر بنا کر بھیجا چاہا تو آپ نے اُن سے دریافت فرمایا: اے معاذ:-

کیف تفتی ان عرض لك قضاء قال اقتصی بكتاب الله قال فان لم تجد في كتاب الله قال فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فان لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا في كتاب الله قال اجتهد برأى ولا اوفض به رسول الله صلى الله عليه وسلم صدقه فقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم لهما يرضى رسول الله -

جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو اس میں تمہیکے فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا؟ وہ کہنے لگے کہ پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر تو کیا کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ آپ نے حضرت معاذ کی جھڑپ پر شفقت کی وجہ سے دست مبارک مارا اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۹ واللفظ لہ و مسند طیبی ص ۹۹ و ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ و دارمی ج ۱ ص ۱۵۹ و المتقاء ص ۱۳ لابن عبد البر طبع مصر و البدایہ و النہایہ ج ۵ ص ۱۳ طبع مصر و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۴ و سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۱)

شیخ الاسلام حافظ ابو محمد بن عبد البر المالکیؒ اس حدیث کے بلے میں فرماتے ہیں کہ:-

وحدیث معاذ صحیح مشہور رواہ الاثنیۃ العدول و هو اصل فی الاجتہاد والقیاس علی الاصول (جامع بیان العلم و فضله ج ۲ ص ۲۷ طبع مصر)

حضرت معاذ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اس کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اجتہاد اور قیاس علی الاصول کے لیے ایک اصل اور مدار ہے۔

حافظ ابو الفداء اسمعیل بن عمر بن کثیر الشافعی (المتوفی ۷۴۴ھ) جو الفقیہ، المفتی اور المحدث و ذوالفضل تھے، تذکرہ ج ۴ ص ۲۹) ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وهذا الحديث في المسند والسنن باسناد
يحدث من رواه في جريدته من جريدته
سند مروي ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر مقرر اور
(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۵) ثابت شدہ ہے۔

مشہور غیر مقلد اور محقق عالم محمد بن علی المعروف بالقاضی الشوکانی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) اسی حدیث
سے متعلق ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وهو حديث صالح للاحتجاج به كما اوضحنا
ذلك في بحث منفرد
یہ حدیث استدلال و احتجاج کے لیے صلاحیت رکھتی
ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت ایک مفرد بحث
(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۱ طبع مصر للشوکانی) میں کر دی ہے۔

اس صحیح مشہور جید اور صالح احتجاج حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جن نوازل و حوادث اور
مسائل پر قرآن و حدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو ان میں کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد و
ٹائے سے کام لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد
مسرور اور نہایت خوش ہیں اور اپنے قاصد و نمائندہ کے اس معقول اور تسلی بخش جواب پر راضی
ہو کر قوی اور فعلی مسرت کا اظہار فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ کے سینہ پر ہاتھ مبارک مار کر گویا یہ
بتلا ہے ہیں کہ کیا ہی بابرکت سینہ ہے جس میں ایسی ایسی عمدہ اور کام کی باتیں پنہاں ہیں، جن
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داد بخین دیتے بغیر نہیں رہ سکے اور الحمد للہ کے ساتھ قوی طور
پر اجتہاد برائی پر اپنی رضا اور خدا تعالیٰ کی رضا کی مرثبت کر دی ہے۔ اب اگر کوئی
نادان ایسی ٹائے کی توہین و تذلیل کرتا اور ایسی ٹائے قائم کرنے والے اہل لوگوں کی تحقیر کرتا ہے
جس کا منفع و مائدہ قرآن و حدیث ہو تو ایسا شخص صرف ٹائے اور اہل اللہ کا ہی دشمن ہے بلکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی اس صحیح اور صریح حدیث اور اور آپ کی پسند کردہ بات کا بھی مخالف ہے اور اس کو اپنے ایمان کی خیر منافی
چاہیے، کہیں دوسروں کی عداوت اپنی تباہی کا سبب ہی نہ بن جائے۔

ہست کچھ بل چکے اور جیلے گا۔ دیکھئے کب تک ہے زمیں برقی موزاں کی تراکشا نہ برسوں سے

حضرت علیؑ کی ایک روایت یوں آتی ہے:-

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم فقال
مشاورۃ لعل الزامی ثم اتبعہم (تفسیر ابن کثیر ج ۱ طبع مصر)

اور نیز حضرت علیؑ نے سوال کیا، یا رسول اللہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو کہ جس میں نہ امر ہو نہ نہی تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸ رجالہ موثقون)

حضرت ابو بکرؓ کا یہ معمول تھا کہ:-

ان ابابکر اذا نزلت به قضیۃ لم یجد لها
فی کتاب اللہ اصلاً ولا فی السنۃ اشترافاً ل
اجتہد برأی فان یکن صواباً فحن اللہ وان
یکن خطاً فمات واستغفر اللہ

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۱) اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔

حافظ شمس الدین ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:-

حضرت ابو بکرؓ کے سامنے جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو اس کو کتاب و سنت میں تلاش کرتے، اگر وہاں سے بھی کامیابی حاصل نہ ہوتی تو اُمت کے بہترین افراد کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے اور اتفاق رائے سے جو طے ہوتا اسی پر فیصلہ صادر فرماتے۔

(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۷۸ طبع مصر)

اور امام عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمیؒ (المتوفی ۲۵۵ھ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ سے یہ مضمون نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:-

فاذا اجتمع رأیہم علی امر قضی بہ
حضرت ابو بکرؓ اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔

حضرت ابومہ شافعیؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہلے میں لکھتے ہیں کہ:-

وانہ مقدم عندهم فی العلم والرأی و
وہ حضرات صحابہؓ میں علم رائے اور زیادہ مشورہ لینے

كثرة الاستشارة ۱۵

میں پیش پیش تھے۔

(کتاب اختلاف الحدیث علی ہامش الامام جہم مطبع مصر)

حضرت عمرؓ جب لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ :-

هَذَا رَأْيِي عَمْرُؤَانِ كَانَ صَوَابًا مِنْ اللَّهِ وَ

یہ عمرؓ کی رائے ہے، اگر درست ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا

اِنْ كَانَ خَطَاً فَمِنْ عَمْرٍ (میزان شعرانی ج ۱ ص ۴۴)

احسان ہوگا، اور اگر خطا ہوئی تو عمرؓ کی خطا سمجھنا۔

طبع مصر۔ وسنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۱)

اور حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دور میں مشہور تابعی قاضی شریح (المتوفی ۸۵ھ) کو

ایک خط ارسال فرمایا تھا جس میں اس کی تصریح فرمائی تھی کہ اگر کوئی ایسا مقدمہ اور مسئلہ پیش آئے

جس پر کتاب و سنت سے روشنی نہ پڑتی ہو اور اس کے بارے میں پہلے کسی نے گفتگو بھی نہ کی ہو تو :-

فَلتَحْتَرِ الْأَمْرَينِ شَيْئًا انْ شَيْئًا انْ

ان دو امور میں سے جو نہ تم چاہو نہ کہہ لو یا تو اپنی رائے

تجہد برائے ثمر تقدم فقط ۱۵

سے اجتناب کرو اور اس میں جتنا آگے بڑھ سکتے

(دارمی بطبع دمشق وسنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۵ و

بو بڑھو۔ الخ۔

غزوہ فی کھز العال ج ۳ ص ۱۷۴)

دوسرا امر انہوں نے ترک رائے ذکر فرمایا ہے لیکن اجتہاد بالرائے اور ترک دونوں میں ان کو

اختیار دیا ہے اور اجتہاد بالرائے اور اس میں تقدم کا ذکر پہلے کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو جن مسائل

میں اشکالات پیش آئے تھے ان میں ایک وراثت جید کا مسئلہ بھی۔ جب ان کو فیروز نامی بد بخت

نے زعمی کیا تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ :-

اِنِّي رَأَيْتُ فِي الْحَدِيثِ رَأْيَا فَاِنْ رَأَيْتُمْ اَنْ تَتَّبِعُوهُ

میں نے واد کے بارے میں ایک رائے قائم کی ہے

فَقَالَ عُمَانُ اِنْ تَتَّبِعْ رَأْيَكَ فَهَوْشِدُوَان

اگر تمہارا خیال ہو تو اس کی پیروی کرو۔ حضرت

نتبع لِي الْاَيْخِ قَبْلَكَ فَنَعْمَ ذُو الرِّأْيِ كَانَ -

عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر ہم آپ کی رائے کی پیروی کریں

(مسند حاکم ج ۳ ص ۳۸۴ قال الحاكم وللنعمي ميم)

تو وہ کیا ہی بھلی رائے ہے۔ اور اگر ہم آپ سے پہلے

بزرگ (حضرت ابو بکرؓ) کی رائے کی پیروی کریں تو وہ

بھی صاحب الرائے تھے۔

اور یہ روایت دارمی جلد ۱۵ طبع دمشق میں بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (المتوفی ۳۲ھ) نے فرمایا کہ اگر کسی کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آئے تو کتاب اللہ کے مطابق اس میں فیصلہ صادر کرے اور اگر کتاب اللہ میں نہ مل سکے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق فیصلہ کرے اور اگر سنت میں اس کو کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر نیک لوگوں نے (اتفاق سے) جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر ان سے اس کو کچھ نہ ملے تو:-

فلیجتہد رایہ فان لم یحسن فلیتقد ولا یتبعی
 پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر رائے کا مالک
 مستدل نہ ہو تو صاف افتراء کرے اور اس میں حیا رکھے۔
 قال الحاکم والنہج صحیح
 ونحوہ فی سنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص ۱۱۵

اور یہ روایت کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ دارمی میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:-

فان لم یکن فیما اجتمع علیہ المسلمون
 سوا اگر مسلمانوں کے اجماع سے بھی وہ مل نہ ہو سکے
 فلجتہد رأیہ (مطالعہ طبع دمشق)
 تو پھر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس (المتوفی ۶۸ھ) کا یہ معمول تھا کہ کتاب و سنت کے بعد حضرت
 ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ان کو کوئی ثبوت دلیل ملتا تو پھر:-

قال فیہ برأیہ (مسند دارمی جلد ۵۹ طبع دمشق)
 اس میں اپنی رائے سے عمل کرتے۔
 ومستدل حاکم جلد ۱۲ قال الحاکم والنہج صحیح

ونحوہ فی سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۱۵

حضرت زید بن ثابت (المتوفی ۴۵ھ) نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کے
 مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ میں حکم نہ مل سکے تو پھر سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
 کے موافق فیصلہ صادر کرو اور اگر سنت میں بھی حکم نہ مل سکے تو پھر:-

فادع اهل الرأي ثم اجتهد واختار لنفسك
 تم اہل الرائے کو بلا کر اجتہاد کرو اور اپنے لیے مناسب
 (مسند الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۱۵)
 حکم اختیار کرو اور اس میں کوئی عرج نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعرؓ (المتوفی ۵۲ھ) کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ

جملہ بھی لکھا تھا کہ :-

فَمَا يَخْتَلِجُ فِي صَدْرِكَ مِمَّا لَمْ يَبْلُغْكَ فِي الْقُرْآنِ
وَالسُّنَّةِ فَتَعْرِفُ الْأَمْثَالَ وَالْأَشْبَاهَ قَدْ قَرَأَ الْقُرْآنَ
عِنْدَ ذَلِكَ أَه (سنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۱۵)

یعنی اصل اور مقیس علیہ کی مثال اور نظیر ہمیشہ نظر رکھو اور فرع اور مقیس کے اندر علت اور وجہ تلاش کرو، اگر اصل کی علت اس میں پائی جاتی ہے تو اس کی کڑی اس سے ہلکا کہ اصل کا حکم فرع میں ثابت کرو، اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز (المتوفی ۱۰۱ھ) نے قاضی کے لیے پانچ شرطیں لگائی ہیں کہ :-

يَكُونُ عَالِمًا بِمَا كَانَ قَبْلَهُ - مُسْتَشِيرًا لِلْعَدْلِ
الزَّاهِي - ذَانِعًا عَنِ الطَّعْنِ - حَلِيمًا عَنِ الْخَصَمِ -
مُقَابِلًا فِي حِلْمِهِمْ - مُطَاعًا كَوَلَاؤًا رَاكِبًا هُوَ

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت چھ حضرات کو نامزد کیا تھا کہ یہ حضرات اپنے میں سے جس کو چاہیں خلیفہ بنا دیں، ان میں سے پانچ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اختیار کیا کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، انہوں نے پہلے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اے علیؓ اگر میں تجھے خلیفہ چن لوں تو بتاؤ کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے طریقہ پر چلو گے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ :-

لِحُكْمِ بَيْتِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ وَاجْتِهَادِ
رَأْيِي أَه (شرح فقہ اکبر ملا علی بن القاری
مؤید طبع کاشنوی)

اور حضرت علیؓ جب سنی فتنہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تو قیس بن عبید نے دریافت کیا کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں۔ ماعہد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی بابت

بشیئہ لکنہ رائی رائتہ

کچھ نہیں فرمایا لیکن یہ میری اپنی ذاتی رائے ہے جب تک
سوجھی ہے۔

(البوداؤد ج ۲ ص ۲۸۵)

مشہور محقق اور صاحب قلم عالم ابو محمد زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ:-

ان الحكم بالرأي من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مشهور واحتمال الخطأ في
لئے کے مطابق حکم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابہ سے مشہور ہے اور ان کے اجتہاد میں بھی
خطا کا احتمال ثابت ہے کیونکہ وہ خطائے معصوم
الخطأ لا راجع لضعف حیاتہ - وعصرہ -
تو نہ تھے۔

آراءہ، مثلاً طبع مصر از محمد البوزہدہ)

حضرت حباب بن منذر کی بدر کے موقع پر رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند
فرما کر قبول فرمائی تھی (مسندک ج ۳ ص ۴۲۷)

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ بڑے صاحب الرائے تھے چنانچہ لوگ ان کو مغیرہ الرائے کہتے
تھے۔ (مسندک ج ۳ ص ۴۲۷)

الغرض غیر منصوص مسائل میں حضرات صحابہ کرامؓ نے جہاں رائے اور اجتہاد سے کام لیا
ہے اگر ان کو جمع کیا جائے تو اچھا خاصہ دفتر تیار ہو سکتا ہے، مگر ہمارا مقصد دلائل اور براہین
کا استیعاب نہیں، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن و حدیث اور
اجماعی مسائل کے بعد رائے اور قیاس کس کام لینا خود مرفوع اور صحیح حدیث اور حضرت صحابہ کرامؓ کے اقوال
سے ثابت ہے اور عموم امت بھی اس کی قائل ہے۔ پھر رائے اور قیاس کی مذمت اور اہل الرائے
اور صاحب قیاس کی توہین و تذلیل کیونکر قابل سماعت ہو سکتی ہے؟

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:-

مختلف در قیاس شرعی است، جمہور از صحابہ
قیاس شرعی کے بارے اختلاف ہے، جمہور صحابہ کرامؓ
و تابعین و فقہاء و متکلمین، بآن رفتہ کہ اصلی از
تابعین فقہاء و متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ قیاس اصول
اصول شریعت است استدلال میر و دلیل
شریعت میں ایک اصل ہے جو احکام سماعت سے
بر احکام واردہ بسیج و ظاہر یہ انکارش کردہ اندہ
تعلق لکھتے ہیں، ان میں قیاس استدلال درست ہے

اھ (افادة المشیوخہ ملائکہ)

اور اہل ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں۔

اور نواب صاحب قیاس کے محبت شرعی ہونے کے مثبت و منفی دلائل پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”و دلالت سمع بر قیاس نزد اکثر قطعی است
وزند آمدنی ظنی ابن عبد البر گفته نیست خلاف
در میان فقہاء اصحاب و سائر اہل سنت در
نفی قیاس در توحید و اثبات اور احکام مگر
داؤد کہے در ہر دو نفی آں کردہ“ اھ
(ھدایۃ السائل ص ۱۷۱)

اور قیاس پر سچی دلیل کی دلالت اکثر کے نزدیک
قطعی ہے اور علامہ آمدنی کے نزدیک ظنی ہے امام ابن
عبد البر فرماتے ہیں کہ شروہ کے فقہاء اور معلم اہل
سنت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید
یعنی عقائد میں قیاس نہیں ہو سکتا اور احکام میں قیاس
ہو سکتا ہے اور داؤد ظاہری دو دونوں میں قیاس
کی نفی کرتے ہیں۔

مشہور غیر متقدم اور صاحب قلم عالم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مذہبی لکھتے ہیں کہ :-
”جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جن کے بارے میں کوئی متعین نص موجود نہیں
ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کہا جاسکتا ہے کہ قیاس دوائے کی تھگ و تازان میں
مسلم ہے“ اھ (مسئلہ اجتہاد ص ۱۷)

ان تمام عبارات اور اقتباسات سے یہ امر آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ بغیر
منصوص مسائل میں قرآن و حدیث و اجماع کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ فقہاء نیک
فرجام اور متکلمین ذوالاحترام و غیر ہم کے نزدیک قیاس دوائے شرعی محبت ہے اور توحید و غیر عقائد کے
بنیادی مسائل کے علاوہ اس سے احکام کا اثبات جمہور اہل اسلام اور جملہ اہل سنت کا اتفاق ملتا
ہے، ہاں صرف داؤد بن علی الظاہری اور اس قسم کے کچھ حضرات کا اس میں اختلاف ہے مگر جمہور
امت کے قول منصوص کے مقابلہ میں ان کی اس رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ اور دلائل و براہین
کی دنیا میں اس کو کون تسلیم کرنا ہے؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ کس وقت رائے قائم کرتے تھے؟

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ قیاس و اجتہاد اور استنباط دوائے سے کلام لیتے

تھے، لیکن یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ وہ کس موقع اور محل پر اور کس وقت و مقام پر قیاس وائے سے کام لیتے تھے؟ اس لیے ہم اس عنوان میں بھی قدرے تفصیل سے کلام کر چاہتے ہیں، غور فرمائیے۔

حضرت ابو حنیفہؒ کا اپنا بیان یہ ہے :-

أَخَذُ بِكِتَابِ اللَّهِ فَمَا لَمْ أَجِدْ فَبَسَّنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ لَمْ أَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذْتُ بِقَوْلِ أَهْلِ بِلَادِي أَخَذْتُ بِقَوْلِ مَنْ شِئْتُ مِنْهُمْ وَلَوْ عَنَّا مِنْ شِئْتُ مِنْهُمْ وَلَوْ أَخْرَجَ مِنْ قَوْلِهِمْ إِلَى قَوْلِ غَيْرِهِمْ فَمَا إِذَا انْتَهَى الْمَرَاوِجَاءُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِيِّ وَابْنِ سِيرِينَ وَالْحَسَنِ وَعَطَاءٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَدَّةٍ رَجُلًا مَقُومًا اجْتَهَدَ وَأَخْلَجَ تَهْدِي كَمَا اجْتَهَدَ وَابْنِ سِيرِينَ وَالْحَسَنِ وَعَطَاءٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَدَّةٍ رَجُلًا مَقُومًا اجْتَهَدَ وَأَخْلَجَ تَهْدِي كَمَا اجْتَهَدَ

کہ میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ کو لیتا ہوں اور اگر کتاب سنت میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابہ کرام کے قول کو لیتا ہوں ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں لیکن سب حضرات صحابہ کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا اور جب معاملہ ابراہیمؑ، شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسنؒ، عطاءؒ، سعید بن المسیبؒ تک (اور ان کے علاوہ کچھ اور حضرات کے نام بھی گئے) پہنچتا ہے تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

اسی کے قریب قریب الفاظ شیخ الاسلام ابن عبد البرؒ کے بھی ہیں۔ (الانفتاح ص ۳۸) اور مولانا مبارکپوری صاحبؒ نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۲ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن حجر مکیؒ اور ملا علی بن القاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

ان كان في المسئلة حديث صحيح تبعه وان كان عن الصحابة والتابعين فكذلك والاقاس فالحسن القياس والاحتياط الحسن واللفظ له وذيل الجواهر ۲ ص ۴۷

اگر مسئلہ میں صحیح حدیث ہوئی تو آپ اس کی اتباع کرتے اور اگر حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ سے اس کا حکم ملتا تو ان کی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور عمدہ قیاس کرتے۔

علامہ ذہبیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ کے طریق سے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ :-

أَخَذُ بِكِتَابِ اللَّهِ فَمَا لَمْ أَجِدْ فَبَسَّنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ لَمْ أَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذْتُ بِقَوْلِ أَهْلِ بِلَادِي أَخَذْتُ بِقَوْلِ مَنْ شِئْتُ مِنْهُمْ وَلَوْ عَنَّا مِنْ شِئْتُ مِنْهُمْ وَلَوْ أَخْرَجَ مِنْ قَوْلِهِمْ إِلَى قَوْلِ غَيْرِهِمْ فَمَا إِذَا انْتَهَى الْمَرَاوِجَاءُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِيِّ وَابْنِ سِيرِينَ وَالْحَسَنِ وَعَطَاءٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَدَّةٍ رَجُلًا مَقُومًا اجْتَهَدَ وَأَخْلَجَ تَهْدِي كَمَا اجْتَهَدَ

اللہ والأشبار المصاح عنه المتی فشت فی
اییدی الثقات عن الثقات فان لعاجہ
بقول اصحابہ اخذ بقول من شئت واما
اذا انتہی الامر الی ابراہیم والشعبی والحسن
وعطاء فاجتہد کما اجتہدوا۔

(مصنف ابی حنیفہ ص ۱ طبع مصر لڈھبی)

حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور
ان آثار صحیحہ پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے ثقہ راویوں
میں پہنچ کر پھیل چکے ہوں، اگر اس میں بھی کامیابی نہیں
ہوتی تو میں آپ کے حضرات صحابہ کے اقوال میں سے
جس کو پسند کرتا ہوں لے لیتا ہوں اور جب ثبوت
ابراہیم، شعبی، حسن اور عطاء تک پہنچتی ہے تو انہوں
نے بھی اجتہاد کیا اور میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امام عبد الوہاب شہرانیؒ، امام ابن حجر مکیؒ اور امام سیوطیؒ امام صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ
آپ نے ارشاد فرمایا :-

ملاہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بالی ہو وای فعلی الرأس والعین وملاہ
عن اصحابہ تخیرنا وملاہ عن غیرہم فہم
رجال ونحو رجال (میزان ج ۱ ص ۲۰۱ طبع مصر لفظ
والخیرات الحسان ص ۲۰۱ و تبیین الصیغہ ص ۲۰۱)
کہ جو حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
ثابت ہو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں تو
وہ سر اور آنکھوں پر اور جو چیز آپ کے حضرات صحابہؓ
سے آئے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو اختیار
کر لیتے ہیں اور اگر غیر صحابہؓ سے آئے تو وہ بھی ہماری
طرح کے انسان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت امام صاحبؒ بھی بالاتفاق روایت کے اعتبار سے تابعی
ہیں اس لحاظ سے تابعین کے ساتھ ان کی تفقہ واجتہاد میں مزاحمت اور علمی اور تحقیقی رسد کشی
کوئی قابل انکار بات نہیں ہے اور ہم رجال ونحو رجال کتنا کوئی بے موقع اور بے محل اعتراض
ہے، اور حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی اس کے قریب الفاظ نقل کیے ہیں (المستند ص ۲۰۱ طبع مصر)
الوجہ الکرمی کا بیان ہے کہ

سمعت ابا حنیفۃ یقول اذا جلدنا الحدیث
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذناہ واذا
جاءنا عن اصحابہ تخیرنا واذا جاءنا عن
میں نے امام ابو حنیفہؒ سے سنت انہوں نے فرمایا کہ
جب ہم اسے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
پہنچتی ہے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جب ہم اسے

التابعین زاحمناهم (الانتقاء مکتبۃ طبع مصر لابن عبدالبر واللفظ له وتبیض الحمیفہ ص ۲۱۲ والجواهر المصنیہ ج ۲ ص ۲۴۹)
حضرات صحابہؓ کے اقوال آتے ہیں تو ان میں سے کسی کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر ہمارے پاس تابعین کے اقوال آتے ہیں تو ہم ان سے علمی مزاحمت کرتے ہیں اور حضرت ملا علی بن القاریؒ امام صاحب کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ:-

ما جاء عن الله ورسوله لا نتجاوز عنه وما اختلف فيه الصحابة اخترناه وملجاء عن غيرهم اخذنا وتركنا (ذیل الجواهر ص ۲۴۳)
بحکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں پہنچتا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس چیز میں حضرات صحابہؓ کا اختلاف ہوتا ہے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو چن لیتے ہیں اور غیر کے اقوال کو لیتے بھی ہیں اور چھوڑتے بھی ہیں۔

اور مولیٰ احمد بن مصطفیٰ امام صاحب کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:-

ما جاء ناعن الصحابة فعلى الرأس والعين وملجاء ناعن التابعين فهم رجال نحن رجال (مفتاح السعادة ج ۲ ص ۲)
جو چیز ہمارے پاس حضرات صحابہؓ سے پہنچتی ہے تو اس کو ہم سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں اور جو تابعین سے آتی ہے سو وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں۔

امام ابن حجر مکیؒ اور ملا علی بن القاریؒ ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ:-

ليس لاحد ان يقول برأيه مع كتاب الله تعالى ولا مع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا مع ما اجمع عليه اصحابه (الحديث ص ۲۱۲)
کسی شخص کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے سوا کسی رائے کا کوئی حق حاصل نہیں اور اسی طرح جس چیز پر حضرات صحابہؓ کا (اور امت) کا اجماع واقع ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں بھی کسی کو رائے پیش کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

الامة ذیل الجواهر ج ۲ ص ۲۴۳

ان تمام واضح اور روشن اقتباسات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ بات آشکارا ہو گئی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نہ تو کتاب و سنت اور اقوال حضرات صحابہؓ سے بے نیاز تھے اور نہ منکر بلکہ صاف طور پر وہ کھلے لفظوں میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اپنی رائے اور قیاس سے کام لیتا ہوں جب قرآن و حدیث اور اقوال حضرات صحابہؓ میں مجھے کسی حکم پر روشنی پڑتی نظر

نہیں آتی، اب اہل علم ہی انصاف سے فرمائیں کہ ایسے موقع پر محدث کامل فقیہ دوران اور عالم ربانی کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ آیا کُنْ عَافیت اور زاویہٴ غمبول میں خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہیے تھا؟ یا اپنی خدا داد بصیرت، علمی تفوق اور فتنی بصیرت کے تحت مشکل مسائل اور نوازل کی کتنی سلجھانی چاہیے تھی؟ اور اگر انہوں نے وقت کی اس اہم ضرورت کو اپنے ناخن تدبیر و تفقہ سے حل کر کے امت مسلمہ پر احسان کیا ہے تو اس کی وجہ سے کیا وہ داؤ تحمین کے مستحق ہیں یا باعثِ نفرین ہیں؟

وہ ایک عالم جسے جہاں نے خرچِ تحمین لوا کیا ہے

وہ ایک مومن جو لطفِ خالق کی برکتوں سے محروم ہے

امام موصوفؒ کے زمانہ میں بھی بعض کم فہم یا متعصب لوگوں نے ان کو رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے طعنہ دیا تھا جس کا جواب امام موصوفؒ نے یوں دیا کہ :-

عجبا للناس يقولون افنتي بالترجي ما افنتي
لو كانوا أشد الحذريات الحسان مكا وتبييض
الصيفه مكا والجواهر المضيه بامتن
لوگور پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتویٰ
دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث کے مطابق فتویٰ
دیتا ہوں :-

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ :-

لا تقولوا لابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ
ولکن قولوا انه تفسیر الحدیث -
تم یہ نہ کہا کرو کہ ابو حنیفہؒ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا
کہہ دو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے -

(ذیل الجواہر ج ۲ ص ۶۶)

امام عبداللہ بن المبارکؒ ہی فرماتے ہیں کہ :-

لیکن الذی نعتمد علیہ الاثر فخذ من الثلث
ما یفسر لك الحدیث (جامع بیان العلل
تیرا اعتماد حدیث پر ہونا چاہیے اور رائے و فہم سے
اتنا احتیاط ضرور حاصل کرو جو تیسرے لیے تفسیر
حدیث میں مدد ہو -

(ج ۲ ص ۱۳۲)

امام صدرالائمہ مکیؒ اپنی سند کے ساتھ امام عبداللہ بن المبارکؒ سے نقل کرتے ہیں
انہوں نے فرمایا کہ :-

علیکہ بالاثرو لا بد لاثر من ابی حنیفۃ
 فیعرف بہ تاویل الحدیث ومعناہ ۱۱
 حدیث واثرا کا لینا تم پر لازم ہے لیکن اثر کے لیے
 امام ابو حنیفہؒ کی ضرورت ہے تاکہ ان کی وجہ سے
 حدیث کی تفسیر اور اس کا معنی سمجھا جاسکے۔
 (مناقب موفق ج ۵ ص ۵۳)

اور علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام عبد اللہ بن المبارکؒ سے روایت کرتے
 ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

ان کان الاثر قد عرفت واحتیج الی الترائی
 فرائی مالک وسفیان وابی حنیفۃ وابو حنیفۃ
 احسنهم وادقہم فطنۃ واعوضہم علی الفقہ
 وھما فقہ الثلاثۃ ۱۲
 اگر اثر و حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت
 پیش آئے تو امام مالکؒ، امام سفیانؒ
 اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے
 اور ابو حنیفہؒ ان سب میں فقہ کی تہ تک پہنچنے
 والے اور ان تینوں میں بڑے فیتہ رہتے۔
 (بغدادی ج ۱۲ ص ۲۴۲)

یہ رائے کبھی تو حدیث کے منطوق کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی مضموم کے موافق۔ اگر
 حدیث سے اس طرز استدلال کا کسی نے اندازہ لگنا ہو تو وہ حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث
 امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کے ابواب و تراجم سے لگا سکتا ہے کہ بعض مقامات میں حافظ الدنیا
 امام ابن حجر عسقلانیؒ جیسے اساطین حدیث و فقہ بھی حدیث اور ترجمہ الباب کی تطبیق کئے ہیں حیران
 و ششدر رہ جاتے ہیں اور توجیہ پر توجیہ کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ظاہری طور پر دعویٰ اور دلیل
 کی مطابقت نظر نہیں آتی۔ مگر نہایت باریک بینی سے کام لیا جائے تو ہوتی ضرور ہے اسی
 لیے کہا گیا ہے کہ فقہ البخاری فی الابواب والمترجم۔

انتہائی ناٹمٹ کی بات ہے کہ اگر کوئی ایسی ہی دقیق اور باریک فقہی دلیل حضرت امام ابو حنیفہؒ
 کسی حدیث سے استنباط کرتے ہیں تو جھٹ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث کے مخالف و منکر ہیں
 اور علمی ترکش اس مقام میں توجیہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور بدگمانی اور سوء ظن کا تلامذہ خیر سمنہ سینوں
 اور سفینوں میں ابلنے لگتا ہے اور جی بھر کر کہنے والے ان کہنی باتیں کہہ گزرتے ہیں۔

مشہور محدث علی بن خشرمؒ (المتوفی ۲۵۴ھ) جو فقہ تھے تہذیب ج ۱ ص ۲۱۶ کا بیان ہے کہ :-

کنا فی مجلس سفیان بن عیینۃ قتال ۱۳
 ہم امام سفیان بن عیینہؒ کی مجلس میں تھے انہوں نے

اصحاب الحدیث تعلموا فقه الحدیث لہ
 فرمایا کہ اے اصحاب الحدیث تم حدیث میں تفقہ
 پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحاب اللہ نے تم پر غالب آجائیں
 شیخاً أو یغن نردی فیہ حدیثاً أو حدیثین لہ
 امام ابوحنیفہؒ نے کوئی چیز ایسی نہیں کہی جس میں ہم ایک
 (ومعرفة علوم الحدیث طبع القاہرہ)
 یاد و حدیثیں نہ روایت کرتے ہوں۔

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ اصحاب اللہ نے کام تفقہ فی الحدیث رکھا ہے۔
 یہی وجہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہؒ اصحاب الحدیث کو اصحاب اللہ کی طرح تفقہ فی الحدیث
 کی ترغیب دے رہے ہیں اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ جو کچھ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا
 ہے اس میں بقول امام سفیان بن عیینہؒ ایک یاد و حدیثیں موجود ہیں، اس سے زیادہ امام صاحبؒ
 کی رائے وہ فقہ کے حدیث کے مطابق ہونے کی اور کیا دلیل درکار ہے کہ امام حدیث اس کی تائید
 کرتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ نے جو کچھ کہا ہے ہم اس میں ایک یاد و حدیثیں ملت
 کرتے ہیں گویا امام صاحبؒ کا قیاس واجتہاد عین حدیث کے مطابق نکلا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ قرآن و حدیث کی موجودگی میں اور
 حضرات صحابہؓ کے اقوال و آثار کے ہوتے ہوئے ہرگز رائے اور قیاس کا کام نہ لیتے تھے اور نہ
 ان کی رائے احادیث و آثار سے بے نیاز ہوتی تھی۔ امام ابو القاسم عثمان بن محمد بن عبداللہ بن سالم
 التیمی (المقتویؒ) نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے کہ :-

وضع القیاس ابوحنیفہؒ کلہ
 فاتی باوضح حجة و قیاس
 تمام قیاس کی بنیاد ابوحنیفہؒ نے رکھی ہے
 اور اس میں انہوں نے واضح حجت اور قیاس کا کام لیا
 وبنی علی الآثار رأس بنائہ
 فانت عوامہ علی الاساس

اور انہوں نے اپنے قیاس کی عمارت احادیث پر رکھی
 اس لیے اسی بایکیاں مضبوط بنیاد پر کھڑی ہیں
 باوجودیکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے و قیاس کی بنیاد قرآن و سنت اور حضرات صحابہؓ کے
 کے اجماعی مسائل پر قائم ہے اور باوجود اس کے کہ امت کی اکثریت ان کی اصابت رائے کی
 تعریف کرتی اور ان پر اعتماد کرتی ہے۔ معذرا ان کی وسعت نظری اور علم دوستی کا حال یہ تھا
 کہ وہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرماتے تھے کہ :-

هذا الذي نحن فيه رأى لا يُجبر لعدا عليه
ولا نقول يجب على احد قبوله بکراهية
فمن كان عنده شيء احسن منه فليأت
به امر (الاستقراء منكم) واللفظ له والخيرات
یہ جو ہم نے اختیار کی ہے رائے ہے ہم اس پر کسی
کو مجبور نہیں کرتے اور نہ کہتے ہیں کہ بکراہت اس
کا قبول کرنا کسی پر واجب ہے، اگر کسی کے پاس اس
سے بہتر رائے ہو تو وہ اس کو لے آئے۔
(الحسان ص ۲)

علامہ خطیب بغدادیؒ امام صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ :-

هذا رأى وهو احسن ما قدرنا عليه فمن
جاءنا باحسن من قولنا فهو اولى بالصواب
مننا. (مآرجع بغداد ج ۱۳ ص ۲۵۲)
یہ وہ اچھی رائے ہے جس پر ہم قادر ہوئے ہیں اور
جو شخص ہمارے قول سے بہتر قول ہمارے پاس لائے
تو وہ ہمارے قول سے زیادہ اولیٰ اور بہت درست
ہوگا۔

اور امام شعرانیؒ ان سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ :-

وكان اذا افتحى يقول هذا لرأى ابى حنيفة
وهو احسن ما قدرنا عليه فمن جاءنا
منه فهو اولى بالصواب اه
(میزان ج ۱ ص ۱۷ طبع مصر)
جب وہ فتویٰ دیا کرتے تھے تو صاف فرماتے تھے
کہ یہ ابو حنیفہؒ کی رائے ہے جس پر ہم غلگی کے ساتھ
قادر ہوئے ہیں جو شخص اس سے بہتر رائے پیش کئے
تو اس کی رائے زیادہ قابلِ قدر ہوگی۔

انذارہ کیجئے اس بے نقی اور تواضع کا کہ اپنی رائے کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور
نہ اپنی رائے بکجروکراہت کسی کے گلے میں مڑھنا چاہتے ہیں، بایں ہمہ تقریباً نصف امت
سے زیادہ حضرات نے ہر دور میں ان کی رائے کو محض اس لیے قبول کیا ہے کہ حضرات صحابہؓ
کرامؓ کے بعد پوری امت میں ان کی رائے سے بہتر رائے کسی کی ان کو نظر نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے
کہ چوٹی کے محدثین کرامؓ اور فقہاء عظامؓ ان کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی پیروی کرتے
ہے ہیں جیسا کہ یہ اپنے مقام پر مصرح ہے۔

الحاصل بلاشبک امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب اہل الرائے ہیں مگر مذموم اور قبیح رائے
کا انہوں نے ہرگز ارتکاب نہیں کیا اور نہ فی نفسہ اہل الرائے ہونا کوئی موجب تفیض امر اور باعث

تو بہن صفت ہے۔ ہاں اگر کوئی جاہل یا متعصب اخلاقی پستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا تشریح کے پھوٹے پھوٹے رائے اور اہل الرائے کی تذلیل کرتا یا ان سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے تو اس کا علاج اس جہان میں کچھ نہیں ہو سکتا، آنے والے جہان ہی میں اس کی قلعی کھلے گی انشاء اللہ العزیز۔

پہنا نچہ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

اعلم انه يتعين عليك ان لا تفهم من اقوال العلماء عن ابي حنيفة واصحابه انهم اصحاب الراي ان مرادهم بذلك تنقيصهم ولا نسبتهم الى انهم يقدمون رايهم على سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا على قول اصحابه لانهم يتركون ذلك فقد جاعل ابي حنيفة من طرقت كثيرة ما ملخصه انه اول ما يأخذ بما في القرآن فان لم يجد في السنة فان لم يجد فيقول الصحابة فان اختلفوا اخذ بما كان اقرب الى القرآن او السنة من اقوالهم ولم يخرج عنهم فان لم يجد لاحد منهم قوله يأخذ بقول احد من التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا - اهـ

(الخيرات الحسان ص ۲۶ و ۲۷ طبع مصر)

مجھے جاننا چاہیئے اور تم پر یہ بات لازم ہے کہ تم علماء کے ان اقوال سے جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے کہا ہے یہ نہ سمجھو کہ وہ اس سے ان کی تنقیص کرنا چاہتے ہیں اور نہ ان کی اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی رائے کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہؓ کے قول پر مقدم کرتے ہیں حاشا وگلا وہ اس سے بالکل بری اور بیزار ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہؒ سے متعدد طرق سے یہ آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتے تھے، اگر اس میں ان کو حکم نہ ملتا تو سنت پر عمل کرتے تھے، اگر سنت بھی نہ ملتی تو حضرات صحابہؓ کا قول لیتے، اگر حضرات صحابہؓ کا اختلاف ہوتا تو ان کا جو قول قرآن یا سنت کے قریب تر ہوتا اس کو لے لیتے اور ان کے قول سے خارج نہ ہوتے اور اگر حضرات صحابہؓ کا قول بھی ان کو نہ ملتا تو تابعین کا قول نہ لیتے بلکہ حبیب الکرمؒ نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح وہ خود بھی اجتہاد کرتے تھے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول میں بالکل واضح ہے، مزید کی تفصیل کی محتاج نہیں ہے

اہم عبد الوہاب شہرانی الشافعی لکھتے ہیں کہ :-

فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام
ابلحیفة الى انه يقدم القياس على
حدیث رسول الله صلى الله عليه وسلم
اعلم ان هذا الكلام صدر من متعصب
على الامام متعمد في دينه غير متورع
في مقاله غافل عن قوله تعالى ان التمع
والبصر والفؤاد كل اولئك كان
عنه مسئولا اه

یہ فصل ان لوگوں کی بات کو ضعیف بتاتے ہیں
ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر مقدم کرتے
ہیں جاننا چاہیئے کہ یہ کلام امام موصوف کے بارے
میں اس شخص سے صادر ہوا ہے جو متعصب و دین
میں بے باک اور گفتگو میں پرہیز کرنے والا نہیں ہے
اور وہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے غافل ہے کہ
بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے
میں اس سے پوچھ ہوگی۔

(میزان جلد اولہ طبع مصر)

اور اس پر اچھی خاصی بحث کرنے کے بعد آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

فعله من جميع ما قدرناه ان الامام لا
يقس ابدا مع وجود النص كما يزنه
المتعصبون عليه وانما يقس
عند فقد النص اه

ہم نے جو بحث کی ہے اس سے بخوبی یہ معلوم ہو
گیا ہے کہ امام موصوف نص کی موجودگی میں کبھی قیاس
نہیں کرتے تھے جبکہ متعصبین نے ان پر الزام لگایا
ہے، ہاں وہ اس وقت قیاس کرتے تھے جب
نص موجود نہیں ہوتی تھی۔

(میزان ج ۱ صفحہ ۱۸۱)

اور پھر آگے رقمطراز ہیں کہ :-

فأولهم تنبها من كل رأي يخالف
الشرعية الامام الاعظم ابوحنيفة النعمان
بن ثابت رضي الله عنه خلافت ما يضيفه
اليه بعض المتعصبين ويا فضيحة اليوم
القيمة من الامام اذا وقع الوجه في الوجه
اه (میزان ج ۱ صفحہ ۱۸۱)

ان ائمہ میں سے سب سے پہلے غبر پر ہر ایسی رائے سے
جو شریعت کے مخالف ہو بیزار ہونے والے امام اعظم ابوحنیفہ
ہیں برعکس اس کے کہ جو خیال متعصب لوگ ان کی
طرف نسبت کرتے ہیں کیا ہی رسوائی ہوگی ایسے
متعصب کی قیامت کے دن جب کہ وہ اہم جناب
کے روبرو ہوگا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ امام موصوف اور آپ کے اصحاب کی یہ صفائی پیش کرنے والے حقیقی نہیں تاکہ مذہبی تعصب یا ہٹ دھرمی کا الزام ان پر عائد نہ کیے ان کی تصریحات کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ حضرات شافعی المسلک ہیں اور امام شہرانیؒ تو وہ بزرگ ہیں جن کی متعدد عبارات سے مولانا میر صاحب نے تاریخ الحمد میث میں اور موقوف نتائج التقلید نے (مثلاً دیکھئے ص ۷ وغیرہ) استدلال و احتجاج کیا ہے، اور ان کے علم و دیانت پر کئی اعتراف کیا ہے۔

یہی امام شہرانیؒ باوجود شافعی ہونے کے اصناف کے دلائل و براہین کی قوت سے متاثر ہو کر بیابگ و ہل یہ فرماتے ہیں کہ:-

فصل فی تضعیف قول من قال ان ادلة
مذهب الامام ابی حنیفة ضعیفة غالباً علم
یا اخی اتی طالعت بحمد الله تعالى ادلة
المذاهب الاربعة لاسیما ادلة مذهب الشیخ
ابی حنیفة رضی الله عنه فانی خصصته بعزید
اعتناء و طالعت علیه کتب تخريج احادیث
الهدایة للمحافظ الذیلعی وغیره من کتب الشروح
فرایت ادلته رضی الله عنه و ادلة اصحابه
ما بین صیغ او حسن او ضعیف کثرت طرقة
حتی لحق بالحسن او الصیح فی صفة الاحقاج
به من ثلاثة طرق و اکثر لی عشرة اه
(میزان ج ۱ ص ۵ طبع مصر)

یہ فصل ان لوگوں کے اس قول کی تضعیف میں ہے جو
یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے دلائل غالباً
ضعیف ہیں اے میرے بھائی تو جان لے کہ بے شک
میں نے بحمد اللہ تعالیٰ مذاہب اربعہ کے دلائل کا مطالعہ
کیا ہے اور خصوصیت سے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے
دلائل کا سو میں نے ان کے مذہب کو دلائل کے مزید
اہتمام کے ساتھ دیکھا ہے چنانچہ میں نے احادیث
ہدایہ کی تحریر پر جس حافظ طبعی کا نصب الرایہ اور اسی
طرح اور کتب شریعہ دیکھی ہیں، میں نے امام صاحبؒ اور
ان کے اصحاب کے ادلة ملاحظہ کئے ہیں جو صحیح یا حسن
حدیث کی طرف راجع ہیں یا ایسی ضعیف حدیثیں
ہیں جو کثرت طرق کی وجہ سے حسن یا صحیح کے ساتھ جا
مٹی ہیں اور تین سے دس طرق تک سے مروی ہیں
جن سے احتجاج صحیح ہوتا ہے۔

امام شہرانیؒ ہی کہتے ہیں کہ:-

وانه ما طعن احدی قول من اقوالهم الا

جس شخص نے ان ائمہ کے کسی قول پر طعن کیا ہے تو محض

لہذا یہ امامین حیث دلیلہ و امامین حیث
دقۃ مدارک علیہ لایسما الامام الاعظم
ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ
عنہ الذی اجمع السلف والخلف علی کثرۃ
علمہ وورعہ وعبادتہ ودقۃ مدارکہ و
استنباطاتہ (میزان جلد ۱ ص ۵۶)

جمالت کی وجہ سے کیا ہے، یا تو وہ دلیل کو نہیں
سمجھ سکا اور یا وہ وجہ قیاس کی باریکی کو نہیں سمجھ سکا
خاص کر امام عظیم ابو حنیفہ پر طعن تو قابل التفات
ہی نہیں کیونکہ سلف و خلف ان کے کثرت علم،
ورع، عبادت و وجہ قیاس و مدارک اور استنباطات
کی وقت اور باریکی پر شفق رہتے ہیں۔

مشہور محدث ابو جبر الآجری (المتوفی ۳۵۵ھ) نے امام ابو حنیفہ کے بارے میں بعض سے
یہ نقل کیا تھا کہ نہ ان کے پاس رائے ہے اور نہ حدیث۔ اس قول کو نقل کر کے امام شعرائیؒ
لکھتے ہیں کہ:

فان المحس لا یصدق هذا القائل فوجا
قاله فی حق الامام ابی حنیفۃ وقد
تثبت بحمد اللہ اقوالہ واقوال اصحابہ
لما لفت کتاب ادلة المذاهب فلم اجد
قلدا من اقوالہ واقوال اتباعہ وهو مستند
الی ایۃ اوحدیت او اشر او مفہوم ذالک
حدیث ضعیف کثرت طرقہ والی قیاس
صحیح علی اصل صحیح الخ

اس قائل نے امام ابو حنیفہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے
حق اس کی تصدیق نہیں کرتی کیونکہ میں نے بحمد اللہ
تعلیٰ جب کتاب ادلة المذاهب تالیف
کی تو اس وقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے
دلائل دیکھے ہیں میں نے ان کا اور ان کے اصحاب
کا کوئی قول ایسا نہیں دیکھا جو آیت یا حدیث یا
اثر یا اس کے مفہوم یا ضعیف حدیث جس کے
طرق متعدد ہوں یا کسی ایسے قیاس کی طرف مستند
ہو جو اصل صحیح پر مبنی ہے۔

(میزان ج ۱ ص ۵۶)

اگر یہ حوالہ کسی حنفی عالم کا ہوتا تو مشہور کماوت کے مطابق گھر کی مرغی وال برابر کہہ کر
اس کو ٹرنا یا جاسکتا ہے مگر یہ حوالے تو امام عبد الوہاب کے ہیں جو بقول میر صاحب کے شافعی تھے
لیکن بہت متاویب و حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۱) اور یہ بیان بھی وہ مذاہب اربعہ
کے دلائل کا موازنہ کرنے کے بعد دیتے ہیں۔

خبر واحد قیاس پر مقدم ہے۔

فقہاء احناف کثر اللہ جامعہ ہم کی یہاں تک تصریحات موجود ہیں کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مستند اور متداول کتاب در مختار (مصنفہ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی الحنفی المتوفی ۷۵۸ھ) اور اس کی شرح رد مختار (مؤلفہ علامہ محمد امین الشافعی المتوفی ۱۲۵۲ھ) میں فقہانہ انداز سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

وقف علی اصحاب الحدیث لا یدخل فیہ
الشافعی اذا لم یکن فی طلب الحدیث وخیل
اگر کسی شخص نے اصحاب الحدیث پر کوئی چیز وقف
کی تو شافعی المسلک اس میں داخل نہ ہوگا تاؤتیکہ وہ
حدیث کی طلب نہ کرتا ہو اور حنفی اصحاب الحدیث
الحنفی کان فی طلبہ اولاً۔

کے نمرہ میں داخل ہے عام اس سے کہ وہ طلب
حدیث میں مصروف ہو یا نہ ہو۔

اور اس کی دلیل اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:-

لکونہ یعمل بالمرسل ولقد یم خبر الواحد
علی القیاس رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۹
اس لیے کہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتا ہے
اور خبر واحد کو قیاس پر مقدم سمجھتا ہے (لہذا وہ

الحدیث کا اولین مصداق ہے)

اس عبارت سے جہاں صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے
اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر مطلقاً اصحاب الحدیث کا لفظ بولا جائے تو اس سے احناف ہی
مراد ہوں گے کیونکہ وہ مرسل حدیث کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور شافعی المسلک مرسل کو تسلیم نہیں
کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام احادیث کو ماننے والے ہی اہل حدیث ہوں گے اگرچہ وہ
طلب حدیث میں مصروف نہ بھی ہوں کیونکہ وہ اصولاً سب کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں اگر
شافعی المسلک حضرات طلب حدیث میں مشغول ہوں تو اس وجہ سے وہ بھی اصحاب الحدیث
کا مصداق ہو سکتے ہیں اور وقف کے حقدار ہیں۔ مرسل حدیث کے حجت ہونے کے بارے
میں ہم نے اپنی مبسوط کتاب احسن الکلام میں باحوالہ بحث عرض کر دی ہے وہاں ہی اس کا
مطالعہ کر لیجئے۔

انتہائی حیرت اور سخت تعجب کی بات ہے کہ زمانہ حال کے نوایجاد فرقہ نے اہل حدیث کا لقب دوسروں کے گھروں سے چھین کر اپنے لیے الاٹ کر رکھا ہے اور ان کو اصحاب الحدیث یا اہل حدیث کہنے اور لکھنے پر بھڑکے سے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اپنے مقام پر اس کی بحث آئے گی انشاء اللہ العزیز مگر انقلاب زمانہ اور رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ غیر معتدین کا تعصب بھی عروج پر ہے۔ باقی رہا غیر معتدین حضرات کا یہ بے جا وہم کہ حنفی صیغہ حدیث کے مخالفت ہیں یا وہ اس وقت بھی اپنے اہم کے قول کو اخذ کرتے ہیں جب کہ اس کے خلاف کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو یہ صرف ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اور بس، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الحنفی تقلید واجب اور حرام کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے تقلید واجب کی نشانی بتاتے ہیں کہ :-

وامارۃ هذا التقليد ان يكون على بقول
المجتهد كالشروط بكونه موافقا للسنة
فلا يزال متفحصا عن السنة بقدر
الامكان فمخفى ظہر حدیث یخالف قوله
هذا اخذ بهذا الحديث والیہ اشار الائمة
(عقد الجید ص ۷۸ طبع لاہور)

اور اس تقلید کی نشانی یہ ہے کہ مقلد کا عمل مجتہد کے قول پر اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ سنت کے موافق ہو اور وہ بقدر امکان سنت کا متلاشی ہو۔ جب اس قول کے خلاف حدیث ظاہر ہو جائے جو اس قول کے مخالف ہو تو حدیث پر عمل کرے اور اسی کی طرف ائمہ نے اشارہ کیا ہے۔

اور تقلید حرام کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

فان بلغه حدیث واستیقن بصحته ولم
يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد
فهذا اعتقاد فاسد وقول كاسد
لیس فیہ شاهد من النقل والعقل وما
كان احد من القرون السابقة يفعل
ذالك (عقد الجید ص ۸۵)

اگر اس کو حدیث پہنچ جائے اور اس کی صحت کا اُسے یقین بھی آجائے مگر بائیں ہمہ وہ اس کو اس لیے قبول نہیں کرے کہ اس کا ذمہ تقلید سے مشغول ہے تو یہ اعتقاد فاسد اور کھوٹا قول ہے اور نقل و عقل اس کی شہادت نہیں دیتے اور قرون ماضیہ میں ایسا کوئی نہیں کرتا تھا۔

علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ :-

اذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب
عمل بالمحدث ويكون ذلك مذهبه ولا
يخرج مقلده من كونه خفيا بالعمل به فقد
صح عنه انه قال اذا صح الحديث فهو
مذهبي. (شامی ج ۱ ص ۲ طبع مصر)

جب حدیث صحیح ثابت ہو اور مذہب کے خلاف
ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے اور حدیث پر عمل کرنا امام
ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرنا ہے اور اس وجہ سے
ان کا مقلد حتیٰ ہونے سے خارج نہ ہو گا کیونکہ امام
صاحبؒ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا
ہے (اسنوں نے فرمایا) کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی
میرا مذہب ہے۔

اور حضرت ملا علی بن القاریؒ احناف کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ:-

ان مذہبهم القوی تقدیر الحديث
الضعیف علی القیاس المجتہد الذی یحتمل
التنبیہ (مرقات ج ۱ ص ۲ طبع مصر)

احناف کا قوی مذہب یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث
کو بھی قیاس پر چوتزیف و کمزوری کا احتمال رکھتا ہے
مقدم سمجھتے ہیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ جو حضرات حدیث ضعیف کو بھی قیاس مجرّد پر مقدم سمجھتے ہوں ان
پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کو ترک کر دیتے ہوں گے؟ باقی اگر کسی حنفی
عالم کے کسی غلط استدلال سے یہ تاثر پیدا کر لیا گیا ہو تو یہ بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ جب
ہم حضرات مجتہدین کو معصوم عن الخطاء تسلیم نہیں کرتے تو غیر مجتہد کو یہ مقام کس طرح حاصل
ہو سکتا ہے؟ اور نہ ایسی خطاؤں پر حنفی مسلک کا مدار ہے کیونکہ بات ایسے اجتہاد اور قیاس
کی ہو رہی ہے جو صحیح ہو۔

ضعیف حدیث بھی رائے پر مقدم ہے۔

علماء احناف نے حدیث کے بارے میں جو احتیاط کی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی یہ الگ
بات ہے کہ دائرہ تحقیق میں رہ کر ان سے علمی مناقشہ کیا جاسکتا ہے اور ان کی عائد کردہ شرطوں میں
شدت اور سہل انگاری پر گرفت کی جاسکتی ہے، یہ علمی میدان ہے اور اس میں انصاف و بیانت
کے ساتھ ہر اہل علم کو اختلاف رائے رکھنے کا حق حاصل ہے مگر امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب ضعیف
حدیث کو بھی قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن حجرؒ مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقال ابن حزم جميع اصحاب ابي حنيفة
مجمعون على ان مذهبه ان ضعيف
الحديث اولى عنده من القياس
علامة ابن حزم فرماتے ہیں کہ تمام اصحاب امام حنیفہ
اس پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث امام صاحب کے
نزدیک قیاس (وٹائے) سے اولیٰ ہے۔
(الحیثیات الحسان ص ۲۷)

اور نواب صاحب لکھتے ہیں کہ :-
وذكر ابن حزم الاجماع على ان مذهب
ابي حنيفة ان ضعيف الحديث اولى
عنده من الرأى والقياس اذا لم يجب
في الباب غيره (دلیل الطالب ص ۸۸)
امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع واقع
ہو چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف
حدیث ان کے نزدیک قیاس وٹائے سے اولیٰ ہے
جب کہ اس باب میں اس کے بغیر اور کچھ نہ مل سکے۔

کیسے اور کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جب حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی یہ ہے
کہ ضعیف حدیث بھی قیاس وٹائے سے اولیٰ ہے اور اس پر علامہ ابن حزم جیسے وسیع النظر
محقق عالم اجماع نقل کرتے ہیں تو ان پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کے
مقابلہ میں وٹائے قائم کرتے ہیں اور بایں معنی وہ صاحب الرائے ہیں کہ قرآن و حدیث کو محل التردد
میں درغور اعتناء ہی نہیں سمجھتے (معاذ اللہ) اور ان کا اثاثر اور دلائل وبراہین کی کائنات
ہی فٹ وٹائے ہے یہ خیال کس قدر غلط ہے بنیاد اور محض جہل و تعصب کی پیداوار ہے
نعوذ باللہ من شرور النساء۔

چنانچہ علامہ خطیب بغدادی اور امام سیوطی مشہور محدث عبداللہ بن داود الخریزی (المؤنی
ص ۲۱۳) جو الحافظ الامام اور القدومتی جاتذکرہ ص ۳۸۸ سے نقل کرتے ہیں۔
انہوں نے فرمایا کہ :-

الناس في ابي حنيفة حاسد وجاهل و
احسنه عندى حادو الجاهل۔
(بغدادی ج ۱۳ ص ۲۶۷ و تبیض الصیف ص ۲۲)
لوگ ابو حنیفہ کے بارے میں حاسد اور جاہل واقع ہوئے
ہیں اور میرے نزدیک ان میں سے اچھی حالت
والا جاہل ہے۔

اور امام عبداللہ بن المبارک، قاضی الحسن بن عمارہ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ

انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فرمایا کہ وہ۔ لوگ آپ کے بارے میں محض حد کی وجہ سے
وما یتکلمون فیہ الا حسدا۔ کلام کرتے ہیں۔

(بعندادی ج ۱۳ ص ۲۶۷)

یہ یاد رہے کہ جاہل سے یہ مراد نہیں کہ ان میں کلام کرنے والے علم ہی سے جاہل ہیں بلکہ جاہل
سے مراد یہ ہے کہ باوجود محدث فہیتہ اور عالم دین ہونے کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے صمیم
علم اور طرز استدلال اور فتاہت کے انداز سے ناواقف ہوں یا اس طور کہ ان کا زمانہ نہیں پایا،
ان سے اور ان کے اصحاب سے تنفر کی بنا پر ان کی کتابیں نہیں دیکھیں یا حاسدین کے غلط پوسگینڈا
سے متاثر ہو کر امام صاحب کے علمی مقام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی وغیرہ اللہ۔ اس
مقام پر الجاہل کے لفظ سے ایسے ہی حضرات مراد ہیں اگرچہ وہ اپنے مقام پر اکابر محدثین، ائمین
علم اور پایہ کے محققین ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ کے سامنے جب کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی
کرتا اور برائی کے ساتھ ذکر کرتا تو وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ:-

حسد والفتی اذلہ بنا لوافضلہ فالقوم اعداء له وخصوم
لوگوں نے اس نجان سے حد کیا جو اس کے رب کو نہ پہنچ سکے سو قوم ان کی مخالفت اور دشمن بنی ہوئی ہے
کضائر الحسناء قلن لنزوجهما حسداً وبغیا انہا لدمید
جس طرح خوب و عورت کی سکنیں اس کے غاوند سے جدا اور زیادتی کرتی ہوئی یہ کہتی ہیں کہ وہ تو بد صورت ہے
(ذیل المجموعہ ج ۲ ص ۴۶۸)

حافظ ابن عبد البر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ونقموا ایضاً علی ابی حنیفۃ الاربعا ومن
اہل العلم من یشنب الی الاربعا کثیر
لعمین احد بنقل قبیح ما قبل فیہ کاعنوا
بذلک فی ابی حنیفۃ لامامتہ وعان ایضاً
مع هذا یحسد ویئنب الیہ مالیس فیہ و
لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی اربا کی وجہ سے بھی
عیب جوئی کی ہے اور اہل علم میں سے بہت سے
حضرات ایسے ہیں جو اربا کی طرف نسبت کئے گئے
ہیں لیکن جس طرح امام ابوحنیفہؒ کی امامت کی وجہ سے
اس میں براہین و مزاوی گئی ہے، اور ان کے متعلق ایسا

ویمتعلق علیہ ماز یلیق وقد اثنی علیہ
جماعۃ من العلماء وفضلواہ
(جامع بیان العلم باہم ۱۴ طبع مصر)

نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں ان کے ساتھ حد بھی کیا گیا
رہے اور ایسی چیزیں تراش تراش کر ان کی طرف نسبت
کی گئی ہیں جو ان میں نہ تھیں حالانکہ علماء کی بڑی عبادت
نے ان کی تعریف بیان کی ہے اور ان کی فضیلت
کا اقرار کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے مرجع ہونے کی بحث ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے
ہیں۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے۔ ان صریح اقتباسات سے روز روشن کی طرح یہ
بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مثالب اور عیوب تراش تراش کر اور گھڑ
گھڑ کر بیان کرنے میں حاسدین کا بھی کافی سے زیادہ دخل ہے اور تاریخی اور محسوس واقعات کے
پیش نظر اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور غلط فہمی اور جہالت کی وجہ سے ان کے بارے میں غیر
صحیح نظریہ قائم کرنا تو دھکی چھٹی بات ہی نہیں ہے۔ اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ فہم و بصیرت
اور دیانت صرف نظر کر کے کوئی شخص امام صاحب کا مقام نہیں سمجھ سکتا۔

بھٹکتا ہی ہے گا اپنی منزل پر نہ پہنچے گا

نہیں ہیں رہروں سے جس کی آداب فریبا

اور اس میں امام ابوحنیفہؒ ہی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ جس کے ساتھ بھی ضد و عناد
ہوتی ہے یا جس کے علمی تفوق اور کمال کے ساتھ حسد ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایسی کاروائیاں
ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قائل کی مراد کو نہیں سمجھا جاتا اور
کو تاہ فہمی کی وجہ سے اس کے ساتھ اختلاف کی نسبت آتی ہے اور غلط کار لوگوں کے ناروا
پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر کسی نیک آدمی کے متعلق بھی غلط سے غلط نظریہ پیدا ہو جاتا
اس پر مستزاد ہے خصوصاً اُس دور میں جس میں نہ اخبارات تھے نہ ریڈیو اور نہ دیگر بصری
خبریں پہنچانے کے ذرائع اور نہ جلدی سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے مواقع
ہی آسانی سے دستیاب تھے اور نہ پریس اور مطالعہ تھے تاکہ بزرگوں کی اپنی کتابیں بکثرت
اور بجلت طبع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں اور وہ اصل کتابوں کو پڑھ کر ان کے

نظریات معلوم کر لیتے الغرض پہلے زمانوں میں تو کسی کے بارے میں غلطی فہمی کا ماتی رہ جانا کوئی زیادہ مستعد امر نہ تھا اس روشن دور میں باوجودیکہ غلطی فہمی کے اسباب کے اللہ کے لیے بے شمار ذرائع موجود ہیں اگر کوئی شخص بزرگان دین کے نظریات ملاحظہ کر کے بھی اپنی ضد کو ترک نہ کرے تو سوائے متعصب بننے اس کو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تعصب اور ضد سے محفوظ رکھے، اس کے بغیر کوئی اس سے نجات ملے ہی نہیں سکتا۔

باب ششم

مذموم رائے

بعض احادیث آثار صحابہ اور احوال علماء سے رائے کی مذمت اور قباحت بھی ثابت ہے جس سے حقیقت نا شناس ہتھکڑیاں اور غرض لوگوں نے بلا کسی تفصیل کے ہر قسم کی رائے کو مذموم ٹھہرانے کی نامہارک سعی کی اور سادہ لوح عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اہل الہائے کی دل کھول کر توہین کی ہے اور اس ناہموار راستہ کے فریضہ مطلب پرستی کی مغوس منزل تک رسائی حاصل کرنے کی بے جا کوشش کی ہے، اس لیے بہت زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عنوان کو بھی قویٰ وضاحت پیش کر کے اصل حقیقت کو بے نقاب کریں تاکہ اصلیت کے خوبصورت چہرہ ہمک پہنچا دیا نہ رہے اگرچہ وہ کوئی تیر نہماں نہیں ہے۔

نقاب رخ سے ہر جانب شعاعیں ٹھونکنے لگی ہیں
ابو اوچھٹنے والے، حسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

چنانچہ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:

ومن قال في القرآن بدأيه فليتبوأ مقعده
من النار (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۰ وقال حسن
جس نے قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو وہ نوزخ
میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۵)

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ ۱۔

من قال فی القرآن مبراہ فاصاب فقتہ (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۹)، البوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸
اور جس نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور
اس کی بات درست بھی نکلی تو اس نے خطا کی۔
(مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۵)

اس کی سند میں سہیل بن عبد اللہ واقع ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ فیر ہے۔ صرف
نظر اس کلام سے اس میں کیا شک و شبہ ہے کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر جو خود قرآن و سنت کی
روح کے خلاف ہو اور نرمی رائے سے ہو اس کے مذموم اور قبیح ہونے میں کیا کلام ہے؟ اور اگر
وہ صحیح بھی ہو جائے تو بھی اس لحاظ سے وہ غلط ہے کہ نرمی رائے سے اقدام کرنا جرم تھا۔
ایک روایت اس طرح آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت
شتر سے کچھ اوپر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان تمام فرقوں میں میری اُمت کے حق میں فتنہ
گردہ قوم ہوگی :-

یَقْسُونَ الْأُمُورَ بِرَأْيِهِمْ فَيَمْلُونُ الْحَرَامَ
وَيَجْرُمُونَ الْمُدَلَ (مسند کواکب ص ۳۳۳)
جو امور کو اپنی رائے سے قیاس کرے گی سو وہ حلال
کو حرام اور حرام کو حلال بنا کر ہی دم لے گی۔
وقال صحیح علی شرطہما وجمع الزوائد
ج ۱ ص ۱۷۱ و تاج البغدادی ج ۱۳ ص ۳۲۰

اس حدیث کے بارے میں حضرت امام بیہقی بن معین نے فرمایا ہے کہ لا اصل لہ
(اس کی کوئی اصل نہیں ہے) (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۲۰ میزن الاعتدال ج ۵ ص ۵۲۵ و تہذیب
التہذیب ج ۱ ص ۱۰۴) اور اس کی سند میں نعیم بن حماد واقع ہے جس پر کڑی جرح پہلے نقل کی جا چکی
ہے۔ امام حاکم نے اگرچہ اس کو صحیح علی شرطہما کہا ہے لیکن علامہ ذہبی نے شخص متدرک
میں سرے سے اس روایت کو نظر انداز کر دیا ہے اور امام حاکم چونکہ متساہل فی الحدیث ہیں (ملاحظہ ہو
احسن الکلام ج ۲ ص ۵۴۴) اس لیے ان کی اس تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس حدیث کے مختلف
طرق جمع کرنے میں بعض دیگر محدثین کی طرح علامہ خطیب بغدادی نے کم و بیش چار صفحات
میں مبسوط بحث کی ہے اور آخر میں فیصلہ یہ نقل کیا ہے کہ :-

فقال كل من حدث به عن عيسى بن يونس غير نعيم
 کہ عیسیٰ بن یونس سے جس نے بھی نعيم بن حماد کے علاوہ
 یہ روایت لی ہے تو وہ نعيم ہی کے طریق سے ہے۔ (۳)

مطلب یہ ہے کہ دار و مدار ہی نعيم بن حماد پر ہے اور وہ مکشوف الحال ہے۔ مولانا میر صاحب
 نے (تاریخ الحديث ص ۶۲ میں) نعيم بن حماد پر جرح نقل کرتے ہوئے اس حدیث پر بھی کلام کیا ہے
 وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ قطع نظر سند کی بجٹ کے یہ حدیث ان لوگوں کی مذمت میں ہے جو حلال
 یا حرام کو بلا ثبوت شرعی محض اپنے قیاس سے حرام یا حلال بنا دیں اور ظاہر بات ہے کہ حدیث و
 حرمت تو نص ہی سے ثابت ہو سکتی ہے تو ایسا قیاس جو نص کے مقابلہ میں ہو یقیناً مذموم ہے
 اور ایسے لوگ جو نص کے مقابلہ میں قیاس کرتے ہوں باعث صد نفرین ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان
 میں مولدوں (دوغلے) پیدا ہونے جو قیدیوں اور غلاموں کی اولاد سے تھے۔

فوضعوا الثلاثی فضلو (در قطبی ص ۴۸۶) سوانوں نے رائے پر عمل کیا اور نگرا ہو گئے۔

اسی سندیں بھی ہے تعلیق المغنی ص ۴۸۶ میں ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ ام ابیہم فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کی حدیث کے
 ترک پر متفق ہیں جو زبانی فرماتے ہیں کہ وہ کذاب تھا ام ابیہم جان فرماتے ہیں کہ اس کا جھوٹ بالکل واضح تھا (تہذیب التہذیب ص ۶۸)
 تعلیق المغنی ص ۴۸۶ میں مجمع الزوائد سے ہزار کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے جس میں ہے۔
 فافتوا بالرأي فضلو واضلوا۔

مگر اسکی سندیں قیس بن الربیع واقع ہے بعض محدثین اس کی توثیق کرتے ہیں اور اکثر انکی تضعیف کرتے ہیں ام ربیعؓ
 فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ابن معین انکو ضعیف الحدیث لیسادی شیعہ کہتے ہیں۔ ابن مینہ انکی تحت تضعیف کرتے ہیں
 ابوہریرہؓ انکو مخدور کہتے ہیں۔ یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ نسائی ان کو متروک الحدیث کہتے ہیں ام احمدؓ
 فرماتے ہیں کہ وہ شیعہ بھی تھا اور حدیث میں خطا کرتا تھا۔ ابن سعد ان کو ضعیف کہتے ہیں بخاری و القطبیؓ اور الراشد الحاکم
 بھی ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۹۳ تا ۳۹۵ محصلہ)

اور یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے (ابن جریر و مجمع الزوائد و غیرہ) مجمع الزوائد کی سنن ام ابیہم القطان نے
 تحجیم کی ہے لیکن اسکی سندیں وہی قیس بن الربیعؓ سے ہیں اور ابن ماجہ کی سندیں سوید بن جحید واقع ہے جس پر بعض محدثین نے فحاشا کلام کیا ہے
 (دیکھئے تہذیب التہذیب ص ۴۸۶) علاوہ ان میں مذکور رائے کی قیاحت اور برائی میں کیا کلام ہے؟ اسکی مزید تحقیق آگے ہی ہے انشاء اللہ العزیز۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ارشاد فرمایا کہ:-

ایاکم واصحاب الرائی فانہم اعداء السنن اعیتہم الحدیث ان یحفظوها فقالوا بالترائی فضلووا وضلوا۔
تم اصحاب رائے سے ہو کیونکہ وہ سنت کے دشمن ہیں، احادیث کا یاد کرنا تو ان کے بس کا روگ نہیں لہذا انہوں نے رائے پر عمل کر کے گمراہی اختیار کی اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۸۶)

اس کی سند میں مجاہد بن سعید واقع ہے۔ یہ بھی متکلم فیہ راوی ہے بعض اس کی توثیق اور اکثر اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ بن سعید ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان سے روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ امام احمدؒ ان کو محض بیع تصور کرتے تھے۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ لا یتجہ بحديثہ۔ داؤد او دئی کہتے ہیں، قوی نہیں، نسائی سے بھی ایک روایت میں ان کی تضعیف منقول ہے۔ ابن سعدؒ ضعیف کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ لا یجوز الاحتجاج بہ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۰ و ص ۴۱) کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔

انتہائی حیرت ہے کہ ایسی ضعیف و کمزور اور بے بنیاد حدیثوں سے رائے اور اہل رائے کی مذمت کی جاتی اور اس پر دائر تحمین حاصل کی جاتی ہے اور اپنے موقع و محل پر رائے کو استعمال کرنے کی صحیح حدیثوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حضرت سہل بن ضیف (المتوفی ۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ:-

یا ایہا الناس اتہموا رائیکم علی دینکم! اے لوگو! دین کے بارے میں اپنی رائے کو مستند نہ بنالیں (بخاری ج ۱ ص ۱۰۸ و مسلم ج ۲ ص ۱۰۸) اعتبار سمجھو۔

حضرت امام بخاریؒ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ:-

قال ابو عبد اللہ اتہموا رائیکم یتقول مالغ یکن فیہ کتاب ولا مننہ ولا ینبغی لہ ان ینفی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اپنی رائے کو مستند سمجھو، کا یہ معنی ہے کہ ایسی رائے جس میں کتاب و سنت نہ ہو تو ایسی رائے پر فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۸)

اور شرح حدیث اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ:-

ای لا تعملوا فی امر الدین بالرئی المجرّد تم دین کے بارے میں خالی رائے پر جو دین کے کسی اصل

الذی لا یستند علی اصل من الدین ۱۱ کی طرف مستند نہ ہو عمل نہ کرو۔

(ہامش بخاری ج ۲ ص ۱۰۸)

اور امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں ایک مستقل باب یوں قائم کیا ہے کہ :-

باب ما ینکر من ذم الزائی و تکلف باب کہ جس میں رائے کی مذمت اور تکلف قیاس

القیاس ۱۱ (ج ۲ ص ۱۰۸)

کرنے کا ذکر ہے۔

شرح حدیث بیان کرتے ہیں کہ :-

ای الذی یکون علی غیر اصل من الکتاب یعنی وہ رائے مذموم ہے جو کتاب سنت اور اجماع

والسنة والاجماع واما الزائی الذی یکون کے اصول پر مبنی نہ ہو اور وہ رائے جو ان تینوں میں سے

علی اصل من هذه الثلاثة فهو محمى وهو کسی اصل پر مبنی ہو تو وہ پسندیدہ ہے اور اس کو اجتہاد

الاجتهاد وقوله وتكلف القياس ای الذی کتھے ہیں اور تکلف قیاس سے ایسا قیاس مراد ہے جو

لا یکون علی هذه الاصول لانه ظن والظن ان تین اصول پر مبنی نہ ہو کیونکہ وہ نہ گمان ہے اور

رو واما القياس الذی یکون علی هذه الاصول ایاطن مردود ہے اور راہ و قیاس جو ان تینوں اصولوں

فغیر مذموم وهو الاعتبار والاعتبار مأمور میں سے کسی پر مبنی ہو تو مذموم نہیں اور وہ جو تھا اصل

فالقیاس مأمور به وذلك لقوله تعالى ہے جو ان تینوں سے مستنبط ہے اور قیاس کے معنی اعتبار

فاعتبروا لیا اولى الابصار فكان حجة کے ہوتے ہیں اور اعتبار مأمور بہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں لے نظر و بصیرت والو تم اعتبار کرو تو یہ

اعتبار و قیاس حجت ہے۔

(ہامش ج ۲ ص ۱۰۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :-

من احدث رأیا لیس فی کتاب اللہ ولم جس نے کوئی ایسی رائے قائم کی جو کتاب اللہ اور سنت

فھض به سنة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہ ہو تو معلوم

وسلم ویدر ماھومنه اذ القی اللہ عزوجل نہیں کہ جب اس کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہوگی

اس کا کیا حشر ہوگا؟

(دارمی ج ۱ ص ۱۰۸ طبع دمشق)

حضرت امام شعبیؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ جب تم سے جنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی کوئی حدیث بیان کریں تو اس پر عمل کیا کرو۔

وما قالوه براءتہ فالتقہ فی الحش۔

پھینک دو۔

(دارمی ج ۶ ص ۶۷)

اور ایسی ہی مذموم رائے سے ائمہ دین گریز کرتے تھے۔ امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ امام شیعہ

اتباع آثار و اخبار میں بہت سخت تھے اور (محض) قیاس و رائے سے بہت منع کیا کرتے تھے۔

(تاویل مختلف الحدیث ص ۶ طبع مصر)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکام کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ :-

لما رأی لاحد فی کتاب و انما رأی اللہ فیہ

کتاب میں کسی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ائمہ کی رائے

لم یغزل فیہ کتاب و لم تمض فیہ

ان چیزوں میں قابل اعتبار ہوگی جن میں کتاب اور

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی نہ پڑتی

ولما رأی لاحد فی سنتہ سنہا رسول اللہ صلی

ہو۔ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے

اللہ علیہ وسلم و دارمی ج ۶ ص ۶۷ طبع دمشق

میں کسی کی رائے قابل سماعت ہی نہیں ہے۔

وطبع ہند ص ۶۷)

ان تمام اقتباسات سے یہ ثابت ہوا کہ ایسی رائے قابل اعتبار نہیں جو کتاب و سنت

سے متصادم ہو یا جس رائے کی بنیاد کتاب و سنت اور اجماع ائمہ پر نہ رکھی گئی ہو۔ بخلاف

اس کے وہ قیاس اور رائے محمود اور مقبول ہے جو ان تینوں میں سے کسی اصل پر مبنی ہو اور اس کے

لیے متعدد دلائل موجود ہیں جن میں ایک اجتہادِ بریلوی کی مذکور حدیث بھی ہے جو تصحیح محدثین

نہجے ساتھ باحوالہ ذکر کر دی گئی ہے۔

حضرت امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی (المتوفی ۴۵۵ھ) حضرت عمرؓ سے یہ

روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر یہ فرمایا کہ اے لوگو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم جب رائے قائم کرتے تھے تو چونکہ آپ پر وحی آہی نازل ہوتی تھی، اس لیے آپ کی

رائے درست ہوتی تھی اور ہماری رائے تو ظن اور تکلف ہی ہے۔ آگے اس کی تشریح کرتے

ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

وانما اراد به والله اعلم الراي الذي لا يكون مثيها باصل وفي معناه ورد مروي عنه وعن غيره في ذكر الراي فقد روي عن اكثرهم اجتهاد الراي في غير موضع النص والله اعلم۔ رسنن الكبرى ج ۱ ص ۱۱ طبع دائرة المعارف حيد رآباد دكن)

اس سے واللہ اعلم ایسی رائے مراد ہے جو کسی اصل کے مشابہ اور اس پر معنی نہ ہو اور اسی کے معنی میں ہے جو حضرت عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے رائے کی مذمت میں وارد ہوا ہے۔ ہم نے اکثر کی یہ ولایت بیان کر دی ہے کہ جہاں نص نہیں ہوتی تھی تو وہاں وہ رائے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

حضرت امام بیہقیؒ کے اس واضح اور صریح قول سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ سے رائے کی مذمت کئے الفاظ آئے ہوں یا کسی اور سے، اس سے مراد یہ وہ رائے ہے جو اصول ثلاثہ کتاب و سنت و اجماع امت میں سے کسی اصل کے مشابہ اور اس پر متفرع نہ ہو اور جہاں نص موجود نہ ہو ایسے مقام پر رائے و اجتہاد سے کام لینا اکثر امت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنت میں ہو گا اور وہ ایسا قاضی ہو گا جو حق کو پہچانے اور اس کے مطابق اُس کا اجتہاد واقع ہو۔ اور دوسرا وہ جس میں جائیں گے۔ ایک وہ ہے جو عداوت حق کے خلاف فیصلہ کرے، اور دوسرا وہ ہے۔

اجتہاد رائیہ فلخطاء امام بیہقیؒ اس کی تفسیر الوہابیہ (المتوفی ۹۱۳ھ) سے نقل کر کے اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ :-

ان الخبر ورد فيمن اجتهد رايه وهو من غير اهل الاجتهاد فان كان من اهل الاجتهاد فلخطاء فيما ليسوع فيه الاجتهاد رفع عنه خطاؤه انشأه الله تعالى بحكم النبي صلى الله عليه وسلم في حديث عمرو بن العاص والي هذيرة الخ (رسنن الكبرى ج ۱ ص ۱۱)

کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں آئی ہے جو اپنی رائے سے اجتہاد کرے مگر اہل اجتہاد سے نہ ہو سو اگر وہ اہل اجتہاد سے ہو اور ایسی چیز میں اجتہاد کرے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے تو اس سے انشاء اللہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے خطا بالکل رفع ہو جائے گی۔

حضرت عمرؓ و بن العاصؓ (المتوفی ۳۳ھ) کی روایت یوں ہے :
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :-

اذا حکم الحاكم فاجتهد فاصاب فله ؛ جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد
 اجماع و اذا حکم الحاكم فاجتهد فاطلأ فله ؛ درست نکلے تو اس کو دوسرا اجر ملے گا اور اگر اس کے
 اجماع (بخاری ج ۲ ص ۹۲ و مسلم ج ۲ ص ۱۸۷ و سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۷)

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت بھی انہی الفاظ کے ساتھ (مذکورہ کتب اور سنن الکبریٰ
 ج ۱ ص ۱۸۷ وغیرہ میں) آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اہل اجتہاد سے نہ ہو اور اجتہادی مسائل میں ٹانگ
 اڑاتا ہو تو وہ بھی قصور وار ہوگا۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اہل اجتہاد ہونے کا شاید ہی کوئی کوڑا
 معزز اٹکا کرے۔ دیگر علماء کی شہادتیں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مجتہد ہونے کی تو اپنے مقام پر
 مذکور ہیں لیکن غیر مقلدین حضرات کے شیخ الكل حضرت مولانا السید نذیر حسین صاحب دہلویؒ
 (المتوفی ۱۳۲۳ھ) جن کی تعریف میں مؤلف منہج التقلید نے کافی صفحات لکھے ہیں حضرت امام
 ابوحنیفہؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ :-

امامنا وسيدنا ابوحنيفة النعمان افاض الله بهائے امام اور ہماری سرور ابوحنیفہ نعمان اللہ تعالیٰ
 عليه شايب الغفوة والغفران (معيار الحق ص ۳) ان پر غفور و مغفرت کی مولا دھار بارشیں نازل فرمائے۔
 اور پھر آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

”ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے، ان کے فضائل
 میں اور آیت کریمہ ان اکرمك عند الله انفاك زينت بخش مراتب ان کے
 لیے ہے۔“ (معيار الحق ص ۳ طبع چٹان پریس لاہور و تاج اہل حدیث ص ۳۷)

نمائندہ حال کے صاحب تصنیف غیر مقلد عالم مولوی محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے
 ہیں کہ :- خدا کی توفیق اور اس کا فضل آپ کے شامل حال تھا اس کو منظور تھا کہ انہیں دُنیا میں
 علم کا ایک خاص مرتبہ عطا کرے زمانے کا مجتہد بنائے (الزہد سبیل رسول ص ۳۲) نیز لکھتے ہیں
 کہ :- آپ کے ہم عصر لاخیل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے علم کی خوبیوں اور بلند یوں
 کے سبب آپ امام عظم کے لقب سے مشہور ہو گئے، بہت سے لوگوں نے آپ سے علم کی دولت پائی آپ

کے شاگرد امامتِ علم کے مرتبوں کو پہنچ گئے جن میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ بہت مشہور ہیں۔ (ایضاً ص ۲۳۴) اور لکھتے ہیں کہ۔ آپ بڑے عابد، زاہد، خدا ترس، متقی، پرہیزگار تھے۔ دل ہر وقت خوفِ الہی سے لبریز رہتا تھا، اللہ کے حضور تضرع کرتے بہتے اور بہت کم بولتے تھے بڑے سلیم الطبع، بلند اخلاق پسندیدہ طبیعت منکسر مزاج، طنسا، بردبار عالم باعمل، اور فرشتہ خصلت انسان تھے، تقویٰ اور خوفِ خدا آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ذاتِ آپ کی مسلم تھی (ایضاً ص ۲۳۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی لاجواب اور بے نظیر کتاب میں رافضی کا رد لکھتے ہوئے اس کا اعتراض یوں نقل کیا ہے :-

فصل قال الرافضی وذهب الجميع
منهم الى القول بالقياس والتخذ بالرائي
فادخلوا في دين الله ما ليس منه وعرفوا
احكام الشريعة واتخذوا مذاهب اربعة
لم تكن في زمن النبي صلى الله عليه وسلم ولا
في زمن الصحابة واهملوا تاويل الصحابة
مع انهم نصوا على ترك القياس وقالوا اول
من قاس ابليس اه
(منهاج السنة ج ۱ ص ۱۸ طبع لولق مصر)
فصل رافضی کہتا ہے کہ سارے اہل سنت قیاس اور
عمل بالرائے پر عامل ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے
دین میں ایسی چیز داخل کر دی جو دین میں سے نہیں
ہے اور احکام شریعت کو بدل ڈالا ہے اور چار
مذہب بنا رکھے ہیں جو نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ
والک وسلم کے زمانہ میں تھے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ
کے دور میں حالانکہ صحابہ کرامؓ نے ترک قیاس کی تاکید
کی ہے اور انہوں نے یہ کہتا ہے کہ سب کے سب ابلیس
نے قیاس کیا ہے۔

قارئین کرام! اکثر غیر مقلدین حضرات نے رافضی کے اس پیش کردہ اعتراض کی تقریباً ایک
ایک جزو چیرا لی ہے اور اپنے رسالوں، کتابچوں اور اخباروں میں مختلف تعبیرات سے اس کو بیان اور
پیش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس رافضی بچائے کا جو اس طرز استدلال میں ان کا استدہان ہے نام تک
نہیں لیتے اور اس کو بیان کرتے وقت عوام کو لفظ لفظ سے یہ باور کر کے کہ وہ دو تخمین حاصل کرنے
کے پہلے ہوتے ہیں کہ یہ انہی حضرات کے فکرِ ثاقب کا نتیجہ ہے اور مجھوٹے سے بھی یہ بتانے
پر آمادہ نہیں ہوتے کہ ہم نے یہ پیاری دلیل رافضی کے تھیلے اور پیٹاری سے چسپائی ہے مگر

تلبکے ؟

ہریشہ جہاں مبرکہ خالی ست شاید کہ پلنگ نختہ باشد
شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے رافضی کے اس اعتراض کی ایک ایک جڑ کو کٹ کر اس
کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیری ہیں اور اس طرح اس کے بچنے ادھیڑے ہیں کہ رافضی
اور اس قسم کے اور معترض اس کو مدت العمر بھی رفو نہ کر سکیں مگر چونکہ یہ ایک بہت طویل بحث
ہے اس لیے ہم ان کے جوابات میں سے یہاں صرف ایک ہی جواب عرض کرتے ہیں
جو ہمارے مدعی کے مطابق ہے :-

الوجه التاسع قوله الصحابة نصوا على ترك
القياس يقال له الجمهور الذين يثبتون
القياس قالوا قد ثبتت عن الصحابة انهم
قالوا بالتراي واجتهاد الراي وقاسوا كما ثبت
عنهم مذم ما ذموا من القياس قالوا وعل
القولين صحيح فالمدعوم القياس المعان
للنص اهـ (مک)

لوں جب یہ ہے کہ رافضی کا یہ کہنا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ترک قیاس کی تاکید کی ہے، اس کے
جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جمہور جو قیاس کو
ثابت کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے
قول بالترای اور اجتہاد و قیاس بھی ثابت ہے
جس طرح کہ ان سے قیاس کی مذمت ثابت ہے
اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ دونوں قول صحیح ہیں کیونکہ
ان سے جس قیاس کی مذمت آئی ہے وہ ایسا قیاس
ہے جو نص کا معارض ہو اور قیاس معرود وہ ہے جو

نص کے مطابق ہو۔

شیخ الاسلام کی اس صریح عبارت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور اُمت رائے و
اجتہاد اور قیاس کے قائل تھے اور جس قیاس کی مذمت کا ذکر آیا ہے وہ ایسا قیاس اور رائے
ہے جو نص کے مقابلہ اور معارضہ میں ہو اور اس کے مرود ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا
ہے؟ اور اُمت محمدیہ میں ایسے مرود قیاس کا قائل کون ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ غیر تقلیدین
حضرات کو تعصب کی عینک استعمال کر کے رافضی کی طرح کچھ کا کچھ نظر آئے اور اہل الرائے و اجتہاد
اور ان کے متبعین کو ہی طرز گردانا جائے مگر اس سے اہل حق کا کیا نقصان؟

تجھے کیوں ٹکڑے کر کے اے گلِ دل صد چاکِ بُل کی
تو اپنے پیرِ مہن کے چاک تو پہلے رُو کر لے

علامہ بدر الدین بعلی الحنبلی (المتوفی ۴۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وبكل حال يجوز اجتهاد الرأى للقاضى و
المفتى اذ العرجيد فى الحادثة نصامن للكتب
والسنة لقول جاهير السلف والامة الفقهاء
كمالك والوزائجى والثوري و ابى حنيفة
والشافعى واحمد بن حنبل و ابى عبيد وغيرهم
واستدلوا على ذلك بدلائل مثل كتاب عمر
الى ابى موسى الاشعرى وفيه اعرف الاشباه
والنظائر وقس الامور برائى اه
ومختصر الفتاوى المصرية ۵۵۵ طبع مصر

قاضى اور مفتى کے ليے ہر حال رائے اور اجتہاد کام
لينا جائز ہے جب کہ حادثہ ميں قرآن يا سنت سے نص
موجود نہ ہو اور سبى قول ہے جمهور سلف اور ائمہ فقہاء
کامثل امام مالک، اوزائجی، ثورمى، ابو حنيفة، شافعى
احمد بن حنبل اور ابو عبيد وغيرہ اور انہوں نے اس دلى
پر کئی دلائل پيش کئے ہيں مثلاً ایک يہ ہے کہ حضرت
عمرؓ نے حضرت ابوموسى الاشعرىؓ کو خط لکھا اور اس ميں
يہ بھی تحرير فرمايا کہ اشباہ و نظائر کو پيش نظر رکھ کر ہر اپنى
رائے سے اور امور کو ان پر قياس کرو۔

امام ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبى (المتوفى ۳۷۰ھ) اپنى محقق کتاب ميں حضرت عمرؓ حسن
بصرىؓ، مسروقؓ اور ہشام بن عروہؓ وغيرہ سے چند آثار رائے کی مذمت ميں نقل کر کے آگے فرماتے
ہيں کہ :-

فهذه الآثار واشباہها تشير الى ذم
ايشار نظر العقل على، اثار النجى صلى الله
عليه وسلم وذهب جماعة من العلماء
الى ان المراد بالرأى المذموم فى هذه
الامخبار البدع المحدثه فى الاعتقاد كرائى
جهنم وغيره من اهل الكلام لانهم
قوم استعملوا قياسهم والارائهم فى
رد الاحاديث۔

يہ اور اس قسم کے ويغہ آثار اس بات کی رہنمائی کرتے
ہيں کہ نظر عقل (يعنى قياس) کو انحضرت صلى الله عليه
وآله وسلم کی احاديث پر مقدم کرنا مذموم ہے اور علماء
کی ایک جماعت يہ کہتی ہے کہ ان آثار ميں جن آراء
مذمومہ کا ذکر کيا گيا ہے وہ ایسے آراء ہيں جو بدعت
اعتقادى کے رنگ ميں گھڑائے گئے ہوں جيسے جہنم
وغیرہ اہل کلام کی رائے جنہوں نے اپنے قياس و رائے
کو رد احاديث کے ليے استعمال کيا ہے۔

پھر آگے بحث کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

ورد والسنن فی ذالک حله بایہم و اور انہوں نے اپنی بدعت اعتقادی کے اثبات
قیاسہم ام کے لیے محض اپنے قیاس و رائے سے احادیث کو ٹھکرا
دی ہے ۔

اور قیاس مذموم کی اور کئی صورتیں اور محال بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ :-

جميع ذالک راجع الی معنی ولحد وهو ان سب کا مضمون ایک ہی نکلتا ہے کہ نظر عقلی دینی
اعمال النظر العقلی مع طرح السنن اما قیاس کو استعمال کیا جائے اور اس سے احادیث
قصداً او غلطاً وجہلاً والرأی اذا عارض کو رد کر دیا جائے عام اس سے کہ یہ رد قصداً ہو یا
السنۃ فهو بدعة ضلالة غلطاً اور جائے جب سنت کے معارض ہوگی
والاعتصام بآئینہ ص ۲۹۰ اور ص ۲۹۱ طبع مصر تو وہ خاص بدعت ضلالت ہوگی ۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایسی رائے و قیاس جو سنت کے رد اور معارضہ میں ہو وہ
مردود ہے اور خصوصاً وہ رائے و قیاس جو عقائد بدعیہ کے اثبات کے لیے ہو اور احادیث
کو رد و خور اعتناء نہ سمجھا گیا ہو۔ الغرض جن حضرات سے رائے کی مذمت آئی ہے تو علماء اسلام
ان کے اقوال سے یہی مذموم رائے مراد لیتے ہیں۔ باقی مشروع اور محمود و مقبول رائے کو رد اور ترک
کرنا (جو قرآن و حدیث اور اجماع امت سے حاصل ہو اور نص کے مقابلہ میں نہ ہو اور اہل الرائے
والاجتہاد رائے قائم کی ہو) خود بدعت ہے۔ چنانچہ علامہ الشاطبی ہی مہدی مغربی کی تردید
کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وقان من رائیہ ترک الرأی واتباع هذا اس کی رائے تھی کہ رائے ترک کر دی جائے اور وہ
الظاہریۃ قال العلماء وهو بدعة ظہرت اہل الظاہر کے مذاہب کی پیروی کرتا تھا۔ علماء کا کہنا
فی الشریعۃ بعد المائین الخ ہے کہ ترک رائے کا نظریہ بدعت ہے جو دوسری
والاعتصام بآئینہ ص ۵۹ صدی کے بعد شریعت میں ظاہر ہوئی ۔

لیجئے بات کیا نکل آئی ! آج تو کہنے والے اہل الرائے کو بدعتی کہتے ہیں اور مؤلف نیکو عقیدہ
وغیرہ نے اس پر خوب دل کھول کر زہر اگلا ہے۔ مگر یہاں تو بات یہ نکلی کہ غیر منصوص امور

میں حضرات صحابہ کرام سے لے کر دوسری صدی تک پائے پر عمل ہوتا رہا ہوا
دوسری صدی کے بعد اہل الظاہر نے شریعت میں یہ بدعت نکالی کہ پائے پر عمل نہیں کرنا
چاہیئے اور دوسروں کو بدعتی قرار دینے والے خود ہی بدعتی قرار پائے، شاید ایسے ہی موقع کے
لیے کہا گیا ہے کہ۔

انجھاسے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صبا و آگیا

غیر مقلدین حضرات تو عقیدہ کو جو چوتھی صدی کی بدعت کہتے ہیں مگر یہاں خیر سے ترک
پائے دوسری صدی کی بدعت نکلی۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر حضرت معاذ کی حدیث نقل کر کے اور اس کی تصحیح کر کے پھر
لکھتے ہیں کہ:-

وسائر الفقہاء قالوا فی ہذہ الآثار وما
كان مثلاً فی ذم القیاس انه القیاس علی
غیر اصل والقول فی دین اللہ بالظن و
اما القیاس علی الاصول والحکم للشیء بحکم
نظیرہ فہذا امالہ یختلف فیہ من السلف
وجامع بیان العلم وفضلہ ۶ ص ۷۷

تمام فقہاء کا کہنا ہے کہ پائے کی مذمت کے یہ آثار اور
ان کی مانند اور آثار ایسی پائے اور قیاس کو مذموم قرار دیتے
ہیں جو اصل پر (متفرع) نہ ہو اور محض ظن سے
اللہ تعالیٰ کے دین میں بات کہی گئی ہو بحال
وہ قیاس جو اصول پر مبنی ہو اور کسی چیز پر
اس کی مثل کو دیکھ کر اس پر حکم کیا گیا ہو تو اس
کے جواز میں سلف میں سے کسی ایک نے اختلاف
نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام ابو عمر بن عبد البر کے عہد تک سلف میں قیاس کا منکر
کوئی نہیں تھا۔ اس مقام پر سلف سے مراد وہ حضرات ہیں جو اہل السنۃ میں داخل ہیں اہل
الظاہر نے دوسری صدی کے بعد یہ بدعت نکالی ہے کہ پائے اور قیاس بلا تفصیل کوئی
حقیقت نہیں رکھتی۔ اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ:-

فما لک طائفۃ التّأثی المذموم والبدع
ایک طائفہ نے یہ بھی کہا ہے کہ پائے مذموم وہ بدعت

المخالفة للسنة في الاعتقاد كرائي الجهم و
 سائر مذاهب اهل الكلام لانهم قوم
 قياسيهم واراؤهم في رد الاحاديث اه
 (ايضاً ج ۱ ص ۱۳۵)
 قیاس رائے سے کام لیا ہے۔

نواب صاحب نے بھی رائے باطل اور رائے محمود پر کافی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو الجنة
 في الاسوة الحسنة بالسنة ۱۵ و ۱۶)۔

قارئین! بحث ضرورت سے زیادہ لمبی ہوتی جا رہی ہے اور ابھی ہم نے بفضلہ تعالیٰ
 کچھ اور بھی عرض کرنا ہے اس لیے اس بحث کو صرف ایک حوالہ پر ہم ختم کرتے ہیں تاکہ مزید بھی کچھ
 عرض کر سکیں۔

مشہور محقق و مدقق غیر مقلد عالم قاضی شوکانی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) رائے محمود مذہب کی بحث کرتے
 ہوئے اول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

فالعامل بالرائي في مسائل الشرع
 ان كان لعدم وجود الدليل في الكتاب
 والسنة فقد رخص فيه النبي صلى الله
 عليه وسلم كما في قوله صلى الله عليه وسلم
 لمعاذ لما بعثه قاضياً به تقضي قال
 بكتاب الله قال فان لم تجد قال اجتهد
 رأيي وهو حديث صالح لا احتجاج به
 كما اوضحنا ذلك في بحث مفرد اه
 (تفسير فتح القدير ج ۲ ص ۲۱۹ طبع مصر)
 شریعت کے مسئلوں میں عمل بالرائی اگر تو اس لیے
 ہو کہ کتاب سنت سے کوئی دلیل نہیں مل سکتی تو
 اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 اجازت و رخصت دی ہے جیسا کہ آپ کے اس
 قول سے ثابت ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ
 کو قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟
 انہوں نے کہا کتاب اللہ کے مطابق آپ نے فرمایا کہ
 اگر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملے؟ فرمانے لگے پھر
 میں سنت رسول اللہ پر فیصلہ کروں گا آپ نے فرمایا
 کہ اگر سنت میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟ فرمایا کہ میں
 اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ہم نے مفرد بحث میں
 اس کی بحث کی ہے کہ یہ حدیث احتجاج کے لیے

صالح ہے۔

ان تمام سابق پیش کردہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ جن آثار اور اقوال میں رائے کی مذمت کا ذکر آتا ہے وہ ایسی رائے ہے جو کتاب و سنت کے مقابلہ میں ہو اور باطل فرقوں کی طرح عقائد باطلہ اور بدعات و غیر ملکہ کے اثبات کے لیے جو جس سے نصوص کا رد لازم آتا ہو۔ اہل سنت اور ان میں علی الخصوص اہل الرائے اور احناف اور علماء دیوبند ایسی رائے کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہیں، ہاں مجتہد سے نادانستہ طور پر خطا سرزد ہو جائے تو وہ بات ہی الگ ہے۔ آخر مجتہد معصوم تو ہرگز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ :-

واما ان يخالف حديثاً لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثابتاً عنه فارجو ان لا يؤخذ
عليه وسلم ثابتاً عنه فارجو ان لا يؤخذ
ذلك علينا انشاء الله وليس ذلك لاحد
ولكن قد يجبهل الرجل السنة فيكون له
قول يخالفها لا انه تعمداً فها وقد
يغفل المرء ويخطئ في التأويل -
الرسالة ۳۱۱ لا امام الشافعي طبع بلوق
مصر المنضمة مع الامم (۶)

اور یہ کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صحیح حدیث کی مخالفت کریں تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ الزام ہم پر ثابت نہیں ہو سکے گا اور کسی اور سے بھی اس کا تحقق نہیں ہو سکے گا۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سنت سے جاہل ہوتا ہے اور اس میں اس کی خلاف ورزی کر جاتا ہے نہ یہ کہ عمدہ ایسا کرے یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان غفلت کر جاتا ہے اور تاویل میں خطا کو گزرتا ہے۔

اس عبارت میں جہاں امام اہل السنۃ اپنی صفائی پیش کی ہے ساتھ ہی ولین ذالک لاحد فرما کر دوسروں کی صفائی بھی وہ بیان کر گئے ہیں کہ جہاں بوجہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث صحیح کی مخالفت نہ ہم نے کی ہے اور نہ کسی اور نے کی ہے۔ کسی حدیث سے غفلت و جهالت یا اس کی تفسیر و تاویل میں خطا کا سرزد ہو جانا یہ معاملہ ہی جدل سے اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟ اس لیے رائے کی مذمت کے لیے حوالجات سے خلط و سبخت کرنا اور بد مقابل پر خشک رعب ڈالنا یا عوام کو مغالطہ دے کر احناف سے متنفر کرنا انصاف

و دیانت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے کیونکہ قدیم و حدیثاً عداً اور دانتہ کوئی حنفی اس کا متکب نہیں ہوا کہ نص کے مقابلہ میں محض رائے کو لے کر نص کو ٹھکرا دیا ہو۔ حدیث کے مقابلہ میں اگر کسی نص قرآنی یا کسی دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے تو یہ بات الگ ہے، اس سے انکار نہیں ہے لیکن یہ استدلال رائے سے نہیں بلکہ نص اور حدیث سے ہے۔ ہمارے اکابر نے تصریح کی ہے کہ احادیث صحیحہ کا انکار اور نصوص کی تاویل دین کے خلاف ہے، چنانچہ حضرت مولانا عثمانیؒ سورہ کہف میں یا جوج یا جوج کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے“ (حاشیہ ۳۹۳)

اہم ابو حنیفہؒ پر مخالفت حدیث کا الزام
 کہنے کو تو یہ بات بڑی آسان معلوم ہوتی ہے کہ فلاں امام نے حدیث کی مخالفت اور انکار کیا ہے اور فلاں نے اپنی رائے اور تفقہ کو ترجیح دے کر حدیث کو رد کر دیا ہے اور حدیث کے خلاف عمل کیا ہے، مگر جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو کسی مسلم اہم کے خلاف اس کا ثبوت بڑا مشکل نظر آتا ہے کہ انہوں نے بلا کسی عذر قوی کے حدیث کو ترک کیا ہو، مندرجہ ذیل امور پر انصاف سے غور فرمائیں:-

حضرت امیر المؤمنینؒ فی الحدیث امام بخاریؒ (اور اسی طرح امام ابن العربی المالکی و الشافعیؒ) حسن قسم کی حدیث کو قائل استدلال و احتجاج نہیں تصور فرماتے۔ چنانچہ علامہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:-

فکذا يجوز الاحتجاج بما صرح احد الائمة العظمیٰ
 بحسنه لان الحسن يوجب العمل به عند الجمهور
 ولم يخالف في الجواز الا لبضائع وابن العربي
 والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب العمل
 بالاحاد وقبولها شاملة له -

رنیل الاوطار ج ۲ طبع مصر والمجلد
 فی الاسوة الحسنة بالسنہ ۵۸۵)

اور اسی طرح اس حدیث سے بھی احتجاج جائز ہے جس کو معتبر ائمہ میں سے کسی نے حسن کہا ہو کیونکہ جمہور کے نزدیک حسن سے استدلال جائز ہے اس میں صرف امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن حق بات وہی ہے جو جمہور نے کسی ہے کہ حدیث سے استدلال جائز ہے کیونکہ اخبار احمد کے واجب العمل اور ان کے قبول ہونے کے

دلائل حسن کو بھی شامل ہیں۔

علامہ صلح بن المہدی الملقب بالکوبانی (المتوفی ۵۸۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ولم یشتط فی المعلوم بہ کونہ صحیحا حدیث کے معمول بہ ہونے کے لیے باصلاح متکثرین
باصطلاح المتأخرین أو البخاری وهو قول صحیح ہونے کی شرط امام بخاری کے بغیر اور کسی نے نہیں
بعید عن الأدلة بل لوقیل خلاف لگائی اور ان کا قول دلائل سے بعید ہے بلکہ اگر یہ
ما علیہ الأولون والآخرین لساغ ذالک کہا جائے کہ ان کا یہ قول متقدمین اور متاخرین کے
ارواح النواظیر والآباء والاشاخ^{۶۸۹} طبع معمر مسلک کے خلاف ہے تو یہ کہنا بھی درست ہے۔

علم حدیث کے ساتھ شغف رکھنے والے اور اصول احیث و طبقات روایت سے آگاہ
حضرات جانتے ہیں کہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں سند کے لحاظ سے حسن ہیں
اور صرف ایک ہزار حسن حدیث تو امام حماد بن سلمہ سے مروی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵)
تو کیا ایسی تمام حسن قسم کی حدیثیں کتب حدیث سے چن چن کر ان کی ایک فہرست مرتب
کر دینی چاہیے اور معتبر محدثین سے باحوالہ ان کا حسن ہونا نقل کر دینا چاہیے اور پھر کتابوں اور
رسالوں اخباروں اور تقریروں میں جماعتی شکل میں یہ مکررہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت
امام بخاریؒ تو اتنی حدیثوں کے منکر ہیں؟ حاشا وکلا کہ اس سے کوئی منصف مزاج اہل علم
متاثر ہو کر حضرت امام بخاریؒ کے خلاف کچھ کہنے پر آمادہ ہو بس یہی کہے گا کہ چونکہ امام بخاریؒ
مجتہد تھے۔ انہوں نے اپنی دیانت اور صوابدید سے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت امام
ابو حنیفہؒ نے روایات کے بارے میں کوئی سخت اور کڑی شرط لگائی ہو جس کے فقدان کی
صورت میں وہ حدیث کو قابل احتجاج و استدلال نہیں سمجھتے تو وہ کیونکر منکر حدیث اور
مخالفت حدیث قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ اور ہم باحوالہ ان کی حدیث کے بارے میں کڑی
شرطوں کا ذکر پہلے کر آئے ہیں۔ بغیر متقدمین حضرات کو یہ بات ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچنی
چاہیے کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اور وہ کیوں جماعتی ضرورت میں اس مکررہ
پروپیگنڈہ میں اپنا زور صرف کر رہے ہیں؟ آخر ہم بھی ۷

ہر چند اہل ضبط ہیں پر بے زبیاں نہیں

حافظ مغرب ابن عبد البر روایت کرتے ہیں کہ:-

عن الليث بن سعد انه قال احصيت على مالك بن انس سبعين مسألة كلها مخالفة لسنة النبي صلى الله عليه وسلم ما قال فيه براءيه قال ولقد كتبت اليه في ذلك قال ابو عمر ليس لحد من علماء الامة يثبت حديثا عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم يردده دون ادعاء نسخ عليه باثر مثله او باجماع او بعلل يوجب على اصله الانقياد اليه او طعن في سنده ولو فعل ذلك احد سقطت عدالته فمنازع ان يتخذ اماما ولزمه اثم الفسق اهـ

(جامع بيان العلم وفضله ج ۱ ص ۱۴۸)

امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالک بن انسؒ کے تحت مسئلے ایسے شمار کئے ہیں جو سب کے سب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں جن میں امام مالکؒ نے محض اپنی رائے استعمال کی ہے اور میں نے ان کو خط کے فریوہ اس کی اطلاع بھی دی ہے۔ امام ابو عمر فرماتے ہیں کہ علماء اہل امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کھنڈر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صحیح حدیث کو پائے اور پھر اس کو رد کرے بدون اس کے کہ وہ کسی ایسے ہی اثر کے ساتھ اس کے منسوخ ہونے کا دعوے کرے یا اجماع یا کسی ایسے عمل کے ساتھ جس کی اصل پر عمل واجب ہے اور انا نسخ کرے یا اس کی سندیں طعن کرے، اگر کوئی ران و جہ کے سوا ایسا کرے گا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس پر فتنہ کا گناہ لازم ہو جائے گا چہ جائیکہ اس کو امام تسلیم کیا جائے۔

غیر مقلدین حضرات کو یہ عبارات بار بار پڑھنی چاہیئے کہ امام لیث بن سعد جو چوٹی کے محدثین اور فہما میں شمار ہوتے ہیں اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں (جن کا پورا ترجمہ ہم نے طائفہ منصورہ میں ذکر کر دیا ہے) کیا فرمائے ہیں کہ تحت مسئلے ایسے ہیں جن میں حضرت امام مالکؒ بن انسؒ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی صریح مخالفت کی ہے اور یہ بات بھی انہوں نے چھپا کر نہیں رکھی بلکہ امام مالکؒ کے ساتھ انہوں نے اس میں خط و کتابت بھی کی ہے، اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ امام لیث بن سعد کے حضرت امام مالکؒ سے اچھے

خاصہ دوستانہ تعلقات اور مراسم بھی تھے، یہ نہیں کہ انہوں نے محض حد و برص یا تعصب کی وجہ سے ان کے مسائل میں کیڑے نکال کر ان کی تحقیر کرنے کی سعی کی ہے اور نہ بول ہی دل کی بھڑاس نکالی ہے (معاف اللہ) چنانچہ علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ:-

كان الليث يوصل مالكا كل سنة بمائة
امام ليث بن سعد امام مالکؒ کو سالانہ ایک سو شترنی
دینار و کتب مالک الیہ ان علی دینار
فبعث الیہ خمس مائة دینار
(تذکرہ ج ۱ ص ۲۱۹)
ان کو بھیجے۔

ایسے دوستانہ ماحول میں یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ اس میں حد و تعصب کا رفرما ہو کیا اب سچ مچ یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت امام مالکؒ کے شتر مثلیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے سرسرخلاف ہیں اور پھر ان پر فتویٰ لگا کر شروع کر دیا جائے اور ناظم اعلیٰ کے تحت ایک پروگرام تیار کر لیا جائے کہ دنیا بھر میں حضرت امام مالکؒ کو مخالف سنت ٹھہرا کر ہی دم لیا جائے گا اور کسی بدوی کے کندھے پر بندوق رکھ کر ایک کتاب بھی لکھوا لی جائے اور تعصب مذہبی کے نشہ میں سرشار ہو کر اس کی تصدیقات بھی لکھ دی جائیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر اس کی اشاعت بھی شروع کی جائے۔ لہذا کچھ تو فیئے کہ آخر کرنا کیا چاہیے؟ آہ

اس قدر بھڑکا حیاتِ نوعِ انسان کا لقیں

کارواں کو اعتماد راہنما جاتا رہا!

حافظ ابن عبد البرؒ تو علمی رنگ میں جواب دے گئے ہیں کہ کوئی امام بدول کسی محقول عذر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ ہاں اس نے کسی حدیث یا اجماع یا قابل اطاعت عمل سے فسخ کا دعویٰ کیا ہو گا یا سند کے اندر طعن کیا ہو گا جس کی وجہ سے انہوں نے حدیث ترک کی ہو گی۔ اس چیز کو خود مجتہد ہی سمجھ سکتا ہے۔ کوئی دوسرا ان کے دل کے راز اور بھید بھلا کیا جان سکتا ہے؟

علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب مراتب الدیانہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے

موطا میں جب مسند حدیث میں شمار کیں تو ان کی تعداد پانچ ہشتوں سے اوپر نکلی اور جب مرسل روایتیں گنیں تو وہ تین سو سے زائد نکلیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ:-

وفيه نيف وسبعون حديثاً قد ترك مالك
ان کے موطا میں ستر سے زیادہ حدیثیں ایسی ہیں جن
لنفسه العلل بها ۱۱

(بحوالہ مقدمہ تعلیق المجددات لمؤلف المکتبہ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیان کے مطابق تمام کتب حدیث کے چند طبقات ہیں، طبقہ اولیٰ موطا امام مالک، بخاری اور مسلم ہے۔ (دیکھئے حجة الله البالغہ ج ۳ ص ۳۳ طبع مصر وعجالة نافعة ص ۳) تعجب ہے کہ صرف طبقہ اولیٰ ہی نہیں بلکہ امام مالک کی خود اپنی انتخاب کردہ کتاب کی حدیثیں ستر سے زیادہ ایسی ہیں جن پر انہوں نے عمل نہیں کیا مگر کسی نے حضرت امام مالک کی امامت اور شان سے انکار نہیں کیا اور نہ ان کو مطعون ٹھہرایا ہے اور اگر کوئی احمق ایسا کرے بھی تو اُس کی سنتا کون ہے؟ مگر افسوس تو یہ ہے کہ دستور المتبذی کے ساتھ ساتھ بخاری شریف پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں اب علمی تحقیق رہ گئی ہے فالی اللہ المشتکی ع۔

ایں چنیں ارکان دولت ملک راویاں کنند

امام محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم المالکی (المتوفی ۲۴۱ھ جو الامام الحافظ اور فقیہ عصر تھے تذکرہ ج ۱ ص ۱۱ جن کے بارے میں امام الائمہ ابو بکر بن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ جو الحافظ الکبیر امام الائمة اور شیخ الاسلام تھے تذکرہ ج ۲ ص ۲۵۹ فرماتے ہیں کہ:-

ما رایت فی فقهاء الاسلام اعراف باقائیل
الصحابۃ والتابعین من محمد بن عبد اللہ
بن عبد الحکم (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۱ و

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲ طبع مصر)
نے حضرت امام شافعیؒ کے رد میں

صنف کتابا سماه الرد علی الشافعی فیما
ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے

خالفت فیہ الکتاب والسنۃ ۱۱
 ایسے مسائل جن میں امام شافعیؒ نے کتاب و سنت
 کی مخالفت کی ہے۔ (مطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۴)

سنت کی مخالفت کا ذکر تو رہا اپنی جگہ اس کتاب میں ابن عبدالحکمؒ نے امام شافعیؒ کو
 کتاب اللہ کا مخالفت بھی ظاہر کیا ہے۔ کیا ہم ایسا ہی سمجھ لیں کہ واقعی حضرت امام شافعیؒ نے
 کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ہے؟ (معاذ اللہ)
 یہی کہیں گے کہ تعصب مذہبی میں آکر ابن عبدالحکمؒ نے یہ غلطی کی ہے اور یا دینانہ اپنی فہم کے
 موافق انہوں نے حضرت امام شافعیؒ کے مسائل کو کتاب و سنت کے خلاف پایا ہے مگر ان کا
 ایسا سمجھنا دلائل کی رو سے سراسر غلط ہے۔ فلعلمہ اللہ تعالیٰ بعموم فضلہ وکرمہ۔

مؤلف نتائج التقلید نے امام وکیع بن الجراحؒ کو خفیت اور تقلید کے دائرہ سے خارج کرنے
 کے لیے عجیب قسم کے پائیدیلے ہیں اور ملری کی طرح انوکھی قسم کی شیعہ بازی دکھائی ہے یہ
 بحث تو انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آئے گی کہ امام وکیع بن الجراحؒ مقلد تھے یا غیر مقلد؟ حنفی
 تھے یا غیر حنفی؟ یہاں ان کا اعتراض خود ان کے اپنے الفاظ میں سن لیتے اور پھر اس کا جواب
 بھی ملاحظہ کر لیتے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”کیونکہ تاریخ بغداد وغیرہ میں ہے ذکر الساجی انا ابوسائب قال سمعت وکیع
 بن الجراح يقول وجدت اباحیفة خالفت ما تلتی حدیث عن رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم ابوسائب کہتے ہیں کہ میں نے وکیعؒ ایسے جلیل القدر امام حدیث
 کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی نظر میں کم از کم امام ابوحنیفہؒ کو دو سو حدیث
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرنے والا پایا ہے۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم
 کے ص ۱ پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے
 بعد فرماتے ہیں کاش کہ دو سو احادیث میں سے کسی ایک ہی حدیث سے
 انکار کا حوالہ وثبوت ذکر کیا ہوتا؟ (نتائج التقلید ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷،

کننے کی جرأت نہ ہوئی۔ (انتہی بفظلم)

ان عبارات سے مؤلف مذکور کا اصل مدعی تو صرف اس قدر ہے کہ امام وکیع بن الجراح کیونکر مقلد اور خفی ہو سکتے ہیں جب کہ وہ کم از کم دو سو روایات میں امام ابوحنیفہؒ کو مخالف حدیث بنا رہے ہیں یہ معلوم نہیں کہ مؤلف نے کم از کم کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ عبارت عربی میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ کم از کم ہو۔ مگر خیر ہماری بلا سے، مؤلف جانے اور اس کی شعبہ بازی۔ اب یہاں مرکزی نقطے دو ہیں (۱) کہ بقول امام وکیع بن الجراحؒ امام ابوحنیفہؒ نے کم از کم دو سو حدیث کی مخالفت کی ہے (۲) عثمانی صاحب تو ایک حدیث کے متلاشی ہیں مگر مصنف ابن ابی شیبہؒ میں امام ابوحنیفہؒ کے رد میں ستقل جزو موجود ہے۔

پہلی شق کا جواب مؤلف مذکور کا اس سے استدلال چند وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ اسکی سند میں الساجی ہے علاؤمعبان کے بابے میں احداثبات ماعلمت فیہ جرحا کہتے ہوئے بھی امام ابوحنیفہ بن القطانؒ سے نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کی توثیق اور بعض نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (میزان جہمٹ)

امام ابو الجراح رازیؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:-

انه ليس بمأمون وثقة اه
نزه مأمون ہے اور نہ ثقہ۔

(بحوالہ تقدمه نصب الراية ص ۵۵)

اور یہ تصریح بھی ان کے متعلق موجود ہے کہ:-

كان وقاعا ينفرد بمناكير عن مجاهيل بايدي
التعصب قال ابن القطان وثقة قوم وضعفه
لغزون وعلام ابن حبان في رواية الفخيري
منكوس في النسب ابن سمعاني۔
وه لوگوں کی پچڑیاں اٹھا لاکرتے تھے اور معمول دلوں
سے منکر روایتیں بیان کرنے میں متفرد ہوتے تھے۔
ان کا تعصب بالکل ظاہر ہے۔ ابن قطانؒ کہتے
ہیں کہ ایک قوم نے ان کو ثقہ اور دوسروں نے
ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبانؒ کا کلام بخیر مرقی
کی روایت سے کتاب الانساب علائم ابن سمعانی
میں مذکور ہے۔

مگر ہم ان کی تضعیف صرف نظر بھی کر لیں اور ان کو ثقہ بھی تسلیم کر لیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کی رائے ہے (ملاحظہ ہو لبان ج ۸ ص ۴۸) تب بھی ان کا تعصب خصوصیت سے احناف کے بارے میں چھپی ڈھکی بات نہیں ہے۔ مقدمہ فتح الملہم ص ۱ اور مقدمہ نصب الرایہ ص ۵ میں ان کے تعصب کا خصوصیت سے ذکر موجود ہے۔ و تعصبہ البارد بما لا یطاق نظاہر بات ہے کہ ایسے تعصب کی روایت کیونکر قبول ہو سکتی ہے؟ امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں **والساجی لمن کان ینافس اھما ابی حنیفہ (الاستقامۃ)** یعنی امام ساجی "حنفیوں سے چڑتے تھے۔"

امام تاج الدین شکی الشافعی (المتولی ص ۱۷۷) ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ:-

بل الصواب عندنا ان من ثبتت امامتہ
وعد التہ وکثر مادحوہ ومزکوہ وند جارحو
وصحانت ہناک قرینۃ دالۃ علی سبب جرحہ
من تعصب مذہبی او غیہ فاننا لا نلتفت
الی المرح فیہ ونعل فیہ بالعد الۃ والا فلو
فتحننا هذا الباب واخذنا لتقدیم المرح علی
اطلاقہ لما سلمنا احد من الائمة اذما
من امام الا وقد طعن فیہ طاعنون وھلک
فیہ ما لکون اھ
وطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۸ ص ۱۸۸ طبع مصر

بلکہ درست بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس
کی امامت وعدالت ثابت ہو اور اس کی مدح اور
صفائی بیان کرنے والے زیادہ اور ان پر جسرح
کرنے والے کم ہوں اور وہاں کوئی قرینہ بھی موجود
ہو جو دلالت کرتا ہو کہ جسرح تعصب مذہبی وغیرہ
کی وجہ سے ہے تو ہم اس کے بارے میں جسرح کو
قابل التفات نہیں سمجھیں گے اور ہم ان کو عادل
ہی کہیں گے۔ ورنہ اگر ہم یہ دردازہ کھول دیں باہم
جسرح کو علی الاطلاق مقدم سمجھیں تو انہ میں سے کون
بچ سکتا ہے؟ کیونکہ کوئی امام ایسا نہیں جس میں طعن
کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو یا ان میں ہلاک ہونے
والے ہلاک نہ ہوئے ہوں

پھر اسی صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ولکن نری ان الضابط ما نقولہ من ان
ثابت العد الۃ لا یلتفت فیہ الی قول من
تشہد القرائن بانہ متحامل علیہ اما التعصب

لیکن ضابطہ یہ ہے جو ہم کہہ رہے ہیں کہ جس کی
عدالت ثابت ہو اس کے بارے میں اس شخص کی بات
قابل التفات ہی نہیں جس سے متعلق قرآن پر شہادت

مذہبی اور غیرہ (ایضاً) دیتے ہوں کہ وہ زیادتی یا تعصب مذہبی و غیرہ کی وجہ سے الزام قائم کرتا ہے۔

ان ٹھوس اقتباسات کے پیش نظر تعصب مذہبی کے تحت کلام کرنے والے الساجی ہوں یا کوئی اور ہو، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کلام کریں یا کسی اور امام کے بارے میں جن کی امامت و عدالت ثابت ہو چکی ہو اور ان کی مدح و تعریف بیان کرنے والے زیادہ اور جرح کرنے والے کم اور تعصب ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

وثانیاً اگر امام وکیع بن الجراحؒ کی یہ روایت صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے جب انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کو بغور سنیں دیکھا ہو گا یہ رائے قائم کی ہوگی، مگر جب نظر دقیق کے ساتھ ان کے بیان کردہ مسائل کا جائزہ لیا ہو گا تو ان کی رائے بدل گئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بالآخر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے ان کی تقلید کو اپنے گلے کا ہار بنالیا تھا اور انہی کے قول اور رائے پر فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا کہ طائفہ منصورہ میں ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اگر واقعی امام وکیع بن الجراحؒ کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ نے بقول مؤلف نتائج التعلیٰ کم از کم دو سو حدیث کی مخالفت کی ہوئی تو وہ کبھی ان کی تقلید نہ کرتے اور نہ اہل کی رائے پر فتویٰ دیتے۔ دو سو حدیث کی مخالفت تو بہت بڑی چیز ہے، اگر بالفرض امام ابوحنیفہؒ کسی ایک ہی صحیح اور صریح حدیث کے مخالفت ہوتے تو بھی امام وکیع بن الجراحؒ جیسے پختہ کار محدث کبھی ان کی مدح و توصیف نہ کرتے اور نہ ان کی تقلید کرتے۔

وثالثاً علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ ابن کرامہ (محمد بن عثمان بن کرامہ المتوفی ۲۵۶ھ) کو حاکم فرماتے ہیں کہ صدوق تھے اور امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں ان سے احتجاج کیا ہے بغدادیؒ ۳ ص ۱۷۱، محدث مسلمہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبانؒ ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں بخاریؒ میں ان کی چار روایتیں ہیں۔ تہذیب التہذیب ۲ ص ۳۹۹ سے روایت کرتے ہیں کہ:-

قال کنا عند وکیع یوماً فقال جحد خطأ أبو حنیفة فقال وکیع کیف یقدر أبو حنیفة ینخطی ومعه مثل ابی یوسف ونظر فی قیاسہما ومثل یحییٰ بن ابی زائدہ وحضن بن عیاد

ہم ایک دن وکیعؒ کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے کہا ابوحنیفہؒ نے خطا کی ہے، امام وکیعؒ نے فرمایا، یہ کیسے فرض کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے خطا کی ہے جب کہ ابو یوسفؒ اور زفرؒ جیسے قیاس دان اور فقیہ اور

و حبان و مندل فی حفظہم الحدیث و القاسم
بن معن فی معرفتہ باللغة و العربیة و داؤد
الطائی و فضیل بن عیاض فی زہد ہا و عبدالم
من کان ہولہ و جلساءہ لم یکد یخطئ لہ
ان اخطأ ردوہ -

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۴۷)

کی طرف لوٹا دیتے۔

یہ روایت امام ابن جریرؒ کی مولا طاش کبریٰ زادہ اور حضرت ملا علی نقاشؒ نے بھی نقل کی
ہے اور ان کی روایت کے آخر میں یوں ہے کہ:-

وان اخطأ ردوہ الی الحق (وفی روایۃ للحق)
والخیرات الحسان ص ۲۸ مفتاح السعادة ج ۲
حق کی طرف لوٹا دیتے۔

ص ۸۳ و ذیل الجواهر ج ۱ ص ۴۵۸

علامہ الخوارزمیؒ (المتوفی ۶۶۵ھ) یہ پوری روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-
ثوقال وکیع رحمہ اللہ و الذی یقول
پھر امام وکیعؒ نے فرمایا کہ جو شخص امام ابوحنیفہؒ کے
بائے میں یہ کہتا ہے وہ تجاروں کی مانند یا ان سے بھی
زیادہ گم کردہ راہ ہے۔

مؤلف نتائج التقليد اور ان کے حواری دیدہ بینا اور چشم بصیرت کے ساتھ یہ اقتباسات
بار بار پڑھیں اور انصاف و دیانت سے یہ فرمائیں کہ امام وکیعؒ بن الجراحؒ کیا امام ابوحنیفہؒ کے
مخالف ہیں یا موافق؟ اور کیا وہ ان کے علم و دیانت پر اعتماد کرتے ہیں یا بد اعتمادی؟ اور امام ابوحنیفہؒ
پر خطار کا الزام عائد کرنے والوں کو بروایت الخوارزمیؒ انہوں نے کیا خطاب دیا ہے؟ ہم کچھ نہیں
کہتے خود ہی مصلحت میں وکار آسائے۔

اشعار بدین

مناسب معلوم ہو تب کہ ہم امام وکیعؒ بن الجراحؒ کے اس بیان کے ساتھ ایک اندر ضروری

بحث بھی عرض کر دیں جس کی وجہ سے دیگر غیر متقدمین حضرات کی طرح مولانا مبارکپوری صاحب (دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۱۷) اور مؤلف نتائج التقليد وغیرہ حضرات کو خاصی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ مؤلف نتائج التقليد، امام ویح بن الجراح کو حنفیت کے زمرہ سے خارج کرنے اور امام ابوحنیفہؒ کا مخالف بنانے کے سلسلہ میں ترمذی شریف (ج ۱ ص ۱۱۷ طبع نوکلشور) کی عبارت نقل کر کے یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم انہی کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:-

”حضرت ویحؒ اشعار کی حدیث بیان کرتے وقت فرمایا کرتے تھے کہ اشعار سنت ثابتہ اور اہل الرائے کو فہم والوں کا قول بدعت ہے لہذا ان کے قول باطل کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ ابو سائبؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ویحؒ کی مجلس میں موجود تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تو اشعار کو مسئلہ قرار دیتے ہیں اور مسئلہ ہونے کی دلیل میں ابراہیمؒ نخیؒ اپنے دادا استاد کا قول پیش کرتے ہیں۔ پس حضرت ویحؒ اس شخص کا یہ جواب سن کر انتہائی جوش و خروش میں فرماتے گئے کہ تیرے جیسے نالائق و منکر سنت کی ادنیٰ نرا یہ ہے کہ تجھے قید کیا جائے اور جب تک تو اپنے اس قول و عقیدہ سے توبہ نہ کرے تجھے قید سے نہ نکالا جائے۔ دوستو! یہاں کی مخالفت سے بطور نمونہ ایک مصرح صحیح خلاف و الکار کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ اھ“ (نتائج التقليد ص ۱۱۷)

مؤلف نتائج التقليد اور ان کے جنواں ساتھیوں کا اس سے استدلال پچھڑا ہوا ہے۔ اور اس لیے کہ اس حکایت ہی میں خاصا کلام ہے جس کی مبسوط بحث علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی (المتوفی ۷۱۰ھ) نے اپنی کتاب مئیدۃ الملعی ص ۳ میں کی ہے۔

وثانیاً امام ویح بن الجراحؒ نے اس ساری عبارت میں امام ابوحنیفہؒ کی شان کے خلاف کوئی ہلکا سا جملہ بھی استعمال نہیں کیا اور اہل کوفہ میں صرف امام ابوحنیفہؒ ہی نہیں بلکہ امام ثوریؒ وغیرہ بے شمار حضرات شامل ہیں جیسا کہ مولانا مبارکپوری صاحب نے اس کی تصریح کی ہے، اور باحوالہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اور سائل نے جب حدیث کے خلاف ابراہیمؒ کا حوالہ دیا تو اس پر حضرت ویح بن الجراحؒ برہم ہوئے لیکن امام ابوحنیفہؒ کا نام تاؤ با پھر بھی نہیں لیا، اس لیے اس عبارت

منطوق اور نص کے طور پر امام ابو حنیفہؒ کی مقیض ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

وثالثاً امام طحاویؒ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے اشعار اور ترک اشعار دونوں میں تخییر نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ فعل سنتِ مکرہ نہ تھا بلکہ محض اباحت اور استحباب کے درجہ میں تھا۔ (ملاحظہ ہو فتح الملہم ج ۳ ص ۲۱) اور حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی مطلق اشعار کے ہرگز منکر نہ تھے بلکہ اس اشعار کے منکر تھے جو ان کے زمانہ میں لوگ بے احتیاطی کے ساتھ کیا کرتے تھے چنانچہ اعلیٰ الناس بمنہ ابی حنیفہؒ امام طحاویؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ:-

فقال لم یکرہ ابو حنیفہؒ اصل الشعر وانما کرہ ما یفعل علی وجه یخاف منه هلاک البدن کسرایۃ الجرح لا سیما مع الطعن بالشفرة فارادہ الباب عن العامة لا نهم لا یراعون الحدیث ذالک الخ

امام ابو حنیفہؒ اصل اشعار کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اس اشعار کو مکروہ کہتے ہیں جو ایسے طریق پر کیا جاتا تھا جس سے قربانی کے جانوروں کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا تھا جب کہ زخم سرایت کر جاتا۔ اور خصوصاً چھری سے زخم کرنا تو امام صاحبؒ نے سد ذرائع کے طور پر اس سے منع کیا کیونکہ عوام اس کی رعایت نہیں رکھ سکتے تھے۔

(بحوالہ فتح الملہم ج ۳ ص ۲۱)

اور امام صاحبؒ کا یہی مذہب امام ابو منصور ماتریدیؒ (المتوفی ۳۳۳ھ) علامہ خضکیؒ اور ابن عابدینؒ (غنیہ) نے بھی نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

ویتعین الرجوع الی ما قال الصحابی فانہ اعلو من غیرہ باقوال اصحابہ ھ

طحاویؒ نے جو کچھ کہا ہے اسی کی طرف رجوع کرنا متعین ہے کیونکہ وہ اپنے اصحاب کے قول کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۱)

اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۲۵۳ھ) نے بھی امام طحاویؒ کا یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو المعروف الشذی ص ۳۳)

اشعار کے مسئلہ میں سب سے زیادہ لے دے حضرت امام ابو حنیفہؒ پر علامہ ابن حزمؒ نے کی ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان کا قول نقل کر کے آخر میں یہی لکھا ہے کہ امام طحاویؒ کے قول کے مقابلہ میں کسی اور کی بات تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ باقی یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اشعار کا حکم دیا ہے، ہلاکت اور غیر ہلاکت کا سوال نہیں پیدا ہوتا تو بلا شک ایسا ہی ہے مگر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی دیگر صحیح اور صریح روایات جانوروں پر تعدی کرنے سے منع کرتی ہیں۔ اہل عرب کے پاس اونٹ بھی فراواں تھے اور وہ سنت کے مطابق اشعار کا طریقہ بھی بخوبی جانتے تھے۔ بخلاف اکثر اہل عجم کے جن کی بے اعتدالی کو دیکھ کر امام صاحبؒ نے اس غلو کو مکروہ کہا ہے۔

الغرض امام ابوحنیفہؒ کا غلو فی الاشعار کو بدعت کہنا اور چیز ہے اور نفس اشعار کا جو تسلیم کرنا الگ بات ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی سمجھے جس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں کے مسجد میں صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:-

بدعة۔ (بخاری ج ۲۳۸ و مسلم ج ۴۹) یہ بدعت ہے۔

امام نووی الشافعیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ان مراده ان اظهارها في المسجد والجماعة ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظہر لہا ہو البدعة لان اصل صلوٰۃ الضحیٰ بدعة کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع کرنا یہ بدعت ہے نہ کہ نفس صلوٰۃ الضحیٰ ہی بدعت ہے۔ (شرح مسلم ج ۴۹)

اور اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ بعض چیزیں باوجود سنت ہونے کے جب کہ ان کے ساتھ مزید غیر شرعی قیود شامل ہو جائیں تو وہ بدعت ہو جاتی ہیں۔ اس کی مزید تحقیق راقم کی کتاب "راہ سنت" میں ملاحظہ کیجئے۔

ورابعا اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام وکیع بن الجراحؒ نے اپنی فہم کے مطابق اشعار کے منہ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو رد کر دیا ہے تو اس سے یہ کیونکر لازم آتا ہے کہ وہ کلی طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مخالفت تھے یا ان کے مقلد نہ تھے؟ اس امر کی تاریخی طور پر سینکڑوں مثالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اسی پر نگاہ جمائیے کہ کیا حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں اصولاً حنفی نہ تھے؟ مگر بیسیوں مسائل میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف رائے کیا اور ان کے خلاف دلائل پیش کئے ہیں کیا اس طریق سے وہ حنفیت خارج ہو گئے تھے؟ مولانا مہار کی پوری صاحبؒ کا یہ کہنا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اور حنفی نہ تھے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۷)

محض تسکین قلب کا سامان ہے اور بس۔ طاقت منصورہ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ترمذی کی اشعار والی عبارت سے امام ابو حنیفہ کا مخالف سنت ثابت کرنا اور امام وکیع بن الجراح کو ان کا مخالف قرار دے کر ان کے حلقہ تقلید سے خارج کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ نہ تو حضرت امام ابو حنیفہ کسی صحیح حدیث کے منکر تھے اور نہ امام وکیع بن الجراح غیر مقلد تھے بلکہ وہ بچے مقلد اور کٹر حنفی تھے مگر اسی طرح جس طرح کہ اہل علم تقلید کیا کرتے ہیں۔

دوسری شق کا جواب :- بلا شک امام کبیر ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۵ھ) جو الحافظ عظیم النظیر اور الثبت النخرب تھے، تذکرہ ص ۱۸) نے اپنے مصنف میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان یہ ہے :-

هذا ما خالف به ابو حنیفة الاثر الذی کریر وہ باب جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو حنیفہ نے جاور عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کی ہے اس باب میں انہوں نے بزم خودیہ دعویٰ کیا ہے کہ ایک سو پچیس مسائل میں امام ابو حنیفہ نے احادیث و آثار کی مخالفت کی ہے لیکن اسکی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی فہم سے جو کچھ احادیث سے سمجھا ہے امام ابو حنیفہ کے تفقہ کو اس سے متصاوم ہوتے ہوئے حدیث کی مخالفت کی بھیا نک شکل میں پیش کیا ہے۔ بالفاظ دیگر ان دونوں بزرگوں کے درمیان تفقہ اور اس کے طریق کار کا اختلاف ہے۔ گویا یوں کہہ لیجئے کہ امام ابو حنیفہ، امام ابن ابی شیبہ کے ہفتی مذہب کے خلاف کیا ہوئے بلکہ ان کے زعم میں حدیث ہی کے مخالف ہو گئے۔ (معاذ اللہ) اور اس سے بڑھ کر اس کی اور کوئی تحقیقت نہیں ہے۔

بس اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

بعینہ یوں سمجھیے جس طرح امام لیث بن سعد نے امام مالک کو ستر حدیثوں کا مخالف بتایا ہے اور علامہ ابن حزم نے ان کو ستر سے زائد حدیثوں کا، ک گروانا ہے یا جس طرح امام ابن عبد الحکم نے حضرت امام شافعی کو کتاب اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف گردانا ہے۔ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ائمہ دین اور اساطین علم جن پر عالم اسباب میں علوم شریعت کا

انحصار ہے واقعی ایسے تھے؟ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین حضرت کو فہم عطا فرمائے کہ وہ بات کو سمجھ سکیں اور ائمہ دین میں سے کسی کے خلاف اگر کتابوں میں کوئی حوالہ نظر آئے تو اس کو لے کر چوبیس کی طرح پنساری نہ بن بیٹھیں جس کو سونٹھ کی گرہ ملی تھی اور وہ پنساری و عطاری بننے کا خواب دیکھتا رہا تھا مگر افسوس ہے کہ :- ع

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب ہیں

یہ یاد رہے کہ امام ابن ابی شیبہؒ کے جواب میں بہت سے علماء اسلام نے تردیدی کتابیں لکھی ہیں جن میں خصوصیت سے مندرجہ ذیل حضرات کی کتابیں قابل ذکر ہیں :-

① حافظ عبد القادر القرشی الحنفی مؤلف الجواهر المضیۃ ان کی کتاب کا نام الدرر المنیفة فی الرد علی ابن شیبہؒ فی ماوردہ علی ابی حنیفہؒ ہے۔

② حافظ حدیث ادرقیہ وقت قاسم بن قطلوبغا الحنفی المتوفی ۸۶۹ھ جن کو حافظ ابن حجرؒ باوجود استاد ہونے کے ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :- الامام العلامہ المحدث الفقیہ اور الشیخ الفاضل المحدث الکامل الا وحدهم الضو اللامع فی اعیان القرن التاسع مبر ازعمہ السخاوی الشافعی ان کی کتاب کا نام الوجوبہ المنیفة عن اعتراضات ابن ابی شیبہؒ علی ابی حنیفہؒ ہے۔

③ علامہ تاجانہ محمد زاہد کوثری الحنفی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) ان کی تالیف کا نام النکت الطریفة فی التحدیث عن ردود ابن ابی شیبہؒ علی ابی حنیفہؒ ہے۔

غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نہ تو حدیث اشعار کا انکار اور مخالفت کی ہے اور نہ کسی ایسی حدیث کی جو انکی عائد کردہ شرطوں کے مطابق ہے۔ ان پر انکا حدیث یا مخالفت حدیث کا الزام بالکل بکینہ اور محض مخالفانہ ہے۔ ہاں چونکہ وہ مجتہد ہیں اسلئے یہ تو ممکن ہے کہ کسی شرط کے عائد کرنے میں غلطی کر گئے ہوں جس طرح کہ حضرت امام بخاریؒ نے حدیث حسن کو قابل استدلال نہیں گردانا۔ حالانکہ گزشتہ چک ہے کہ ان کا یہ نظریہ بغیر ابن العربیؒ کے اور تمام متقدمین متاخرین کے خلاف ہے، مگر اس انجی دیانت پر کیا اثر؟ اور اسی طرح فقہی اور معنوی طور پر نیک اجتہاد کی تو قایل انکار چہ یہ اسے نہ قابل گرفت صحیح ہیرج اور فروغ روایت کے گرد چک ہے کہ مجتہد بصورت خطابی ایک اجبر کا متفق ہوتا ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ بقول شخصے ع

”اُس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت“

باب ہفتم

مخالفت حدیث کی ایک نفیس بحث

اس مقام پر اصولی طور پر یہ بحث بھی بجلی معلوم ہوتی ہے کہ مخالفت حدیث کا مفہوم کیا ہوتا ہے؟ کیا ہر مقام پر مخالفت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کی مخالفت مراد ہوتی ہے یا ان الفاظ کے اندر جو معنی اور مدلول پنہاں ہوتا ہے، اس کی مخالفت بھی مراد ہوتی ہے؟ اور اگر کوئی شخص آپ کے ظاہری الفاظ کی تو مخالفت کرتا ہے لیکن ان کے اندر جو معنی مستنبط ہوتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے جو بظاہر لفظوں سے متبادر نہیں ہوتا تو کیا اس شخص کو مخالفت حدیث کا لازم قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز سے منع فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر اس منع اور ممانعت سے حرمت اور کراہت تحریم ہی مراد ہوگی یا اس سے ترکِ اولیٰ اور کراہت تنزیہیہ بھی مراد ہو سکتی ہے؟ اور اگر آپ نے کوئی حکم ارشاد فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر وہ امر اور وجوب ہی کے لیے ہوگا یا کہیں محض ارشاد اور مشورہ کے لیے بھی ہو سکتا ہے، جس کا نہ ماننے والا عاصی اور نافرمان نہیں کہلایا جاسکتا؟ ہم نہایت اختصار کے ساتھ صحیح احادیث سے ان امور پر روشنی ڈالتے ہیں غور فرمائیں۔

① حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر (جب کہ یہود بنی قریظہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتہائی ریشہ دوانی کرنے کے بعد مدینہ طیبہ سے چند میل دور قلعہ بند ہو گئے تھے) یہ ارشاد فرمایا کہ فوراً بنو قریظہ کے

پاس پہنچا اور

لَا يَصِلُتَيْنِ أَحَدَهُ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنَى قَرِيطَةَ
فَادْرُكْ بَعْضَهُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ
بَعْضُهُمْ لَا نَصْلِي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ
بَلْ نَصْلِي لَمْ يَرِدْ مَا ذَاكَ فَذَكَرَ ذَلِكَ
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ
يَعْلَفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ
(بخاری ج ۵ ص ۵۹)

تم میں سے کوئی ایک شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے
مگر بنی قریطہ میں جا کر چنانچہ راستہ میں ان میں سے
بعض پر عصر کی نماز کا وقت آگیا۔ ان میں سے کچھ حضرت
نے کہا کہ ہم تو بنی قریطہ ہی میں جا کر نماز پڑھیں گے
اور بعض دیگر نے کہا کہ ہم تو نماز یہاں ہی پڑھیں گے
کیونکہ ہم سے یہ تو طلب نہیں کیا گیا کہ ہم نماز نہ پڑھیں
انہوں نے نماز پڑھ لی جب آپ کے سامنے اس
کا ذکر ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی۔

ان میں سے ایک گروہ نے معنی مراد کو ملحوظ رکھ کر عصر کے وقت نماز پڑھ لی اور دوسرے
گروہ نے ظاہری الفاظ کو دیکھا اور نماز عصر عشاء کے بعد بنو قریطہ پہنچ کر پڑھی۔ حافظ ابن القیمؒ
لکھتے ہیں کہ پہلا گروہ فقیہ تھا اور وہ دوسرے اجر کا مستحق ہوا اور دوسرا گروہ معذور بلکہ ماجور تھا مگر
ایک اجر کا وہ بھی مستحق ہوا۔ (زاد المعاد ص ۲ ج ۲)

تعجب ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبی جو نون تاکید تہلیل کے ساتھ ہے
اور لفظ احد جو نیکو ہے نہی کے نیچے داخل ہو کر تغزق کا فائدہ دیتا ہے جس سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں مگر بائیں
حضرات صحابہ کرامؓ کا ایک گروہ ظاہری الفاظ کے خلاف عمل کرتا ہے اور وہ پھر بھی قابل ملامت
نہیں ٹھہرتا بلکہ ماجور ہوتا ہے اور اجر بھی دوسرا اور مفہوم کو وہ لفظوں کے اندر چھپا ہوا پاتا ہے ظاہری
الفاظ میں تو اس کی کہیں بڑبڑ محسوس نہیں ہوتی، چاہیے تو یہ تھا کہ ان حضرات کو مخالف
حدیث گردانا جاتا اور آپ کی صریح نبی کا (جو ان کے حق میں قطعی تھی) کیونکہ ان کو یہ حکم بالمشافہ ملا تھا
مخالف قرار دے کر قابل ملامت سمجھا جاتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ سوچئے کیوں؟ اور جس گروہ نے ظاہری لفظ
دیکھے اور اسنی پر عامل ہوا اور عصر کی تاکید نماز کو قضا کر دیا تو ایک اجر کا وہ بھی مستحق رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

قال السهيلي وغيره في هذا الحديث من الفقه
ام سہیل وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے جو فہم

انہ لایعاب علی من اخذ بظاہر حدیث حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کلمہ حدیث
 اوایۃ وعلی من استنبط من النص معنی مخلصہ یا آیت کے ظاہر پر عمل کیا تو ان پر کوئی عیب نہیں اور
 (فتح الباری ۱/۱۸۷ طبع دہلی) ان لوگوں پر بھی کوئی عیب نہیں جنہوں نے نص سے
 کوئی معنی استنباط کیا جو اس کو مخصوص کرتا ہو۔

اگر مخالفت حدیث کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ کی مخالفت ہو اور معنی مستنبط کو
 نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ضرور مخالفت ہوگی ورنہ یہ عمل بالحدیث ہی ہوگا جو کسی طرح قابل
 ملامت نہیں ہے۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لڑی حضرت مارثیہ کو منافقین کے ایک گروہ نے ان کے
 چچا زاد بھائی حضرت مابور سے متہم کر دیا۔ یہ خبر اس انداز سے پھیلی کہ خود آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس خبر کا یقین آگیا اور کچھ قرآن اور شواہد بھی ایسے تھے جن کی وجہ سے
 آپ کا یہ یقین بے جا نہ تھا۔ آپ نے غیرت میں آکر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ مابور کو
 جہاں ملے جا کر قتل کر دو۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

اذھب فاضرب عنقه (مشعر ۲ ص ۳۸۸) جا اور جا کر اس کی گردن اڑائے۔

حضرت علیؑ گئے تو دیکھا کہ وہ ایک کنوئیں میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے اس کو
 جو وہاں سے کھینچا تو اس کشش میں اس کا تہ بند کھل گیا، حضرت علیؑ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ
 لم یخلق اللہ له مال الرجال (متحدکہ ۳ ص ۳۹۰) اللہ تعالیٰ نے فطرتاً اس کا آکر ہی پیدا نہیں کیا۔

اور امام مسلمؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

وانہ لمحبوب مالہ ذکر (مسلم) وہ محبوب و نامرد تھا اس کا سرے سے آکر تامل
 ہی نہ تھا۔

حضرت علیؑ نے جب یہ محسوس کیا کہ اس شخص میں قتل کرنے کی وہ عقلت ہی نہیں پائی۔
 جاتی جس کی بنا پر مجھے دربار رسالت سے حکم ملا تھا۔ تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس
 ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی اور واپس جا کر آپؐ سے یہ باجرا بیان کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:-

الشاہد یزید مالہ یزید الغائب (مسند احمد) حاضر وہ کچھ دیکھ رہا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔

جراح استادہ رجال ثقات، البدایہ والنہایہ ۲/۵۴

وروی النسخ مثله، واستادہ صبیح الجامع الصغیر ۲/۴۲

آپ جلتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح اور بالمشافہ حکم اور وہ بھی تعزیرِ محدہ کی مدد کا جس میں حکم خداوندی کسی نرمی اور آفست کی کوئی گنجائش ہی نہیں، کیا درجہ رکھتا ہے؟ مگر حضرت علیؑ اس حکم کی تعمیل کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں اور دربارِ نبوت سے بجائے ملائت اور سرفرازی کے وہ اس ترکِ حکم پر دِ تحسین حاصل کرتے ہیں۔ اب کیا کہا جائے کہ حضرت علیؑ آپ کے اس حکم اور حدیث کی مخالفت کی وجہ سے منکر اور مخالف حدیث ہیں؟ حاشا وکلا کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(۳) حضرت علیؑ ہی کی ایک روایت میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

فان امۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نبت قامر فی ان اجلہا فاذا ہی حدیث
عهد بنضائ فحشیت ان انا جلد تھا ان
اقتلہا فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ
وسلم فقال احسنت (مسند ۲/۴۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت نے
نمایا، مجھے آپ نے فرمایا کہ جا کر اس کو کڑے لگا دو۔
میں گیا تو دیکھا کہ اس کے ہاں پتھر پیدا ہوا ہے مجھے
یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اس کو سزا دی تو کہیں وہ
مر ہی نہ جلتے میں بغیر سزا دینے واپس آپ کی
خدمت میں پہنچا اور سارا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا
تو نے اچھا کیا ہے۔

غور فرمائیے کہ آپ کا ظاہری حکم مقتیدہ اور مشروط نہ تھا، لیکن حضرت علیؑ نے جو فقہانے صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں اپنے تفسیر و اجتہاد سے یہ سمجھا کہ آپ کا حکم درحقیقت مشروط و مقتیدہ ہے۔ بایں شرط کہ وہ کوئی ہلاک نہ ہو جائے اور زچگی کی حالت میں سزا دینا ہو سکتا ہے کہ اس کی موت پر مٹنے ہو اس لیے انہوں نے کوئی سزا نہ دی اور واپس چلے آئے۔ آپ نے یہ سن کر جو بجائے اس کے کہ ان کو عسایاں اور روگردانی کے داغ سے داغدار کرتے اٹھ اُن کی تائید و تصویب اور تحسین فرمائی اَحْسَنَتْ کہ تو نے اچھا کیا۔ برعکس اس کے اگر اس حالت میں حضرت علیؑ اس کو کڑے لگا دیتے تو آپ کے ظاہری حکم کی تعمیل کی وجہ سے بہت ممکن ہے کہ وہ محبوب

ٹھہرتے۔ اس ایک ہی واقعے سے بہت سے اجتہادی، قیاسی اور فروعی مسائل جو بظاہر بعض احادیث کے ظاہری الفاظ کے مخالف نظر آتے ہیں خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ ہاں مگر مجتہدین تفقہ واجتہاد کا ملکہ ہونا ضروری امر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کشتی تفقہ کا پانچواں سوار ہی یہ دعوے کر بیٹھے۔ سچ ہے کہ :-

تسے رندوں پہ سائے کھل گئے اسرار میں ساقی

ہو واعلم الیقین، حق الیقین، عین الیقین ساقی

(۴) حضرت براء بن عازبؓ (المتوفی ۱۸ھ) کی ایک طویل حدیث میں جس میں انہوں نے صلح حدیبیہ کے پورے حالات کا نقشہ کھینچا ہے، اس میں یہ مضمون بھی آتا ہے کہ بالآخر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان معاہدہ طے ہوا تو آپ نے عہد نامہ پر اپنے کاتب حضرت علیؓ سے یہ الفاظ بھی لکھوائے کہ ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ ﷺ یعنی یہ وہ عہد نامہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فزوق ثانی سے طے کیا ہے مشرکین کے نمائندہ (سہیل بن عمرو جو بعد کو مسلمان ہو گئے تھے) نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور کہنے لگا کہ اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لیں تو پھر ہمارا اور آپ کا اختلاف کیا؟ اس لیے رسول اللہ کے الفاظ آپ کو صلح نامہ سے کاٹنے پڑیں گے اور محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھوائے پڑیں گے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد رسول اللہؐ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہؐ بھی ہوں لیکن جب مشرکین نہ مانے تو حالات کی انتہائی نزاکت کے پیش نظر آپ نے فرمایا کہ :-

ثم قال لعلي أُمّ رسول الله قال لا والله
لا أحوّل أبداً۔ (بخاری ج ۳ ص ۲۷۷)

فرمایا خدا کی میں تو کبھی نہ مٹاؤں گا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے :-

فامر علياً ان يمحاها فقال علي والله لا
امحاه (مسند ج ۱ ص ۱۰۷)

علی نے فرمایا کہ بخدا میں ان کو نہیں مٹاؤں گا۔

بڑا ہی عجیب معاملہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حضرت علیؓ کو نام لے کر اہل اور حکم دے رہے ہیں کہ اے علیؓ یہ لفظ مٹا دو مگر حضرت علیؓ ہیں کہ آپ کے اس صریح حکم کی تعمیل

کھنے کے بجائے حلفیہ طور پر یہ فرماتے ہیں کہ بخدا میں تو کبھی نہ مٹاؤں گا۔ انصاف سے فرمائیے کہ حضرت علیؓ پر کیا فتویٰ لگانا چاہیے؟ اور لگانا بھی چاہیے یا نہیں؟ نظر بظاہر تو فتویٰ نہ لگانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رد و رد و حکم ہو اور نام لے کر ہو۔ لیکن اس کے جواب میں حضرت علیؓ خدا تعالیٰ کی قسم اٹھا کر عدم تعمیل پر مصر اور کمر بستہ ہوں تو پھر وہ فتویٰ بازی سے کیونکر بچ سکتے ہیں؟ اور کب بچ سکتے ہیں؟ (معاذ اللہ) ظاہر بین جانیں اور ان کی فتویٰ بازی، ہاں البتہ دیدہ بصیرت رکھنے والے اور بات کی تہ اور حقیقت کو سمجھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ قریش مکہ کے نمائندوں کی موجودگی میں حضرت علیؓ کے اس ظاہری انکار میں بھی ادب اور عشق محمدی سمندر کی اندرونی موجوں کی طرح اُبل رہا ہے اور زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ جس رسول اللہ کی جنت اور فدائیت نے دنیا کے تمام لذائذ و سرتوں سے بے نیاز کر دیا ہے، اس کے نقشِ پاک کو دل کے آئینہ سے مٹانا تو رہا الگ بخدا ان کے اس پیلے نام کو سطح کاغذ سے مٹانے پر بھی دل آمادہ نہیں ہے۔

سکوت شمع سہر بزم کو خبر ہی نہیں
ٹڑپ رہا ہے ازل سے مذاق پر روانہ
چنانچہ حضرت امام نووی الشافعیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

وهذا الذي فعله علي من باب الادب
المتعب لانه لم يفهم من النبي صلى الله
عليه وسلم تحتيم محو علي بنفسه ولهذا
لم يشكر ولو حتم معوه بنفسه لم يجز لعلي
تركه ولما اقره النبي صلى الله عليه و
سله على المخالفة

یہ کاروائی جو حضرت علیؓ نے کی ہے ادب محبت کے
بجائے ہے کیونکہ وہ آپؐ کے قول سے یہی سمجھے تھے کہ
اس نوشت کا مٹانا خود علیؓ پر لازم نہیں اور اسی
لیے آپؐ نے حضرت علیؓ پر کوئی گرفت نہیں کی۔ اگر
ان کے لیے بدست خود مٹانا ضروری ہوتا تو نہ حضرت
علیؓ کے لیے اس حکم کا ترک جائز ہوتا اور نہ آپؐ

ان کو اس مخالفت پر برقرار رہنے دیتے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)

اس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے اور ان کی تہ میں ادب
مستحب کا جو معنی خفتہ و پنہاں ہے جس کو حضرت علیؓ کی دُور رس اور فقیہانہ نگاہ تازہ کرتی

ہے۔ وہ بھی دیکھ لیجئے جس کا ظاہری الفاظ میں کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ آج تک امت سے
مروجہ میں سے کسی کو یہ بات نہ سوجھی کہ وہ حضرت علیؑ کو منکر یا مخالف حدیث بنا کر کوٹا ہوا اور
منظم طور پر مخالف حدیث ہونے کا مکروہ پراپیگنڈا ان کے خلاف شروع کرتا ہو۔ مگر سہ
جہول میں عشق نہیں دل ہے جنس ناکارہ!

نہ ہو چمک تو ہے آئینہ ایک پارہ سنگ!

⑤ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (المتوفی ۶۵ھ) کی یہ شکایت جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی کہ انہوں نے تازیست ہمیشہ روزہ رکھنے اور رات کے قیام کا
الزام کر لیا ہے جس کی وجہ سے یقینہ جائزہ کاموں کے علاوہ حقوق زوجیت میں بھی غفل واقع
ہوتا ہے۔ آپ نے ان کو اس فعل پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ رات کو قیام بھی کرو اور ہر عید میں
تین دن روزے رکھو، یہ صوم الدھر ہو جائے گا۔ انہوں نے اس سے زیادہ کی خواہش کی تو آپ نے
فرمایا کہ پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے
اور یہ سب سے افضل روزہ ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۲۶۵)

اور ایک روایت یوں ہے کہ:-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصلام
من صام الذی مریض (بخاری ج ۲ ص ۲۶۵)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے فرمایا کہ جس نے
ہمیشہ روزہ رکھا تو اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا۔

اس صحیح اور صریح روایت کے ظاہری الفاظ سے صوم الدھر کی ممانعت یا کراہت
ثابت ہوتی ہے لیکن ائمہ مروجہ میں بے شمار لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو صائم الدھر تھے۔
حضرت امام شعبہ بن الحجاج صائم الدھر تھے۔ (مقدمۃ تحفۃ الخوذی ص ۲۲)

امام وکیع بن الجراح صائم الدھر تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۴۷)

حضرت امام بخاری صائم الدھر تھے۔ (میزان الکبریٰ ج ۵ ص ۵)

اگر ہم چاہیں تو کتب اسامہ الرجال اور طبقات روایت سے سینہ پڑوں مثالیں ان حضرات
کی پیش کر سکتے ہیں جو صائم الدھر تھے مگر صرف ایک حوالہ اور عرض کرتے ہیں:-

موتلف نتائج التقلید اپنے استاد محترم حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی

کے حالات میں زیر عنوان مشاہدہ لکھتے ہیں کہ:-

”مدت میداور عرصہ بعید سے صائم الدھر ہیں۔ صرف ایک ہی وقت شام کو کھایا کرتے ہیں“ (بلفظہ ص ۳)

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ مولانا روپڑی صاحبؒ سحری بھی نہیں کھاتے تھے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث یوں آتی ہے کہ:-

تَسْتَوُوا فَاِنَّ فِي السَّوَادِ بَرَكَۃٌ (بخاری ج ۱) یعنی تم سحری (کھایا) کرو۔ کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ (۲۵۰ مسلم ج ۳۵۱ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۱)

تَسْتَوُوا امر کا صیغہ ہے، وجوب کے لیے نہ سہی استحباب کیا کم ہوگا؟ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ سحری کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے (ج ۳ ص ۳۵) مگر اس حوالے کے پیش نظر مولانا حافظ روپڑی صاحبؒ کا عمل اس پر نہیں تھا، اور پہلی روایت کے ظاہری الفاظ کی تلاویٰ کرنے والے جمہور اُمت میں علاوہ امام شعبہؒ، امام ویسؒ، امام بخاریؒ کے خود مولانا روپڑی صاحبؒ بھی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو لُصَامٌ مِنْ صَامٍ اَبَدٌ فرما کر اس کی سنی کی ہے مگر یہ حضرات اس کے خلاف چلتے رہے ہیں تو کیا اب ان تمام حضرات کو مخالف حدیث کہہ کر کوٹنا شروع کر دیا جائے؟ یا یہ کہا جائے کہ اگرچہ آپؐ نے یہ ارشاد تو فرمایا ہے مگر اس کی تہ میں اُمت مرحومہ کے ساتھ ترقی اور سہولت منظور ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے لیے سہولت سمجھتا ہے اور ایام ممنوعہ کے علاوہ ہمیشہ روزے رکھتا ہے تو وہ اس حدیث کے اندر جو مضموم نہنہاں و پوشیدہ مگر زبان حال سے گویا ہے اس پر عامل ہے اور یہ کاروائی حدیث کے مخالف نہیں اور نہ اس کی وجہ سے کسی پر ملامت جائز اور روا ہے، اور اس طرز عمل میں صرف اہل البصیرۃ ہی نہیں بلکہ اکثر ائمہ ان کے ساتھ ہیں غرضیکہ ع

”اس گنہ گاریت کہ در شہر شمانیز کنند“

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصالِ فطرت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ:-

ونفق الا بطن (بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ و مسلم ج ۳۵۱) زیر بغل بال اکھائے جائیں۔

نُتف عربی میں نتف کے معنی مچھنے کے ساتھ بالوں کے اکھاڑنے کے آتے ہیں کسی صحیح اور مرفوع روایت میں حلق الابط (استرے کے ساتھ زیر بغل بالوں کا منڈانا) نہیں آتا مگر جمہور اُمت نتف پر عمل نہیں کرتے بلکہ خود غیر مقتدین حضرت بھی جہاں تک ہم نے دیکھا اور سنا ہے اور جو عمل بالحدیث کے بزعیم خویش مدعی بھی ہیں نتف پر عامل نہیں ہیں۔ تو کیا اب سب اُمت کو اس حدیث کا تارک اور مخالف قرار دے کر ان پر برسا شروع کر دیا جائے؟

امام نوویؒ اور قاضی شوکانیؒ نتف الابط کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

امانت الابط قسّنة بالاتفاق والافضل
بہر کیف زیر بغل بالوں کا اکھاڑنا بالاتفاق سنت
فیہ النتف لمن قوی علیہ ویحصل ایضاً
ہے۔ اور افضل اس میں جو اس پر قوی ہو اکھاڑنا ہی
بالحلق وبالنورة وحكى عن یونس بن
ہے اور منڈوانے اور چوڑے سے زائل کرنے سے بھی یہ
عبد اذ علی قال دخلت علی الشافعی رحمہ اللہ
مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ یونس بن عبد الاعلیٰ سے
وعندہ المزین یحلق ابطہ فقال الشافعی
مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے پاس
علمت ان السنة النتف ولكن لا اقوی
گیا تو ان کے پاس حجام تھا جو ان کی بغلوں کے بال
اُسترے سے صاف کر رہا۔ حضرت امام شافعیؒ نے
علی المصحح۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ و نیل الاوطار ص ۱۲۴)
از خود ہی یہ فرمایا کہ میں اس کو جانتا ہوں کہ سنت
بالوں کا اکھاڑنا ہی ہے مگر میں تکلیف کو برائت
نہیں کر سکتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث میں بصراحت کوئی ایسی قید
ثابت نہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو اکھاڑنے پر قوی ہو مگر شرح حدیث لمن قوی علیہ
کی قید سے اس کو مقتیدہ کرتے ہیں اور استرے اور چوڑے سے بھی فرماتے ہیں کہ یہ مقصود حاصل
ہو جاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام اہل سنت حضرت امام شافعیؒ بھی نتف الابط کی حدیث
پر باوجود اس کو سنت کہنے کے عمل نہیں کر سکے اور معذرت کر گئے ہیں۔ اب کیا تمام اُمت

کو نکتہ ابطال کی حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے منکر یا تارک حدیث کہہ دیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جو حضرات بیح شریعت سے واقف ہیں اور صرف پوہست پر ہی اکتفا نہیں کرتے وہ از روئے تفقہ یہ سمجھتے ہیں کہ مقصود بالذات تو بالوں کا دور کرنا ہے، خواہ وہ کسی بھی صورت سے حاصل ہو جائے۔

﴿ حضرت انس بن مالک (المتوفی ۹۳ھ) سے روایت ہے کہ:۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُتُّنَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ مُتَرِاصِبَةٍ فَإِنْ كَانَ لَابْنٌ قَاعًا فَلْيَقِلَّ اللَّهُمَّ أَحْيَيْ مَكَانَتِ الْحَيَاةِ خَيْرًا إِلَى تَوَفَّقِي إِذَا كَانَتْ الْوُفَاةَ خَيْرًا إِلَى

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ہرگز کسی دھکے کی وجہ سے جوئے پہنچا ہو موت کی تئامت کہے سو اگر خواہ مخواہ یہ تئامت کرنی ہی ہے تو یوں کہے اللہ تو مجھے زندہ رکھ اگر میرے لیے زندگی بہتر ہے اور تو مجھے وفات دے

(بخاری ج ۴ ص ۸۴)

دے اگر میرے حق میں وفات بہتر ہے۔

اس حدیث میں لفظ صر مطلق ہے، عام اس سے کہ یہ ضرر دینی ہو یا دنیوی اور نہی بھی ہوں تاکہ یہ ثقیلہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے مگر شریح حدیث اس مقام میں ضرر کو دنیوی ضرر سے مقید کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ”حضرت علیؓ نے موت کی آرزو کی تھی جب کہ معاملات بہت پیچیدہ ہو گئے اور فتنے بڑھ گئے اور قتل و قتال کا بازار گرم ہو گیا اور قیل و قال بہت کمزرت شروع ہو گئی تھی اور اسی طرح حضرت امام بخاریؒ نے بھی موت کی آرزو کی تھی۔

لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَالُ وَلَقِيَ مِنْ مَعَانِيهِ الْوَهْلَ حَبِيبُ اللَّهِ فِي حَالَتِ سَخْتٍ هَوَّجَتْ وَأَوَّلَتْهُ مَخَالِيقُ

سے پریشانیوں کا سامنا ہوا۔

اور حدیث منی عن الموت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

وَالْمُرَادُ بِالضَّرِّ هَهُنَا مَا يَخْصُ الْعَبْدَ فِي بَدَنِهِ مِنْ مَرَضٍ وَخَوْفٍ لَمْ يَكُنْ فِي دِينِهِ إِلَّا الْبَدَايَةُ وَالنَّهَايَةُ بِمَا صَرَّحَ بِهِ

ضرر سے مراد اس حدیث میں ایسا ضرر ہے جو آدمی کو بدنی طور پر پیش آئے مثلاً بیماری وغیرہ اس سے دینی ضرر مراد نہیں ہے۔

غور فرمائیے کہ جو شخص ضرر کی دینی اور دنیوی تقسیم نہیں کرے گا اور حدیث میں نہی کو عام

سیجے گا تو اس کے خیال کے مطابق حضرت علیؓ اور حضرت امام بخاریؒ وغیرہ اس صحیح حدیث کے مخالف نظر آئیں گے اور اگر وہ اس حدیث کے اندر یہ تقسیم تلاش کرے گا تو اس کو ناکامی ہوگی مگر شرح حدیث اور ہفتاؤ امت کے تفقہ سے یہ گمبختی سلجھے گی اور ان اکابر کے خلاف مخالف حدیث ہونے کا ادنیٰ وہم بھی نہیں ہوئے گا۔

حضرت امام بخاریؒ کو جب اپنے استاد محترم امام محمد بن یحییٰ الذہلیؒ سے بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا تو حکم بخاریؒ اور دیگر بعض اہل وطن کی گہری سازش سے ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور مرقند سے دوفرسخ کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤں قرنتنگ میں حضرت امام بخاریؒ فروکش ہوئے کیونکہ ان کے کچھ رشتہ دار وہاں بستے تھے۔ امام عبدالقدوس بن عبدالحیاء التمرقندی کا بیان ہے کہ:-

نمعتہ لیلة من الیالی وقد فرغ من
صلوة اللیل یدعوا ویقول فی دعائہ
اللہم انہ صاقت علی الارض بمارجت
فابقضنی الیک قال فاتمہ الشہر حتی
قبضہ اللہ الیہ وقبرہ بقرنتنگ۔
(تاریخ بعد ادب ص ۲۸۷ وطبقات الشافعیۃ البکری)
میں نے ان کو ایک رات مسجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے سو تو مجھ اپنی طرف اٹھائے اس کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا ہی لیا اور ان کی وفات ہو گئی، اور ان کی قبر قرنتنگ میں ہے۔
ج ۲ ص ۱۷۷ طبع مصر

جو شخص لَا یَمْتَنِّینَ کی حدیث کو عمومی نگاہ سے پڑھے گا تو اسے حضرت امام بخاریؒ کا یہ فعل ضرور مخالف حدیث نظر آئے گا لیکن اگر تعمق و باریک بینی اور لقمہ کی نگاہ سے وہ دیکھے گا تو اسے کوئی مخالفت نظر نہ آئے گی اور ہر چیز اپنے مقام پر ہے گی کہ ہینگ لگے نہ پھٹ کر۔
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کتنے عرصے میں قرآن کریم ختم کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر رات آپ نے ارشاد فرمایا کہ:-

اقرأ فی کل سبع لیل مرة۔ (بخاری ج ۵ ص ۵۵)
یعنی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کیا کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ :-

فاقد فی سبع ولو تعد علی ذالک (بخاری ج ۲) ہفتہ میں صرف ایک بار پڑھو اور اس زیادہ مت کرو۔

حضرت امام بخاریؒ اختلاف روایات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

قال بعضهم فی ثلاث و فی خمس و اکثرهن بعض نے تین راتوں میں اور بعض نے پانچ میں اور علی سبع (بخاری ج ۲) اکثر نے سات راتوں میں ایک بار ختم قرآن کا کہا ہے۔

گویا فن روایت کی دوسے حضرت امام بخاریؒ نے اکثر روایات (اور ایک روایت

میں ہے کہ اکثر روایات) کا اتفاق سات راتوں میں قرآن کریم کو ختم کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور

بظاہر اسی کو ترجیح دی ہے۔ چلنے تین ہی راتوں میں قرآن کریم ختم کرنے کی روایات کو لے لیجئے،

تب بھی روایت اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین سے کم راتوں میں

قرآن کریم ختم کرنے کا ذکر حضرت امام بخاریؒ کے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے

ہیں کہ اُمت مرحومہ میں بہت سے حضرات ایسے بھی ہوئے ہیں جو صرف ایک ہی رات

میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمان بن عفان المتوفی ۳۵ھ

قیام اللیل صلا و طبقات ابن سعد ج ۵ حضرت قیس داریؒ المتوفی ۳۵ھ ص ۱۷۱

ج ۲ و تہذیب التہذیب ج ۱۷ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ المتوفی ۳۵ھ ص ۱۷۱ ج ۱

وقیام اللیل ص ۳ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ائمہ دین میں حضرت امام شافعیؒ صرف رمضان

مبارک کے مہینہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳۲) اور

ایک مرتبہ انہوں نے ایک مسئلہ کی تلاش میں روزانہ تین مرتبہ اور تین دنوں میں نو دفعہ قرآن کریم

ختم کیا تھا (مفتاح المجتہد ص ۲۹ للسیوطی طبع مصر) اور امام وکیع بن الجراحؒ ایک رات میں

قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (بخاری ج ۱۳ ص ۴) امام الجرجیؒ والتعلیل بحی بن سعید الطحطاویؒ

جو میں گھنٹوں میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (بخاری ج ۱۳ ص ۱۴) و تہذیب الاسماء

واللغات لغوی ج ۲ ص ۱۵)۔

ایک دوسری سید بخاریؒ مثالیں بحوالہ تاریخی طرز پر اس کی پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہمارا

مقصود دلائل وحوالہات کا استیعاب نہیں ہم تو صرف اپنی بات کو مضبوط بن کر ناچاہتے ہیں صرف

ایک حوالہ اور سن لیجئے۔ حضرت امام بخاریؒ کے حالات میں کتب تاریخ، طبقات، رولت اور اسماء الرجال میں یہ بھی مذکور ہے کہ :-

وكان يختم بالنهار في كل يوم ختمه ويكون
ختمه عند الإفطار كل ليلة ويقول
عند كل ختم دعوة مستجابة -
تاريخ بغداد ۱۷۱ و طبقات الکبریٰ ۱۷۱
علاّمہ سبکی والخطۃ ۲۲۱

اگر حدیث مذکور کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو بعض اہل ظاہر کی طرح یہ نظریہ قائم کرنا پڑے گا کہ مذکورہ دونوں سے کم میں قرآن پاک کو ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (ہامش بخاری ۲/۵۶ ص ۷۱) اور سلف صالحینؒ کے ان اکابر کو معاذ اللہ مکروہ تحریمی کا مترکب کہنا پڑے گا۔ اگر حدیث کے ظاہری الفاظ کی مخالفت ہی سچ محض مخالفت ہوتی ہے اور اس کی نہ میں کسی پہناں معنی اور مضمر حقیقت کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تو یقین جانیے کہ ان اکابر کو مخالفت حدیث کا لقب دیا جائے گا۔ اور کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جس سے ان کی رستگاری ہو سکے مگر معاذ اللہ کہ کسی اہل علم کا ضمیر اور دل اس کو گوارا کرتا ہو کہ یہ اکابر مخالفت حدیث تھے بلکہ اس حدیث کے دیگر بیان کردہ مطالب کے علاوہ ایک آسان مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ اُمت پر شفقت اور ترحم کے سلسلہ میں ہے تاکہ اتنے دنوں میں غرور و فخر سے قرآن کریم پڑھ جائے اور اس کے معنی کو سمجھا جاسکے کیونکہ ہر آدمی تو مثلاً امام شافعیؒ نہیں کہ مسئلہ اجماع کے سمجھنے کے لیے تین دن میں تو مرتبہ قرآن کریم ختم کر لے اور منتہیٰ نظر یہ ہو کہ یہ مسئلہ استنباط کرنا ہے، ہر ایک کو بھلا یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ ع

نہ ہر کہ آئینہ دار و سکندر می داند

⑨ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے نفی فرماتے ہیں لیکن الفاظ اس تفصیل اور تشریح سے خاموش ہوتے ہیں کہ اُس میں نفی کا درجہ کیا ہے ؟ حرام ہے یا خلاف اولیٰ؟ مگر تاڑنے والی نگاہیں اپنی خدا داد فراست و بصیرت اور تقف سے

اس کا مقام متعین کر لیتی ہیں مثلاً حضرت ام عطیہؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ:-

ذہبنا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا ہم عورتوں کو جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۱)

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:-

كُنَّا نُنْهَى عَنْ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا (ہم عورتیں جنازوں کے ساتھ جانے سے تو منع کی جاتی تھیں مگر ہم پر اس کی تاکید نہیں کی جاتی تھی۔ (مسلم ج ۳ ص ۳۴۳)

حضرت امام نوویؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

معناه نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا ہے لیکن یہ نہی تنزیہی کے درجہ کی ہے۔ (نووی ج ۳ ص ۳۴۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام عطیہؓ نے اپنی بصیرت اور تفقہ سے آپ کی اس نہی کا درجہ قائم کیا ہے کہ یہ نہی تحریم کے درجہ کی نہیں بلکہ خلافِ اولیٰ اور تنزیہی کے مرتبہ کی ہے، حالانکہ حدیث میں صرف نہی کے الفاظ ہیں اور اس میں یہ تقیم مذکور موجود نہیں ہے مگر اس کے اندر کی حقیقت اور تہ کو سمجھنا بڑا اہم اور ضروری کام ہے اور اسی کو پالینے کا نام تفقہ ہے۔

⑩ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی حکم صادر فرماتے ہیں مگر وہ حکم صرف مشورہ کی حد تک ہوتا ہے اور اس کا ماننا اور نہ ماننا دونوں جائز ہوتے ہیں اور آپ کے ایسے حکم کا انکار (معاذ اللہ) آپ کی نافرمانی تصور نہیں ہوتی۔ مثلاً ملاحظہ کیجیے کہ جب حضرت بریرہؓ کو آزادی حاصل ہوئی تو شرعی مسئلہ کے تحت ان کو اپنے خاوند حضرت عیثؓ کے پاس رہنے یا نکاح فسخ کرانے کی اجازت ملی، انہوں نے حضرت عیثؓ سے رستگاری کو ترجیح دی اور وہ بے چارے لگیوں میں حضرت بریرہؓ کے پیچھے رو رو کر یہ التجا کرتے رہے کہ تو مجھ سے

ایک نہ ہو مگر وہ نہ مانیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بریرہؓ تو مغیثؓ کے پاس ہی رہے تو کیا اچھلے۔ وہ کہنے لگی کہ:-

یا رسول اللہ تاملنی؟ قال انما اشفع قالت
فلا حاجۃ لی فیہ۔ (بخاری ج ۹ ص ۹۵) و مشکوٰۃ
انہوں نے کہا تو پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (ج ۶ ص ۲۷)

دیکھئے کہ حضرت بریرہؓ اپنے تعلقہ فی الدین کی وجہ سے آپ کے حکم و ارشاد کا درجہ خود آپ ہی سے متعین کرنا چاہتی ہیں کہ اگر یہ حکم اور امر ہے تو مجھے اس کے تسلیم کرنے سے کیا چارہ ہے؟ اور اگر صرف مشورہ ہے تو مجھے قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے بعد حضرت بریرہؓ نے وہی کچھ کیا جو ان کو پسند تھا اور حضرت مغیثؓ سے رہائی حاصل کر لی۔

⑪ بعض مواقع اور مقامات ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریح الفاظ کی مخالفت ہی سے فہر اور رسالت اور منشاء نبوت کی تعیین ہو سکتی ہے اور ظاہری الفاظ پر عمل کرنا جرم اور رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہوگا۔ یقین نہ آئے تو حضرت ابوالیوب انصاریؓ (المتوفی ۱۵۷ھ) کی روایت ملاحظہ فرمائیے:-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضائے حاجت کے مسائل و احکام بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ تم نہ تو کعبہ کی طرف پیٹھ کرو اور نہ منہ آگے فرمایا کہ:-

شَرِّقُوا وَغَرِّبُوا۔ (بخاری ج ۲ ص ۲)

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:-

وَلٰكِنْ شَرِّقُوا وَغَرِّبُوا (مسلم ج ۳ ص ۱۳)

حضرت امام نوویؒ (وغیرہ) فرماتے ہیں کہ یہ حکم اہل مدینہ اور اُن کی سمت والوں کو ہے

جن کا قبلہ شمال یا جنوب رو یہ ہے (محصلہ ج ۳ ص ۱۳)

اب اگر ہم لوگ اس ملک میں مشرق یا مغرب کی طرف منہ کریں گے تو توہین قبلہ کا ارتکاب لازم آئے گا اور یہ بات منشاء نبوت کے خلاف ہوگی کیونکہ ہمارے علاقے کا منسل

وقع ہی ایسا ہے، لہذا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صریح الفاظ کی مخالفت کرنا لازم ہے تاکہ جہائے ملک میں اس حکم کی تہ میں جو مراد نبوت مضر ہے اس پر عمل ہو سکے اور قبلہ کی تعظیم اور احترام محفوظ رہے۔

(۱۲) پھر کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خداوند عزیز کے حکم کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مجتہد کو حکم خداوندی سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے اجتہادی حکم پر عمل کرنا پڑے گا اور اس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ چنانچہ ایک طویل حدیث میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لشکر کو جب د کے لیے روانہ فرماتے تو امراء لشکر کو نہایت ضروری اور مفید وصایا اور نصائح فرماتے۔ اور ان میں یہ بھی مذکور ہے کہ:-

واذا حاصرت اهل حصن فارادوك ان
تنزلهم على حكم الله فلا تنزلهم على
حكم الله ولكن انزلهم على حكمك فانك
لوتدرى التصيب حكم الله فيهم ام لا -
رمسلم ۲۸۷ واللفظ له - والبوداد ۲۸۷ و
ترمذی ۱۹۸۱ وابن ماجہ ۲۸۱
اور جب تم اہل قلعہ کا محاصرہ کر لو اور وہ تم سے
مصالحات کرتے ہوئے یہ ارادہ کریں کہ تم ان کو
اللہ تعالیٰ کے حکم پر اُتار دو تو تم ان کو اللہ تعالیٰ کے
حکم پر پناہ نہ دو لیکن تم ان کو اپنے حکم پر پناہ دو
کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ کیا تم ان کے حق میں اللہ تعالیٰ
کے حکم کو پاس کر گئے یا نہیں۔

اور اسی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر وہ تمہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر راضی ہونے کی پیشکش کریں تو تم ان کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر مت پناہ دو بلکہ خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ذمہ پر پناہ دو، کیونکہ یہ بات نہایت آسان ہے کہ تم اپنے اور اپنے اصحاب کے ذمہ کو برقرار نہ رکھ سکو یہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ کو توڑ دو اور عہد شکنی کرو۔

غور کیجئے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اِنْ اَلْحٰكُمُ الْاِلٰهُ رَبُّكَ فَخَرِّجْ اِلَيْهِ
کے اور کسی کا حکم ہے ہی نہیں اور دوسری طرف اس صحیح حدیث میں جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم امراء لشکر کو یہ حکم دیتے ہیں فلا تنزلهم على حكم الله کہ ان کو خدا تعالیٰ کے حکم

پرست اناؤ بلکہ اپنے حکم پر ان کو آمادہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی حقیقت اور تہ تک تم رسائی حاصل نہ کر سکو۔ اس مقام پر ہمیں اس بحث سے کوئی غرض نہیں کہ کیا اجتہاد ہی مسائل میں مصیبت ایک ہوتا ہے یا سب ہی مصیبت ہوتے ہیں؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے مگر اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مجتہد بصورت خطا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ توینج و سرزنش کا۔

امام نووی الشافعی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

هذا النهي ايضا على التنزيه والاحتياط
 وفيه حجة لمن يقول ليس كل مجتهد مصيباً
 بل المصيب واحد وهو الموافق لحكم الله
 تعالى في نفس الامر الخ

یہ منی بھی تنزیہی اور رائے احتیاط ہے اور اس میں
 ان لوگوں کے لیے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر
 مجتہد مصیبت نہیں ہوتا بلکہ مصیبت صرف وہی
 ہوتا ہے جس کا فیصلہ نفس الامر میں اللہ تعالیٰ

کے حکم کے مطابق ہو۔ (لہوی ج ۵ ص ۸۷)

انذار فرمائیے کہ ایک مقام وہ بھی نکل آیا جہاں مجتہد حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
 آلم وسلم خدا تعالیٰ کے حکم سے بائیں و جہ صرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ شاید اس تک نہ
 پہنچ سکے اپنے حکم پر فیصلہ کرنے کا مامور ہے، علاوہ انہیں آپ کی اس ممانعت اور نہی میں
 تحریم و تنزیہ کی کوئی قید موجود نہیں مگر امام نووی وغیرہ فلا تنزلہم کی منی کو تنزیہی پر حل کرتے
 ہیں۔ غور فرمائیے کہ ان دقیق اور عمیق علمی باریکیوں کو بھلا درایت و فراست بصیرت و فہم اور
 فہم و اجتہاد کے بغیر کس طرح حل کیا جاسکتا ہے؟ مگر ظاہر بینوں کی بے جا شکایات
 کو دیکھا جاتے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ فلاں بھی حدیث کا منکر ہے اور فلاں بھی
 مخالف حدیث ہے اور فلاں بھی تارک حدیث، تارک سنت اور زمرہ اہل حدیث سے
 خارج ہے اور فلاں بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ہاں مگر صرف وہی عامل بالحدیث الحمد للہ
 اور اصحاب الحدیث ہیں، باقی سب دنیا الہ حدیث کسلانے کی مستحق نہیں ہے مگر ایسی بیجا
 شکایات کا کیا علاج ہے؟

کس سے کہوں کہ لاکھ امیدیں مٹا گئی وہ ایک بات رنجش بیجا کہیں جسے

قارئین! کلام دراز اور بطلاق بیان وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ ہم صرف انہی مثالوں پر سر دست اکتفا کرتے ہیں جن سے ہر منصف مزاج باسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس کے اندر اور اس کی نہ میں کہیں شرط خفستہ ہوتی ہے اور کہیں قید پوشیدہ ہوتی ہے، کہیں کوئی علت اور لم پنہاں ہوتی ہے اور کہیں برعکس ظاہری الفاظ کے ادبِ منتخب مضمّن ہوتا ہے۔ کہیں امر میں استتباب و اباحت کے مراتب مخفی ہوتے ہیں اور کہیں نہی میں احتیاط و تنزیہ کا فرما ہوتے ہیں۔ کہیں ترقی و ترقم سبب قرار پاتے ہیں اور کہیں مشورہ و سهولت کا مقام ہویدا ہوتا ہے اور کہیں ضاف لفظ تو کچھ کہتے ہیں مگر ان کے اندر معنی متنبط کوئی اور ہی جھلکتا ہے جس کو صرف فقیہ اور مجتہد کی نظر بصیرت اور فراست علمی ہی تازہ دیکھتی ہے اور باقی پورے دلدادہ مغز کی لطف اندوزی سے یکسر محروم اور حیراں نصیب رہتے ہیں۔ سچ ہے کہ یہ

گمراہوں میں نہاں ہیں خدا ہی نے تو ملیں
اُسی کے پاس ہے مفتوح اس خزانے کی

اس تمام بحث کے بعد ہم ظاہر بینوں کی لفظ پرستی کی سر دست صرف ایک ہی مثال عرض کر کے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ (المتوفی ۳۷ھ) اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے روایت آتی ہے کہ:-

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه نہی
ان یبالی فی الماء الراکد۔ وعن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبول احدکم
فی الماء الدائم ثم یغتسل منه۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راکد اور دائم
(یعنی ٹپکے ہوئے) پانی میں پیشاب کرنے سے
منع کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یوں آتا ہے
ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص
ٹپکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے ہو سکتا ہے
کہ کہیں پھر اسے اس سے غسل کرنے کی ضرورت
پیش آجائے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۳۸)

تمام نظر و بصیرت والے فقہاء کرام اور محدثین عظام یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ٹپکے

ہوئے پانی کے اندر پیشاب کرنا ممنوع ہے بعینہ اسی طرح پاخانہ بھی ممنوع ہے اور حرام جانوروں کے پیشاب کا بھی یہی حکم ہے اور ایسے پانی کے قریب بھی پیشاب ممنوع ہے جو بہہ کر پانی میں چلا جائے اور کسی کوزے یا برتن میں پیشاب گرنے کے پانی میں ڈال دینا بھی منع ہے کیونکہ علت یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں پانی ناپاک اور نجس ہو جائے گا۔ مگر مشہور محدث داؤد بن علی الظاہری (المتوفی ۳۸۷ھ) اور اسی طرح دیگر بعض اہل الظاہر الفاظ پر محمود کا شکار ہو کر اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی الشافعی لکھتے ہیں :-

حکى عن داؤد بن علی الظاہری ان النہی
یختص ببول الإنسان بنفسه وان الغائط
لین کالبول وکذا اذا بال فی اناء ثم
صبہ فی الماء او بال بقرب الماء هذا
الذی ذهب الیه خلاف الجمع وهو
من اقبح ما نقل عنه فی المجموع علی الظاهر
واللہ اعلم۔ (نووی ج ۱ ص ۱۳۸)

داؤد بن علی الظاہری سے حکایت کی گئی ہے وہ
کہتے ہیں کہ نہی صرف انسان کے پیشاب کے مخصوص
ہے اور پاخانہ پیشاب کے حکم میں نہیں ہے۔ اور
اسی طرح جب کوئی شخص برتن میں پیشاب گرنے
پانی میں ڈال دے یا پانی کے قریب پیشاب کرے
اور وہ بہہ کر پانی میں چلا جائے تو اس میں کوئی
حرج نہیں۔ داؤد ظاہری کا یہ مذہب اجماع کے
خلاف ہے اور محمود علی الظاہر کی بدترین مثال ہے۔

گویا انسان کا پاخانہ اور اس کا لٹے میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا یا پانی کے
قریب پیشاب کرنا جو بہہ کر پانی میں چلا جائے اور اسی طرح گئے اور گدھے وغیرہ کا پیشاب
ماء را کہ کو نجس نہیں مگر تا یہ ہے تفقہ کے بغیر ظاہری الفاظ پر عمل بالحديث کانفرنہ۔ لا یحول ولا
قوة الا بالله۔

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ :-

متما یحلہ قطعاً بطلانہ ما ذهب الیه
الظاهرية الجامعة من ان المحکو مخصوص
بالبول فی المأخوذ لوبال فی کوز وصبہ فی المألم
يعتبر عندهم اولوبال خراج الماء فجرى البول الى المألم

اہل ظاہر کس بے جا محمود کا بطلان قطعی طور پر معلوم
ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم پانی کے اندر پیشاب کرنے
کے ساتھ مخصوص ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کونے میں
پیشاب کر کے اس کو پانی میں بہا دے تو ان کے نزدیک

يفرضندهم ايضاً والعلوم القطعي حاصل
ببطلان قولهم لم يستواء الصدين في
الحصول في الماء فان المقصود اجتناب
ما وقعت فيه الضجاسة من الماء وليس
هذا من محال الظنون بل هو مقطوع به
(احكام الاحكام ج ۱ مطبع انصاري دہلی)

یہ مضرب نہیں ہے اور اسی طرح اگر کسی نے پانی کے
باہر بیٹاب کیا اور وہ بہر کہہ کر پانی میں چلا گیا تو یہ بھی
ان کے نزدیک مضرب نہیں ہے اور علم قطعی سے یہ
بات معلوم ہے کہ ان کا یہ قول باطل ہے
کیونکہ پانی کے بخیر ہونے کیلئے دونوں باتیں برابر ہیں۔
کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ پانی کو نجاست سے بچایا جائے
اور یہ کوئی عمل نہیں بلکہ قطعی امر ہے۔

وایکجے اس عمل بالحدیث کی کہ ظاہری الفاظ کو لے کر کس قدر غلطی کی ہے اور رُوح شریعت
کی کس طرح خلاف ورزی کی ہے اور افضح العرب اور صاحب جوامع الکلم (علی صاحبہما
الف الف تحیتہ) کے بلیغ جملوں کو کس طرح حماقت کی نذر کر دیا ہے۔ فواصفاء اور حیرت ہے
کہ اس قسم کے حضرات ہی اہل الرائے پر اس طرح بستے ہیں جس طرح بلاد قحہ موسم ساون کی
موسلا دھار بارش برپا ہوتی ہے اور ان حضرات کو اہل قحہ اور اصحاب الرائی کی غلطیاں تو شب
تاریک میں ریت کے باریک ذرات میں بھی نظر آجاتی ہیں مگر اپنی پہاڑ جیسی کوتاہیاں
آفتاب نصف النہار میں بھی نظر نہیں آتیں۔ سچ ہے کہ

غیر کی آنکھوں کا بینکا تجھ کو آتا ہے نظر

دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

امام سبکیؒ نے اہل ظاہر کے اختلاف کے بارے میں تین مسلک نقل کئے ہیں کہ ان کا اختلاف
مطلقاً معتبر ہے، مطلقاً معتبر نہیں۔ قیاس علی کے خلاف ہو تو معتبر نہیں ورنہ معتبر ہے۔
اور قاضی ابوبکرؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

اصحاب ظاہر علماء شریعت سے نہیں ہیں بلکہ وہ
صرف نقال ہیں جب کہ ان کی ثقاہت ظاہر ہو۔

ان اصحاب الظاهر ليسوا من علماء الشريعة
وانما هم نقلة ان ظهرت الثقة (طبقات ج ۲)

الحاصل

حضرت امام ابوحنیفہؒ پر قدیم و حدیثاً جتنے بھی اعتراضات کئے گئے ہیں وہ حرد و تحصب

مذہبی اور جہالت و لاعلمی کی پیداوار میں جن کی ولایت و براہین کی دنیا میں سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں ہے اور کچھ علمی طور پر ایسے امتراضات بھی ہیں جو بعض حضرات نے دیانہ اٹھائے ہیں مگر ان کے صحیح اور معقول جوابات بھی علماء احناف نے اپنے مقام پر ذکر کر دیئے ہیں اور ایسے فقہی جزئیات اور اجتہادی مسائل میں جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ کے معصوم عن الخطا ہونے کا دعوے نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح باقی ائمہ مجتہدینؒ کا معصوم عن الخطا ہونا بھی یقیناً باطل ہے اور ایسے مقام میں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ کل احد یؤخذ عنہ ویترک الا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع

کہ چوں باور سیدی تمام بوہلبی است

شیخ الاسلام ابن عبد البرؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

الذین رووا عن ابی حنیفۃ ووثقوہ واشنوا
علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ والذین
تکلموا فیہ من اهل الحدیث اکثر ما علوا
علیہ الا غرق فی الدلای والقیاس والادرجا
اھ (جامع بیان العلم ص ۱۴۹ طبع مصر)

کہ جن لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی اور ان کی توثیق کی اور ان کی تعریف کی ہے وہ ان سے بدرجہا زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں کلام کیا ہے اور جن اہل حدیث نے ان میں کلام کیا انہوں نے ان کا زیادہ عیب یہ نکالا ہے کہ وہ سائنے و قیاس اور ارجاء میں منہمک ہیں۔

ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ جس معنی میں امام صاحبؒ مرحوم تھے وہ قابل اعتراض نہیں ہے اور جس رائے اور قیاس کے وہ قائل تھے وہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، پھر ان پر اعتراض کیوں اور کیسے؟ اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فمن قرأ فضائل مالک وفضائل الشافعی
وفضائل ابی حنیفۃ بعد فضائل الصحابۃ
والتابعین وعنی بہا ووقف علی کریہ
سیرہم وھدیہم کان ذالک لہ علاناً لکافعنا اللہ

جس نے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے بعد امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے فضائل پڑھے اور ان کا اہتمام کیا اور ان کی عمدہ سیرت اور خصلت پر مطلع ہوا تو یہ اس

مُحِبِّ جَمِيعِهِمْ قَالَ الثَّوْرِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَنْ
ذَكَرَ الصَّالِحِينَ تَنْزِلَ الرَّحْمَةُ وَمَنْ لَمْ يَحْفَظْ
مِنْ أَخْبَارِهِمُ الْأُمَايِدَ مِنْ بَعْضِهِمْ فِي بَعْضٍ
عَلَى الْحَسَدِ وَالْهَفْوَاتِ وَالْغَضَبِ وَالشُّهْوَا
وَدُونَ أَنْ يَلْحِقَ بِفَضَائِلِهِمْ حَرَمَ التَّوْفِيقِ وَدَخَلَ
فِي الْغَيْبَةِ وَحَادٍ عَنِ الطَّرِيقِ أَمَّا
(جَامِعُ بَيَانِ الْعِلْمِ ج ۱ ص ۱۶۲)

کا ایک مستحکم عمل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب
کی محبت سے نفع عطا فرمائے۔ اہم ٹورنی نے فرمایا کہ
نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی
ہے اور جس شخص نے ان کی خبروں میں سے صرف
وہی خبریں یاد کر لیں جو بعض سے انکے بارے میں
حسد، یہودگی، بغض اور نفس پرستی کے طور پر صادر
ہوتی ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فضائل بھی یاد رکھے
تو وہ شخص حرام نصیب اور وہ غیبت میں داخل
ہو گیا اور راہِ راست سے وفور ہو گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ :-
كَمَا أَنَّ ابْلَحِيْفَةَ وَأَنَّ كَانَ النَّاسَ خَالَفُوهُ
فِي أَشْيَاءَ وَانْكُرُوا عَلَيْهِ فَلَا يَسْتَرِيبُ أَحَدٌ فِي
فَقْهِهِ وَفَهْمِهِ وَعِلْمِهِ وَقَدْ نَقَلُوا عَنْهُ أَشْيَاءَ
يَقْصِدُونَ الشَّاعَةَ عَلَيْهِ وَهِيَ كَذِبٌ عَلَيْهِ
قَطْعًا مِثْلًا مَسْئَلَةُ الْخَنْزِيرِ الْبَتْرِيِّ وَخَوَّاهُ
(مَنْهَاجُ السُّنَّةِ ج ۲ ص ۲۵۹ طبع مصر)

مثلاً امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت دیکھئے کہ اگرچہ لوگوں
نے ان کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مخالفت کی
ہے اور ان کی وجہ سے ان پر انکار بھی کیا ہے مگر
کوئی شخص ان کی فتاہت، فہم اور علم میں شک نہیں
کر سکتا اور لوگوں نے محض اُن کی عیب جوئی کرتے
ہوئے ان کی طرف کچھ ایسی چیزیں بھی منسوب کی
ہیں جو قطعی طور پر جھوٹ ہیں جیسے جھگی خنزیر کا
حلال ہونا وغیرہ۔

سب سے بڑھ کر امام صاحبؒ کے مثالب جن حضرات نے ذکر کئے ہیں۔ ان میں علامہ
خطیب بغدادیؒ، الشافعیؒ، خصوصیت قابل ذکر ہیں اور ان کا تعصب بھی ایک کھلی ہوئی
حقیقت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الجوزیؒ الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۸ھ) جو الامام العلامة الحافظ
عالم العراق تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۳۱) اپنی سند کے ساتھ اسمعیل بن ابی الفضل القومسیؒ (اصبہائی سے
نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ :-

وہ حدیث کے جاننے والے تھے فرماتے تھے کہ تین
حفاظ کریں نہیں پسند کرتا کیونکہ وہ سخت متعصب
اور قلیل الانصاف ہیں امام حاکم ابو نعیم اصبہانی اور
خطیب بغدادی اور اسماعیل نے بالکل سچ کہا اور
اہل معرفت سے تھے۔

وكان من اهل المعرفة بالحدیث يقول
ثلاثة من الحفاظ لا اُجہمُ شدة
تعصبهم وقلة انصافهم الحاکم ابو نعیم
وابو نعیم اصبہانی وابوبکر الخطیب و
اسماعیل وكان من اهل المعرفة
(المنتظم ج ۲ ص ۲۶۹ طبع دائرة المعارف حیدرآباد)

اور اسی قسم کا مقررہ ہے ان الفاظ کے ساتھ سعد بن علی الریجانی سے بھی منقول ہے (ملاحظہ ہو
السهم المصیب^{۱۱۹} مللک المعظم)
اور الملک المعظم کہتے ہیں کہ:-

قلت كان اسمعيل هذا حافظاً ثقة صدوقاً
بالمعرفة بالرجال والمتون عزيز الديانة
(السهم المصیب^{۱۲۰})
میں کہتا ہوں کہ اسمعیل مذکور حافظ ثقہ اور صدوق تھے
ان کو رجال اور متون میں خاصی مہارت حاصل تھی لہ
عذرہ دیانت کے مالک تھے۔

حافظ ابن الجوزی نے مضمون اپنی کتاب السهم المصیب میں بھی ذکر کیا ہے اور اس کے
آخر میں لکھا ہے کہ:-

واما الخطيب فانه زاد عليها في التعصب
وسوء القصد^۱ ه
امام خطیب ان دونوں پر تعصب اور بڑے قصد
میں بڑھے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ تانیب الخطیب طبع مصر)

اور بہت افسوس کی بات تو یہ ہے کہ امام الزمخشری کے مثالب میں جو روایات وہ
نقل کرتے ہیں قرن روایت کے لحاظ سے وہ نہایت ضعیف کمزور اور مخدوش ہیں بچائے
اس کے کہ ہم الملک المعظم کی السهم المصیب یا علامہ کوثری کی تانیب الخطیب کے حوالجات سے
علامہ خطیب کی ان روایات اور ان کے راویوں کا حال ذکر کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ کسی غیر حنفی ہی کا حوالہ عرض کر دیں تاکہ تعصب مذہبی کا وہم پیدا نہ ہو۔

امام ابن حجر مکی الشافعی علامہ خطیب بغدادی کی ان روایات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے

ہیں کہ :-

ومما يدل على ذلك ايضا ان الاسانيد التي ذكرها للقدح لا يخلو اغلبها من متكلم فيه او مجهول ولا يجوز اجاعاً ثلثه عرض مسلمة بمثل ذلك فكيف بامام من ائمة المسلمين (الخيرات الحسان ص ۶۹)

اس پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ خطیب بغدادی نے امام ابو حنیفہ کی قدح میں جو سندیں پیش کی ہیں وہ بیشتر متکلم فیہ روایت یا مجهول روایوں سے منقول ہیں اور ایسی اسانید سے بالاتفاق کسی مسلمان کی ہتیک عزت نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ مسلمانوں کے امام کی۔

علامہ خطیب بغدادی نے جہر بسم اللہ اور قنوت کے مسئلہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ قنوت کے بارے میں حضرت انسؓ کی یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ :-

ما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتخفرت صلى الله عليه وآله وسلم نے تا دم وفات یقنت فی صلوٰۃ الصبح حتی مات - صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہے۔

اور اس پر وہ بالکل سکوت اختیار کر جاتے ہیں بلکہ اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ امام ابن الجوزی الحنبلی جو شش میں آکر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وسكوته عن القدح في هذا الحديث و احتجابه به وقاحة عظيمة وعصبية باردة وقلة دين لأنه يعلم انه باطل اه (بحوالہ نصب الرأية ج ۳ طبع مصر)

خطیب بغدادی کا اس روایت پر سکوت کو جاننا اس سے احتجاج کرنا بڑی کھچی اور نزاع صوب اور کم دینی ہے کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔

اور علامہ ذہبی الحنبلی نے بھی ان کی اس اخلاقی پستی کا رونا رویا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

احمد بن علي بن ثابت المافظ البوبكر تكلم فيه بعضهم وهو ابو نعيم وكثير من العلماء المتأخرين لا اعلم لهم ذنباً اكبر من دعايتهم الحاديت الموضوعة في تأليفهم غير محدثين منها وهذا الثور وجناية على السنن قاله يعقوب

علامہ خطیب بغدادی اور ابو نعیم اور بہت سے علماء متاخرین کا گناہ میں اس سے بڑھ کر نہیں جانتا کہ وہ بے تحاشا اپنی کتابوں میں جعلی روایتیں نقل کرتے ہیں اور یہ گناہ سب سے اور سنت و حدیث پر ایک جہت بیت اور ظلم ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان سب کو

عناوہم اھ (الرواة الثقات المتکلم فیہم کو معاف فرمائے۔ (آئین ثم آئین)

بسم اللہ یجب ردہم صلا طبع مصر)

قارئین کرام آپ انصاف کے ساتھ ان اقتباسات کو دیکھیں کہ بقول علامہ ذہبی خطیب بغدادی، ابو نعیم اور اکثر متاخرین نے سنت پر کس قدر ظلم کیا ہے کہ اپنی کتابوں میں بے تحاشا جعلی حدیثوں کی بھرمار کر دی ہے حالانکہ من کذب علی الحدیث بقول علامہ ابن الصلاح (المتوفی ۷۴۲ھ) ورجہ اول کی متواتر حدیث ہے (شرح بخاری ص ۱۱۱) اور امام ابو محمد الجوزی (المتوفی ۵۹۸ھ) کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا اور جعلی حدیث بنانا کفر ہے اور جہنم محمدیثین اس پشیمانی میں کہ بلا بیان موضوع حدیث کو روایت کرنا حرام ہے۔ (شرح بخاری ص ۱۱۱) یہ وہی علامہ ذہبی ہیں جن کے بعض حوالوں سے مؤلف نتیجہ التقلید (ص ۱۹۹) میں دھوکا دیا ہے ان ٹھوس اور معنی خیز حوالوں کو بھی دیکھیں اور علامہ خطیب کی کتابوں سے متاثر ہو کر حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسے امام المسلمین کی پگڑی اچھلنے والوں کی دیانت اور علمی انصاف بھی ملاحظہ فرمائیں۔ افسوس کہ اہل علم جو ہر چیز کو اپنے مفت پر رکھنے اور سوچنے کے عادی تھے اٹھتے چلے گئے اور اعجاب کُل ذی راہی بربایہ کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اب ہم ان مبارک اور منصف مزاج ہستیوں کو کہاں سے تلاش کریں جن کے دیکھنے کے لیے ہماری آنکھیں ترستی ہیں۔ آہ

پیرِ مِخال کا دم کہاں، اس کی وہ بزمِ جہم کہاں

بادہ نہیں تو ہم کہاں، زیستِ یہ زیست ہی نہیں

اختلافات تو پہلے بھی ہوتے تھے لیکن عموماً ان میں زیادہ تر ملحوظ احتیاق حق اور فرائضِ انبی کی علمی خامیوں پر اُسے آگاہ کرنا ہوتا تھا، اور اس میں خیر خواہی، ہمدردی اور دلسوزی کا مٹی الوبح خیال ملحوظ رکھا جاتا تھا اور باوجود اختلاف کے فریقِ انبی کی علمی اور خدا دل بصیرت کی قدر ہوتی تھی یہ انداز تو ہرگز نہ ہوتا تھا جو آج اختیار کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے امراء کو معاذ اللہ گرفتار کر کے ہی دم لیا جائے اور ان کی تمام خوبیوں اور کمالات کو بیکسپرس پشت ڈال دیا جائے اور ان کی علمی تحقیقات کو معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

عینِ بد مقابل لاکھڑا کر دیا جائے اور یہ باور کرنے کی بیجا سعی کی جائے کہ ان حضرات نے ایک متوازی دین قائم کر رکھا ہے جس سے اصل دین کی بنیادیں ہی کھوکھلی کر دی گئی ہیں اور یہی حضرات دین حق میں سینے ڈالنے کے اصل ذمہ دار ہیں (العیباذ باللہ) اور خیر سے بات خود نہیں سمجھی ہوتی کہ ان بزرگوں نے کیا فرمایا اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ اور ان کے بیان کردہ مسائل کی کڑی کن نصوص روشن براہین اور صحیح دلائل سے جا ملتی ہے؟ اور اگر مقتضائے بشر ان سے کہیں کوئی علمی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اس کی مناسب توجیہ بیان کر کے ان سے بدظنی کو دور کیا جائے مگر یہ کام تو صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو اور علم اور اہل علم کی قدر و منزلت ہو اور تحریب (گردہ بندی) اور تعصب سے بچے ہوئے ہوں وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔ غرضیکہ ائمہ دین کے بارے میں طعن و لعن اور سب و شتم تو بڑی چیز ہی ہے ان کے متعلق مٹوٹن بھی کچھ کم گناہ نہیں جو نہ بان حال یہ کہتے ہیں ۔

اے مالی نہ دے گالی بگاڑا ہم نے کیا تیرا چمن بنے سیر کرنے کو نہ گھرتیرا نہ گھر میرا

باب ہشتم

ایک لطیف بحث

غیر مقلدین حضرات نے فقہ حنفی اور کتب فقہ حنفی اور مسائل فقہ حنفی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور
 علوم کو ان سے بظن کرنے کے لیے کئی حربے اختیار کر رکھے ہیں۔ کبھی تو کتب فقہ سے کمزور ضعیف
 اور متروک العمل جو بیات چُن چُن کر عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ ہے حنفی فقہ، جیسا کہ داد حق ،
 حقیقت الفقہ جلد دوم ، نتائج التعلیم اور مجمع محمدی وغیرہ میں یہ طریق اختیار کیا گیا ہے مگر اندوئے
 انصاف اس پر غور نہ کیا کہ فقہ کی ہر جزئی اور ہر مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فرض کردہ نہیں
 بلکہ بیشتر مسائل بعد کے فقہائے کرام اور خصوصیت سے متاخرین کی تحریجات ہیں اور نظام ہرات ہے
 کہ غیر معصوم اور غیر مجتہد کے نظریات میں خطا اور غلطی کا پہلو بہت نمایاں ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد
 ہے، کہ غیر مقلدین حضرات نے کتب فقہ کے جو حوالے پیش کئے ہیں ان میں بعض مقامات میں
 حوالجات کے اند قطع و برید اور بعض میں کم فہمی اور کج فہمی کی وجہ سے ناجائز مطلب برابری بھی بیشتر
 مسائل میں شامل ہے۔ اور جن مسائل کو اغلاط سے تعبیر کیا جاسکتا تھا ہے وہ صرف معدود سے چند
 مسائل ہی ہیں باقی سب غیر مقلدین حضرات کی کج فہمی ہے۔ اگر ہم فقہاء اخلاف کے حوالے اس
 پر عرض کریں تو شاید غیر مقلدین حضرات کو ان سے اطمینان نہ ہو اس لیے خود ان کے گھر کا
 ایک حوالہ ہر دست عرض کیے جیتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد اور صاحب قلم عالم مرزا حیرت صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ :-

”جو کتابیں کہ فقہ حنفی کی کسملاتی ہیں ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ایک ایک حرف امام عظیم کا ہے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسے مجتہد (فی الفروع، صفحہ) کی کتاب ہے جس کا رجحان بعض مسائل میں امام صاحب کی طرف تھا یہ بدیہی امر ہے کہ آج تک امام صاحب کے کسی خاص شاگرد یا معتقد نے بالکلیہ امام کے ہر مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ صاحبین بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں گو انہوں نے اپنا کوئی نیا مذہب نہیں قائم کیا۔“ (حیات طیبہ ص ۲۵۵)

ہمارا بھی اس پر صاف ہے، نہ تو ہر مسئلہ اور جزئی جو کتب فقہ میں مطور و مذکور ہے حضرت امام عظیم کی فرمودہ ہے اور نہ ہر جزئی اور مسئلہ صحیح اور معمول بہا ہے اور نہ اس کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کی شخصیت اور فقہ حنفی پر اعتراض درست ہے اور نہ ایسی متروک اور ناقابل عمل جزئیات کی وجہ سے وہ کتابیں ہی سرے سے مخدوش قرار دی جاسکتی ہیں جن میں ان متروک جزئیات کے علاوہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل قرآن و حدیث اور اجماع امت کے عین مطابق اور معمول بہا ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو غیر مقلدین حضرات کے مسلم اور معتبر علماء کی کتابوں سے ایسی ہی مردود جزئیات اور متروک مسائل پیش کر سکتے ہیں العرف الجادی، روضۃ الندیہ، دلیل الطالب، بدور اذہلہ اور ایسی ہی دیگر متعدد کتابیں جہاں سے پیش نظر ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ہم اتنے کم حوصلہ نہیں ہیں، کہ غیر مقلدین حضرات کی غلط روی سے متاثر ہو کر طعنہ بازی پر اتر آئیں۔ ہم تو صرف اصولی بات عرض کر رہے ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو یوں پیش کر سکتے ہیں کہ جس طرح کتب حدیث میں (باستثنائے صحیحین) بیسیوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں ضعیف معلول منکر بلکہ خالص جعلی اور من گھڑت بھی موجود ہیں۔ مگر نہ تو کسی ویانندار اور خدا ترس فرقہ اور فرقہ نے ان ضعیف اور موضوع حدیثوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر کوئی اعتراض کیا ہے نہ مقلدین حدیث اور باطل فرقوں کی بات نہیں ہو رہی اہل حق کی بات ہو رہی ہے، اور نہ اس قسم کی ضعیف اور موضوع روایات کی وجہ سے کسی متدین نے علم حدیث ہی کا انکار کیا ہے؛ اور نہ ان کتابوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے جن میں یہ باطل اور موضوع حدیثیں موجود ہیں، بس یہی کہتے ہیں کہ ان روایات کو رد کرتے ہوئے صحیح اور حسن قسم کی روایات کو قابل عمل گردانتے ہیں۔

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کوئی حرف نہ لکھتے ہیں اور نہ حدیث کو ناقابل اعتقاد اور متروک العمل سمجھتے ہیں اور نہ ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں درج کرنے والے محدثین کو کراہم پڑھتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ :-

ولایب ان القیاس فیہ فاسد وکثیر
من الفقہاء قاسوا قیۃ فاسدۃ بعضہا
باطل بالنص وبعضہا مما اتفق السلف
علی بطلانہم لکن بطلان کثیر من القیاس
لو یتقاضی بطلان جمیعہ کما ان وجود
الکذب فی کثیر من الحدیث لایوجب
کذب جمیعہ اھ

کوئی ٹھک نہیں کہ بعض قیاس فاسد بھی ہوتے ہیں اور
بہت سے فقہانے فاسد قم کے قیاسات بھی کیے ہیں
بعض کا بطلان تو نص سے اور بعض کا اتفاق سلف
ثابت ہے لیکن ایسے بہت قیاسات کا بطلان اس
کا متقاضی تو نہیں کہ سارا قیاس ہی باطل ہو جائے
جس طرح کہ بہت سی حدیثوں میں جھوٹ کے
پائے جانے سے یہ تو لازم نہیں کہ سب حدیثیں ہی
جھوٹی ہو جائیں۔

(منہاج السنۃ ۲ ص ۹۲ طبع مصر)

اگرچہ اصولی طور پر یہ جواب بالکل کافی ہے مگر ہم غیر مقلدین حضرات کے تعصب اور
عناد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی ذرا زیادہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ پہلے تقریر طبع کے لیے ان کی مرکزی کتاب کے چند حوالے عرض کر دیں جس پر ان کے تقریباً
سبھی علماء کی تصدیقات و تقریظات ثبت ہیں۔ ان کی مرکزی کتاب نتائج التقلیدیں لکھا ہے کہ :-
”مصنف ہدایہ کا باطل طوفان۔ مصنف ہدایہ کا قلم اس درجہ بے ڈھڑک۔

اور بے خوف ہے کہ جھوٹ و افتراء میں اسے انتہائی لذت و ملاوت محسوس
ہوتی ہے، چنانچہ تراویح باجماعت کو سنت ثابت کرنے کی غرض سے واضح
الفاظ میں لکھا ہے :-

انما سنتہ کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃؒ لانه واطلب علیہ الخلفاء الراشدون (ھذا
ج ۱ ص ۱) مطبوعۃ مجتبیٰ دہلی، تراویح باجماعت سنت ہے کیونکہ حسن بن زیادؒ
نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ خلفاء راشدین نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے

اصلیت واقویر ہے کہ حضرت امام کا یہ قول زندگی میں تو کیا بعد وفات خواب میں بھی
 حسن یا کسی دوسرے شاگرد سے منقول نہیں اور قطعاً نہیں گویا کہ حضرت امامؑ پر یہ ہدایہ ایسی مقدس
 و مستند کتاب کا حکم کھلا افتراء ہے جس کتاب کی تقدیس کا یہ عالم ہو اسے حنفی مذہب کی اس
 قرار دینا جنوں اور مذہب کے مسخری مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حافظ زیلعیؒ جو کہ حنفی مذہب کا ذمہ دار
 رکن اور تخریج ہدایہ کا بانیگ دہلی معنی ہے، مصنف ہدایہ کے اس افتراء عظیم کو دیکھ کر انتہائی
 شرمندہ و نادم ہو کر اس پر کچھ ذکر کیے بغیر خاموشی سے گزر گیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ جو تخریج ہدایہ
 پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنی ناپید کن علمی معلومات کے باوجود ہدایہ کے اس قولِ باطل پر حیرت نہ
 ہو کر فرماتے ہیں: ما وجدنا یعنی مصنف ہدایہ کے اس قول کا کہیں سراغ و نشان نہیں ملا

”جو میں آیا اسے نام شریعت دے دیا“ (نتائج التقلید ص ۱۵)

اور مؤلف مذکور نے ص ۱۵ تا ص ۱۹ میں صاحب ہدایہ، صاحب درمختار اور توضیح و موضح
 وغیرہ کے بارے میں بڑی غم خویش جعلی اور موضوع حدیثیں نقل کرنے کی آڑ میں خوب جلی کٹی
 سنائی ہیں۔ اس عبارت میں مؤلف نتائج التقلید نے جس طرح دل کھول کر صاحب ہدایہ اور
 علامہ زیلعیؒ پر قلب مافوق کی بھڑاس نکالی ہے وہ محتجج تشریح نہیں ہے۔ تراویح کے مسئلہ پر
 الگ رسالہ کی ترتیب پیش نظر ہے اس لیے ہم اس پر یہاں بحث نہیں کرنا چاہتے۔ اس میں
 ہم بفضلہ تعالیٰ بتائیں گے کہ آیا صلوة تراویح کا حضرات خلفاء راشدینؓ سے ثبوت ہے یا نہیں؟
 اور جب انہوں نے اس پر عمل شروع کیا تو کیا اس پر انہوں نے مواظبت کی تھی یا نہیں؟ یہ اور
 اس قسم کے اور کئی مسائل انشاء اللہ و مل ہی عرض ہوں گے۔ بہر دست یہ بتانا مقصود ہے کہ
 مؤلف نتائج التقلید نے حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے جو ما وجدنا کے الفاظ نقل کئے ہیں وہ غلط
 ہیں۔ ان کے الفاظ لم اجده ہیں (دیکھیے ذریعہ ص ۱۲۳) علاوہ انہیں مؤلف نتائج التقلید اور اس کے
 جملہ مصدقین حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ حافظ ابن حجرؒ نے مستقل طور پر احادیث ہدایہ کی تخریج
 نہیں کی جیسا کہ مؤلف نتائج التقلید اور اس کے حواریوں نے غلط سمجھ رکھا ہے بلکہ حافظ موصوفؒ
 نے علامہ زیلعیؒ کی تخریج ہدایہ کی تلخیص کی ہے اور اس کا نام الدلیہ رکھا ہے اور ص ۱
 میں انہوں نے اس کی تصریح کی ہے اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۳ میں اس کی تصریح موجود

ہے۔ قطع نظر ان تمام باتوں سے جو بات ہم یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں وہ غور سے ملاحظہ فرمائیے :-
 اگر ہدایہ اور صاحب ہدایہ کی پوزیشن اس لیے مخدوش ہے کہ اس میں بعض بے اصل اور
 فرض کیے ہوئے معلول بلکہ موضوع اور جعلی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں تو مؤلف نتائج التقلید اور ان کے
 حوالہ دہ صحیحین کے علاوہ حدیث کی تمام کتابوں سے ہاتھ دھو ڈالیں کیونکہ حضرت امام بخاریؒ اور
 امام مسلمؒ نے بھی اپنے اپنے صحیح کے علاوہ اور کسی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا اور ہم اہل بخاریؒ
 کی کتاب تاریخ صغیر کے متعلق مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ کا حوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں جس میں
 نعیم بن حماد جیسے شیر کی روایت بھی موجود ہے جو خیر سے بڑھ کر خود سنت کا شیدائی بن کر تقویت
 سنت کی حدیثیں بھی وضع کیا کرتا تھا اور اسی طرح ان کی باقی کتابوں میں بھی ضعیف اور کمزور
 روایتیں موجود ہیں۔ کیا مؤلف نتائج التقلید اور ان کے مصدقین کے نزدیک مشکوٰۃ اور صاحب
 مشکوٰۃ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جس میں المخلق اللہ الحقؒ کی حدیث مرجع ہے جس
 کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ صرف یہ ہلکے سے لفظ استعمال کرتے ہیں :-

وقد تكلم فيه بعض العلماء (ج ۲ ص ۴۳) کہ اس میں بعض علماء نے کلام کیا ہے

حالانکہ علامہ السخاوی الشافعیؒ وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ :-

انه كذب موضوع باتفاق . کہ یہ اتفاق بھولی اور جعلی روایت ہے۔

(بجوالہ موضوعات کبیرہ ص ۲۹)

حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ بھی اس کو موضوع کہتے ہیں (ایضاً) اور محدث زکشیؒ فرماتے ہیں کہ :-

هذا موضوع باتفاق (موضوعات کبیرہ ص ۲۹) یہ روایت بالاتفاق جعلی اور موضوع ہے۔

اور یہ روایت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بغیر کسی نیچر کے (بلکہ مقام استدلال میں ہمیشہ)

کی ہے (ملاحظہ ہو حجة اللہ بر ص ۳۱ باب ذکر عالم المثال طبع مصر)

تو کیا اب صاحب مشکوٰۃ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں مؤلف

نتائج التقلید کی طرح سرخی اور عنوان قائم کر کے دل کی بھڑاس نکالی جائے جس طرح کہ انہوں نے

صاحب ہدایہ کے لیے یہ مرغوب نفس عنوان قائم کیا ہے؟ اس کو بھی جانے دیجئے، یہ بتائیے کہ غیۃ الطالبین

میں کتنی حدیثیں خالص جعلی اور موضوع ہیں؟ اگر سب کے بارے میں کسی لائق استدلال اور عارف

رجال اور ماہر طبقات رجال سے پوچھنے کی توفیق میسر نہ ہو تو صرف فضائل جبب اور شعبان وغیرہ
 ابواب ہی کے حدیثوں کے متعلق بتائیے کہ ان میں کتنی جعلی اور موضوع حدیثیں ہیں؟ مگر افسوس
 کہ غنیۃ الطالبین سے تو صرف مطلوب نفس حوالے ہی دیکھ لیے ہیں کہ حنفی مرجعہ کے باطل فرقہ میں
 داخل ہیں اور اہل حدیث ہی اہل علم ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہماری بات کا یقین نہ آئے تو علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۲) ترجمہ حارث
 بن اسد الحاربی ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ چند دیگر کتابوں کے علاوہ احیاء العلوم کی موضوع حدیثوں
 کے بارے میں اور خصوصیت سے غنیۃ الطالبین کے بارے میں انہوں نے کیا کہا ہے؟ انشاء اللہ تعالیٰ
 آنکھیں خوب روشن ہو جائیں گی۔

اور مستدرک حاکم کے اندر مندرج بہت سی جعلی اور موضوع روایات کا حال بھی شاید غیر متقلین
 حضرات سے مخفی نہ ہو گا جس کی احادیث سے وہ مطلوبہ مسائل میں احتجاج کرتے ہیں۔

اس کو بھی جانے دیجئے، یہ دیکھئے کہ سنن ابن ماجہ محدثین عظام کی ایک خاصی جماعت کے
 نزدیک صحاح ستہ میں شامل ہے مگر امام ابن الجوزی کے خیال میں اس کے اندر تقریباً پچیس لاکھ
 روایتیں خالص جعلی اور موضوع ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:-

وفي الجملة ففيه احاديث كثيرة منكدة - الحاصل اس میں بہت سی حدیثیں منکرہ ہیں۔
 (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۳)

اور حدیث منکر کو خود حافظ ابن حجرؒ (وغیرہ) نے مردود قسم کی حدیثوں کی تدوین ذکر کیا ہے
 (ملاحظہ ہو شرح منجۃ الفکر ص ۵۹)

(اور حافظ ابوالحجاج المزنی الشافعی ر المتوفی ۶۴۲ھ جو العالم الجلیل حافظ ابو عبد
 اور محدث الشام تھے، تذکرہ ص ۲۸) نے تو اس سے بھی زیادہ وزنی بات کہہ ڈالی ہے کہ:-

حل ما انفرد به ابن ماجة فهو ضعيف يعنى يعنى جو حدیث امام ابن ماجہؒ نے باقی پانچ ائمہوں
 بذلك ما انفرد به من الحديث عن الامعة سے منفرد ہو کر روایت کی ہے وہ ضعیف ہے۔
 الخمسة اھ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۳)

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:-

فانہ تفرقہ باخراج احادیث عن رجال
متہمین بالکذب وسرقۃ الاحادیث الخ
کہ وہ جھوٹ اور حدیث میں چوری کرنے سے منہم
راویوں سے احادیث روایت کرنے میں متفرو ہیں۔

(زہد الری علی المجتبیٰ ص ۸)

اور نواب صاحب لکھتے ہیں کہ :-

وله حدیث فی فضل قزوین منکوبل موضوع
ولهذا طعنوا فیہ فی کتابہ ۱۱
انہوں نے فضائل قزوین کے بارے میں ایک تذکرہ
بلکہ جعلی اور موضوع حدیث بھی روایت کی ہے اور
اس وجہ سے محدثین نے ان میں اور ان کی کتاب
(المحطۃ ص ۱۱)

میں طعن کیا ہے۔

مگر یقین جانئے کہ یہ طعن صرف دائرہ تحقیق اور علم تک محدود رہا ہے۔ اس طرح کانہیں
جس طرح کہ مؤلف نتائج التعلیل نے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بارے میں پیش کیا ہے، ان کے
اصل الفاظ پھر دہاں ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ مستحضر فی الذہن ہوں اور ان سے ذہول نہ ہو جائے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں تصریح حافظ عراقی الشافعی نو حدیثیں موضوع ہیں۔ علامہ ابن الجوزی
نے پندرہ حدیثیں ان کی موضوع قرار دی ہیں۔ امام سیوطی نے ان سے بھی زیادہ کا ذکر کیا ہے اور
پھر جواب دہی کی سعی بھی کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعۃ میں اس کی تصریح کی ہے کہ
مسند احمد میں لا اصل له قسم کی صرف تین یا چار روایات موجود ہیں۔ (محصلہ الجنتۃ فی الاسقۃ
الحسنۃ بالسنة ص ۸۷ ذاب صاحب)

صحلہ ہستہ میں سے ترمذی کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں بہت
سی احادیث انتہائی درجہ کی کمزور، منکر اور ضعیف ہیں اور خصوصیت سے مناقب وغیرہ کے
ابواب کی حدیثیں حتیٰ کہ محدثین ان کی تصحیح و تحسین کی شکایت کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ حسن الکلام
میں ہم نے باحوالہ اس کی نشاندہی کی ہے۔ اب رہی باری، نسائی اور ابوداؤد کی تو بلا شک
صحیحین کے بعد صحت اسناد کے لحاظ سے نسائی کا پھر ابوداؤد کا مقام بہت بلند ہے۔ مگر اس
کو کیا کیجئے کہ بعض کمزور اور ضعیف و منکر روایات کے علاوہ جعلی اور موضوع حدیث بھی ان میں
موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ :-

عن ابن عباس قال السجل كاتب للنبي ﷺ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سجل جناب رسول
 علیہ وسلم وہکذا رواہ ابو داؤد والنسائی وہ اللہ علیہ وسلم کتاب اور منشی تھا۔ اس کو
 (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰ طبع مصر) ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

اور پھر اسی صفحہ میں آگے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وقد مرع جملة من الحفاظ بوضعه وان حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کے موضوع
 كان في سنن ابی داؤد منهم شيخنا الم حافظ ہونے کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ یہ سنن ابو داؤد ،
 الکبیر ابو الجلیج المزی اھ (وغیرہ) میں ہے ان حفاظ میں ہمارے شیخ الحافظ البکیر

ابو الجلیج مزی بھی شامل ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ
 نے فرمایا ہو حدیث موضوع۔ کہ یہ جعلی حدیث ہے۔ یہ حدیث ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵ طبع مجیدی کانپور
 میں موجود ہے اور حافظ ابن القیم بھی اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث
 جعلی اور موضوع ہے۔ (مہذیب سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۹ طبع مصر)

مؤلف نتائج التعلیق (اپنے مصدقین سمیت) ہمیں یہ بتانے کے کیا امام ابو داؤد اور امام نسائی
 وغیرہ کے خلاف اسی طرح کی سرخی قائم کر دی جائے جس طرح کہ انہوں نے صاحب بدایہ کے
 خلاف قائم کی ہے؟ اور اسی طرح ان کو جھوٹ اور افتراء وغیرہ کے ظالم تیروں سے پھیلنی کر دی جائے
 اور یہ کہنا شروع کر دیا جائے کہ جن کتابوں کی تقدیس کا یہ عالم ہوا انہیں مذہب اسلام کی اساس
 قرار دینا جنوں اور مذہب مسخری مذاق بنیں تو اور کیا ہے؟ حاشا وکلا کہ کسی متدین عالم بلکہ اونی
 ترین مسلمان کے ذہن میں یہ شبہ بھی پیدا ہوتا ہوگا۔ یہی کہا جائے گا کہ ان اکابر محدثین نے اپنے
 اجتہاد و سعی سے ان احادیث کو صحیح سمجھ کر یا تسامع اور سہل انگاری سے کام لے کر کتابوں میں درج
 کر دیے ہیں اور وہ مسکرتحققین علمائے ان کے اجتہاد کی غلطی واضح ٹھوسی ہے کیونکہ نہ تو یہ علامہ خطیب
 بغدادی وغیرہ کی طرح متعصب ہیں اور نہ ان کا مقصد ارادہ ہی بڑ ہے۔ ہاں غلطی ہے، اور آخر حضرات
 انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کون معصوم ہے؟ نہ تو ان کی ذات مقدوس ہے اور نہ ان کی
 کتابیں ناقابل اعتما ہیں، صرف وہی حدیثیں قابل رد ہیں جن کو معتبر محدثین کرام نے نقل و مقلد مرود

قرار دیا ہے۔ باقی سب اپنے مقام میں قابلِ اخذ و عمل ہیں کیونکہ یہ
وہیں تک ظلمت کی کیفیت کی ہے کارفرما کی جہاں تک آپ کی محفل میں پڑانے نہیں آتے
تصحیح و تصنیف بھی اجتہاد ہی امر ہے۔

یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جس طرح فقہائے کرام نے استنباطِ مسائل میں تفقہ و اجتہاد
سے کام لیا ہے، اسی طرح محدثینِ عظام بھی احادیث کی تصحیح و تصنیف میں اپنے اجتہاد سے کام
لیتے رہے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ جس طرح فقہاء کے اجتہاد میں غلطی کا وقوع ممکن ہے اسی طرح
محدثین کے اجتہاد میں بھی غلطی غیرِ اغلب نہیں ہے اور کوئی اہل علم اس کا انکار نہیں کر سکتا
جیسا کہ امام بخاریؒ نے حسن قسم کی حدیث کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھا مگر جمہور امت ان کے اس
اجتہاد کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم صرف ایک ہی حوالہ عرض کرتے ہیں تاکہ ہمارا دعویٰ مبرور ہو جائے
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:-

أَعْلَمُ النَّاسِ بِأَهْلِ الْعِلْمِ مَجْدِ يَثْبُ الْذِينَ
اجْتَهَدُوا فِي مَعْرِفَةِ ذَلِكَ وَطَلَبِهِ مِنْ وَجْهِهِ
وَعِلْمُوا أحوالَ ثِقَلَةِ ذَلِكَ وَأحوالَ الرَّسُولِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجْهِهِ مُتَعَدِّدَةً وَ
جَمْعُ وَابِينَ رَوَايَةِ هَذَا وَهَذَا وَهَذَا أَفْعَلُوا
هَدَقِ الْمَصَادِقَ وَغَلَطِ الْغَالِطَ وَكَذَبِ
الْكَاذِبَ وَهَذَا عِلْمٌ أَقَامَهُ اللَّهُ لَهُ مِنْ حِفْظِ
بِهِ عَلَى الْأُمَّةِ مَلْحُظًا مِنْ دِينِهَا وَغَيْرِهَا لَمْ
لَهُمْ تَبَعٌ فِيهِ إِمَامٌ مُتَدَلٍّ بِهِمْ وَإِمَامٌ مُقَلَّدٌ
لَهُمْ كَمَا أَنَّ الْجُتْهَادَ فِي الْأَحْكَامِ أَقَامَ اللَّهُ
لَهُ رِجَالًا اجْتَهَدُوا فِيهِ حَتَّى حَفِظَ اللَّهُ بِهِمْ
عَلَى الْأُمَّةِ مَا حَفِظَ مِنَ الدِّينِ وَغَيْرِهِمْ لَهُمْ
تَبَعٌ فِيهِ إِمَامٌ مُتَدَلٍّ بِهِمْ وَإِمَامٌ مُقَلَّدٌ لَهُمْ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کو لوگوں
میں سب سے زیادہ جاننے والے وہ حضرات ہیں جو حدیث
کا علم رکھتے ہیں جنہوں نے اس کی معرفت
میں اجتہاد کیا اور اس کے وجوہ سے اس کو طلب
کیا اور راویوں کے احوال کو معلوم کیا اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے حالات کو کئی طرح کے جمع کرنے سے
سمجھا اور مختلف اور متحد راویوں کی روایتوں کو جمع کیا
پھر ان سب کے سب غلط کار کی غلطی اور جھوٹے جھوٹ کو معلوم
کیا اور یہ ایسا علم ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت
میں دین کی حفاظت کے لیے کچھ لوگ کھڑے کئے ہیں
اور بقیہ لوگ، ان کے تابع ہیں وہ یا قرآن کے اصول سے
استدلال کرتے ہیں اور یا ان کے مقلد ہیں جس طرح
کہ اللہ تعالیٰ نے مسائل و احکام میں اجتہاد کئے

(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳ طبع مصر)

وایہ حضرات کھڑے کئے ہیں جنہوں نے اجتہاد سے
کام لیا اور ان کی وجہ سے اُمت کے لیے دین
محفوظ رہا اور باقی لوگ ان کے تابع ہیں، یا تو وہ ان
کے اصول کے ساتھ استدلال کرتے ہیں اور یا
ان کے مقلد ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ جس طرح فقہان نے اجتہاد کیا ہے اسی
طرح محدثین نے بھی اجتہاد کیا ہے اور سب لوگوں کو یہ مقام حاصل نہیں بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ
نے دونوں گروہوں میں سے کچھ نفوس قدسیہ کھڑے کئے ہیں، بقیتہ الناس یا ان کے
قائم کردہ اصول کے مطابق استدلال کرتے ہیں اور یا انھیں بند کر کے ان کی تقلید کرتے
ہیں۔ صدیعت کی بات ہے کہ اس میں فقہاء کی تقلید تو ناجائز اور محرم دین ہو مگر محدثین کی
تقلید کسی کا کچھ نہ بگاڑے۔ فقہاء کی تقلید تو غیر مقلدین کے نقل کردہ حوالجات کے پیش نظر دیکھو
نتیجۃ التقلید ص ۱۱ وغیرہ) مگر ابھی کی ماں اور موجب ہلاکت و تباہی اور مستوجب ہزار قباحات
ہو۔ جتنی کہ اس تقلید کے خلاف بیسیوں کتابوں کے علاوہ نتائج التقلید جیسی کتاب بھی معرض
وجود میں آجائے اور اس کی تصدیقات بھی ہو جائیں مگر محدثین کی تقلید کی سکرے ماں ہی
کوئی نہ ہو اور نہ وہ موجب گمراہی و ضلالت اور باعث شرک ہو۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالکل بالاتر
ہے کہ ایک ہی حدیث کے معنی اور روایت میں کسی امام کی تقلید تو مذموم ہو اور اسی روایت کی
سند اور روایت میں تقلید عین ایمان ہو؟ خذرا فرمائیے کہ بات کیا ہے؟ اور تقلید کی اس شق کو
کیوں معرض وجود اور منفہ شہود پر نہیں لایا جاتا؟ آخر ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

الحاصل ہا یہ ہو یا فقہ کی کوئی اور کتاب ہو، ان میں بعض قواعد اصولیہ قسم کی روایات
یا بعض ضعیف اور ناقابل عمل مسائل اور جزئیات کی وجہ سے نہ تو پوری فقہ کی افادیت کا انکار
کیا جاسکتا ہے؟ اور نہ ایسی کتابیں اور ان کے مصنفین حضرات کو ہدف ملامت قرار دیکر ان کو
ناقابل اعتماد قرار دیا جاسکتا ہے جس طرح کہ آجکل غیر مقلدین حضرات نے جماعتی رنگ میں یہ

معم شرم کر رکھی ہے۔ ورنہ معاذ اللہ اسی قسم ہی کے دلائل سے احادیث کا پورا ذخیرہ منسوخ ہو کر رہ جائے گا اور انہیں کے قائم کردہ اصول سے منکرین حدیث (جو بیشتر نام نہاد اہلحدیث ہی سے ترقی کر کے اس کیٹج پر پہنچے ہیں اور ابھی تو سہ
ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا؟ آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا؟
کام لے کر اپنی نامبارک گاڑی چلاتے ہیں۔

نواب صاحب فقہ کی افادیت کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں کہ:-
”وفائدہ تصنیف کتب فقہ دو چیز است، یکی استفادہ طرق اجتہاد و تصرف
فقہاء در حواشی و کیفیت بناء بعض بر بعض، دوم معرفت متفق علیہ از مختلف
فیرا فتوے بغیر متفق علیہ نہ۔“ (ہدایۃ السائل الی ادلة المسائل ص ۴۱)

غیر مقلدین حضرات کے جماعتی پرچہ الاعتصام میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:-
”اہلحدیث یا غیر مقلدین کے ہاں فقہ حنفی کو علوم میں بہت ہی اونچی درجہ حاصل
ہے۔ ان کے مدارس میں یہ باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ ان کے نصاب تعلیم میں دلائل
ہے اور قدوری سے لے کر ہدایہ تک تمام کتابیں بالالتزام طلباء کو پڑھائی جاتی ہیں ان
کے ہاں اسے مسائل کا بہت بڑا ماخذ سمجھا جاتا ہے وہ فقہ کے مسائل پر عمل کرتے
ہیں اور قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے اس کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں۔“

(بلفظہ الاعتصام ص ۷۴ کالم ۹۷۲ و قدوری ص ۱۹۶)

حقیقت الفقہ، روایت محمدی، شیعہ محمدی اور سنی التقلید کے مؤلفین حضرات کو یہ
حوالہ بار بار پڑھنا چاہیے جو فقہ حنفی کو قرآن و حدیث کے عین مد مقابل کھڑا کرنے پر مصر ہیں
حالانکہ اس حوالہ سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے فقہ کی تعلیم ضروری
ہے۔ اور فقہ حنفی مسائل کا ایک بہت بڑا ماخذ ہے اور اس کے مسائل قابل عمل ہیں۔

”مانتے جس کو نہ تھے لیجے پہنچے وہاں؟“

اور مولانا میر صاحب سیال کوٹی فرماتے ہیں کہ:-

”نیز یہ کہ فقہ حنفی میں کتاب ہدایہ میں مسائل فقہ کی اسناد میں روایات سے جو

ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و معقول باتیں سمجھائی ہیں۔ ان میں امام
برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ بے سود گنی جائے گی؟ اور یہ
بات سوائے کسی جاہل اور بے سمجھ کے کون کہے گا؟ ھذا واللہ الہادی؛

انتہی بلفظہ۔ تاریخ الحجۃ الحدیث ص ۱۲)

ان الفاظ کے پیش نظر مؤلف نتائج التقلید اور اس کے جملہ مصدقین حضرات اپنا مقام اور
خطاب و لقب خود سمجھ لیں کیونکہ :-

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

ہدایہ وہ مبارک کتاب ہے کہ غیر معتدین حضرات کے شیخ الکلی حضرت مولانا سید نذیر حسین
صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں انہوں نے اپنے ذمہ صرف قرآن و حدیث ،
اصول حدیث اور ہدایہ کو حاصل کر لیا تھا۔ (الحیات بعد الممات ص ۲۹۵) اگر ہدایہ کوئی ایسی ویسی کتاب
ہوتی تو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ آخر عمر میں اس کا شغف چہ معنی وارو؟
دیگر غیر معتدین حضرات کی طرح مؤلف نتائج التقلید (ملاحظہ ہو ص ۵) کتاب ہدایہ کے متعلق
گرفت کرتے ہوئے دیدہ دلیری سے یہ بھی لکھتا ہے کہ :-

”اسی پر کتنا نہیں کیا بلکہ انتہائی جرأت اور پوری جسارت کھل کر کہا گیا ہے۔“

ان الہدایۃ کالقرآن قد نسخت ما صنفا قبلہا فی الشرع من کتب

ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل بے نظیر کتاب ہے اور اس کے وجود پذیر (تصنیف)

ہونے سے پہلی تمام شرعی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ جل جلالہ یعنی جیسا کہ قرآن مجید

سے تورات و انجیل منسوخ ہو گئیں ویسے ہی ہدایہ کی تصنیف سے کتب حدیث

اور حنفی شافعی وغیرہم فقہی کتب بھی منسوخ ہو گئیں۔ (بلفظہ)

جواب :-

مذکور نے جو عبارت نقل کی ہے انتہائی جرأت اور جسارت سے کام لیا ہے

کیونکہ اصل الفاظ ”فی الشرع من کتب“ نہیں بلکہ ”فی الفقہ من کتب“ ہیں۔ خود راقم الحروف نے

متعدد دکتاؤں میں فی الفقہ کا لفظ ہی دیکھا ہے، یہ بات مؤلف مذکور کی اپنی ذاتی تحریف ہے۔ اور

یا کہیں کسی رسالہ سے غلط لکھا ہوا گھسیٹ دیا ہے۔ اور جس طرح اسی عبارت میں مؤلف مذکور نے کتب کو ذوی العقول بنا کر وغیرہم ہفتی کتب الخ کر دیا ہے اسی طرح انہوں نے اپنی بے باکی سے لفظ ”فی الفقه“ کو ”فی الشرح“ بنا دیا ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اصل ہی میں لفظ ”فی الشرح“ ہے تو بھی اس سے مراد کتب فقہ ہی ہیں اور نسخ سے یہ مراد نہیں کہ جملہ مسائل فقہ ہدایہ سے منسوخ ہو گئے جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے ناکمجھ حوالہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ ورنہ صاحب ہدایہ متقدمین مسائل نقل نہ کرتے اور نہ قدوری اور جامع الشفیر وغیرہ کی شرح کر کے اس کا نام ہدایہ رکھتے بلکہ نسخ سے بقول شاعر صرف یہی مراد ہے کہ جس طرح نقل اور غلطی دلائل اور براہین کو نہایت اختصار اور بلیغانہ انداز سے صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی ہفتی کوئی کتاب مذاہب اربعہ میں موجود نہیں ہے۔ ہم نے بھی سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں دیکھی ہیں، مگر صاحب ہدایہ کا انداز بیان اور طرز استدلال کچھ اور ہی ہے۔ بقول غالب ؎

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ مؤلف نتائج التقلید کے ترجمہ کہ ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل بے نظیر کتاب ہے سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لفظ کا لفظ ان کو حشر ان کی خبر تصور کر لیا ہے حالانکہ اس کی خبر قدسغت الخ کا جملہ ہے اور کالقرآن نہغت کے متعلق ہے اس لحاظ سے اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ بے شک ہدایہ نے ان کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے جن کو فقہائے اس سے قبل تصنیف کیا ہے جیسے قرآن کریم نے پہلی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ تو تشبیہ صرف نسخ میں ہے۔ اور نسخ بھی صرف مجازی یعنی ان سے بے نیاز کر دیا ہے نہ یہ کہ ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے بلاوجہ سمجھ رکھا ہے۔

امام قاسم بن فیروز الشاطبی (المتوفی سنہ ۵۹۰ھ جو الامام العلامہ احمد الاعلام الکبار رحمۃ مفتاح السعادة ج ۲ ص ۲۸۷) کی مدح و تعظیم میں مشہور محدث البوشامہ المقدسی الشافعی (المتوفی ۶۶۵ھ جو الحافظ العلامہ اور المتبہد تھے۔ تذکرہ ج ۴ ص ۲۳۳) فرماتے ہیں سہ

رأیت جماعۃ فضلاء فافادوا برؤیة شیخ مصر الشاطبی

وكلهم يعظمه ويشني كعظيمه الصحابة للنبي

(مفتاح السعادة ج ۱ ص ۲۸۸)

کہ میں نے فضلاء کی جماعت کو دیکھا جو شیخ مصر الشاطبی کی رؤیت میں کامیاب ہو گئے اور وہ سب کے سب ان کی تعظیم اور مدح کرتے ہیں جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ کیا اب یہ کہنا شروع کر دیا جائے کہ محدث البرشامہ نے حافظ الشاطبیؒ کو (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام پر جا پہنچایا ہے اور ان کے فاضل شاگردوں کو صحابی بنا دیا ہے؟ اس کے بغیر اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے شاعرانہ تخیل کے تحت اپنی حسنِ محبت کا اظہار کیا ہے اور بس، نیز یہ بھی ملحوظ ہے کہ تشبیہ میں من کل العجہ مشابہت بھی ضروری نہیں ہوتی کمالہ یحفظی۔

رجح الحدیث

بات یہاں سے چلی تھی کہ علامہ ذہبیؒ نے امام خطیب بغدادیؒ امام البغویؒ اور اکثر متاخرین پر یہ تنقید کی ہے کہ انہوں نے بے تحاشا موضوع، جعلی اور من گھڑت روایات اپنی کتابوں میں درج کر کے سنت پر ظلم ڈھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ مگر بایں ہمہ نہ تو ان کی شخصیت پر مقتضی اور کاذب وغیرہ ہونے کا فتویٰ درست ہے جس طرح کہ صاحب نتائج التقدیر نے مصنف ہدایہ پر ظلم کیا ہے اور نہ مجموعی لحاظ سے ان حضرات کی کتابیں درجہ اعتبار سے ساقط ہیں جس طرح کہ مؤلف مذکور نے ہدایہ کو ساقط الاعتبار قرار دینے کی موجود سعی کی ہے۔ اب اس کے بعد ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آدم بربر مطلب کے بطور پر کچھ بقیہ حوالہ جات عرض کرتے ہیں :-

حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی (المحقق ۹۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ :-

وَلَمْ تَغْتَرِبْهُمَا لِقُلَّةِ الْحَافِظِ الْبُيُوكِيِّ بْنِ ثَابِتٍ	حافظ ابو یزید خطیب بغدادی نے امام البغویؒ
الْحَطِيبِ الْبَغْدَادِيَّ مِمَّا يَجِدُ بِتَعْظِيمِ	کے بارے میں جو عمل تعظیم باتیں نقل کی ہیں ان سے
الْاُمَامِ اَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَان	دھوکا نہ کھانا۔ خطیب بغدادی نے اگرچہ پہلے
الْحَطِيبِ وَانْ نَقَلَ كَلَامَ الْمَادِحِينَ	مدح کرنے والوں کی باتیں نقل کی ہیں مگر اس کے

فقد اعقبه بسلام غیر ہم نشان کتاب
بذلک اعظم شین و صار بذلک
هدفاً للکبار والصغار وانی بقا ذرة لا
تفسلها البحار و عقود الجمان ص
بحواله ماتمس الیه الحکمة طبع اصم المطابع
کراچی

بعد دو سکر لوگوں کی باتیں بھی نقل کی ہیں۔
سوا س دس سہ انہوں نے اپنی کتاب کچ بڑا وفادار
کر دیا ہے اور بڑوں اور چھوٹوں کے لیے ایسا کرنے
سے وہ ہر تلامذت بن گئے ہیں اور انہوں نے
ایسی گندگی اچھالی ہے جو سمندروں میں بھی نہ
دھل سکے۔

اور علامہ جمال الدین یوسف بن حسن بن عبد الہادی الحنبلی (المتوفی ۹۰۹ھ) اپنی کتاب
”تنویر الصحیفہ“ میں لکھتے ہیں کہ :-

ومن المتعصبين على ابي حنيفة الدارقطني
والونعيم اه ربحواله ماتمس اليه الحاجة
امام ابو حنيفة کے بارے میں جن حضرات نے
تعصب برتے ان میں امام دارقطنی اور ابو نعیم
بھی شامل ہیں۔

علامہ عینی نے امام دارقطنی کا متعصب ہونا ذکر کیا تھا جس پر دیگر اپنے ہم مشرب دوستوں
کی طرح مولف نتائج التقليد بھی سیخ پاس ہو گیا (دیکھئے صفحہ ۱۸۹ وغیرہ) مگر یہ سوچا کہ اس میدان
میں تنہا عینی ہی نہیں خود شافعی المسلک وغیرہ بھی ان کو متعصب ہی کہتے ہیں ک
ایں گئی ہیئت کہ در شہر شامیز زکند !

اور علامہ محمد معین الزندہ لکھتے ہیں کہ :-

وهذا الدارقطني قد طعن في امام الاثمة ابي
حنيفة وضعف ما دار عليه من الاحاديث
بسببه وكذلك الخطيب البغدادي
قد افترط في ذلك ولم يعيها وبمن
حذى حذوهم اتفق على توثيقه وعبادة
قدرة وعظيم منقبته التي نال بها العلم
في الثريا على ما يشير اليه قوله صلى الله عليه

امام دارقطنی نے امام الاثمة ابو حنيفة کے بارے میں طعن
کیا ہے اور جو حدیثیں ان کے طریق سے مروی
ہیں ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور اسی طرح خطیب
بغدادی نے بھی بہت ہی غلو سے کام لیا ہے مگر
ان دونوں اور ان کے نقشب قدم پر چلنے والے
حضرات کی اس کاروائی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ
امام ابو حنيفة کی توثیق اور جلالت شان اور بڑی فضیلت

وسلّم لو كان العلم في الدنيا لانه رجا
من فارس اه
پر بھی کا اتفاق ہے جس فضیلت کی طرف آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مشیر ہے کہ اگر علم
ثریا میں بھی پہنچ جائے تب بھی اتنی بے بسی سے
فارس کے کچھ لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔

امام شمس الدین السخاوی الشافعی (المتوفی ۹۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ:-

واما ما اسنده المحافظ ابو النبیف فی کتاب
النسبة له من الکلام فی حق بعض الائمة
المقلدین وکذا المحافظ ابو احمد بن عدی
فی کماله والمحافظ ابوبکر الخطیب فی تاریخ
بغداد وآخرون ممن قبلهم کان ابن ابی شیبہ
فی مصنفه والبخاری والنسائی مما کنت
انزهم من ایراده مع کونهم مجتہدین و
مقاصدهم جمیلة فینبغی تجنب اقتنائهم
فیه اه

بہر حال حافظ ابوالشیخؒ نے اپنی کتاب استتہیں
بعض ایسے اہل علم پر جو کلام نقل کیا ہے جن کی تقلید کی
جاتی ہے اور اسی طرح حافظ ابن عدیؒ نے کمال میں
اور حافظ ابوبکر خطیبؒ نے تاریخ بغداد میں اور
دوسرے حضرات نے ان سے پہلے مثلاً ابن ابی شیبہؒ
نے اپنے مصنف میں اور اسی طرح امام بخاریؒ اور
نسائیؒ نے کلام کیا ہے میں ان کے کلام کو پیش کرنے
سے بھی احتراز کرتا تھا باوجودیکہ یہ حضرات مجتہد تھے اور
ان کے مقاصد بھی اچھے تھے مگر پھر بھی اس کلام میں

الاعلان بالتومیح لمن ذم التاريخ (م)

مؤلف نتائج التقليد اور مصنف تحقیق الفقہ اور اسی طرح ان کے دوسرے ہمنوا حضرات
کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جن جن حضرات نے کلام کیا ہے یا تو
وہ محض تعصب اور عناد و حسد کی پیداوار ہے جس کی ایک پرکاوہ کی حیثیت بھی نہیں ہے اور
بعض حضرات نے اگرچہ دیانتہ کلام کیا ہے مگر اس لئے کہ قائم کرنے میں جس اجتہاد سے انہوں
نے کام لیا ہے وہ سراسر باطل ہے کیونکہ تاریخ ان تمام غلط فہمیوں کو تریخ و بئ سے اکھاڑ رہی
ہے۔ اس لیے ان حوالجات سے مخالطہ آفتابی میں مبتلا ہونا یا دوسری کو دھوکا دینا انصاف و عدل
کا جنہ نہ نکالنا اور محض تعصب اور حسد اور غیبت جیسے گناہ میں آلودہ ہونا ہے جیسا کہ شیخ الاسلام
ابن عبد البرؒ وغیرہ کے کلام سے نقل کیا جا چکا ہے۔

قاضی القضاۃ شمس الدین ابن خلکان الشافعی (المتوفی ۶۸۸ھ) علامہ خطیب بغدادی کے اس

غلط طرز پر گفتگو اور تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

خطیب نے اپنی تاریخ میں امام صاحب کے بارہ بیت

وقد ذکر الخطیب فی تاریخہ منها شیئاً

سے مناقب ذکر کئے ہیں اس کے بعد کچھ ایسی ناگفتہ

کثیراً ثعاعقب ذالک بذكر ما كان

بر باتیں بھی لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض

الدلیق تركه والاضراب عنه فمثل هذا

کرنا بت ہی من سب تھا کیونکہ امام عظیم مدنی شخصیت

الامام لیسک فی دینہ ولم ورعہ ولم

کے متعلق نہ تو دیانت میں شبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ

فی حفظہ ولم یکن یعاب بشیئ سوی

ودع اور غلطی آپ پر کوئی ٹکڑہ چینی بجز قلت

قلۃ العربیۃ اھ

عزیت کے اور نہیں کی گئی۔

(تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۵)

باقی عبارت تو بالکل صاف اور بے غبار ہے لہذا البتہ آخری جملہ جس میں حضرت امام

ابوحنیفہ کی قلت عربیت کا ذکر کیا گیا ہے، محتاج تشریح ہے اور غیر مقلدین حضرت ان کی

قلت عربیت کی دلویا باتیں کی مثال کو بھی لئے لئے پھرتے ہیں کہ ان کو تو بخود اگر میر ہی سے

واقفیت نہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ عرب ب مابعد کوجر ویتا ہے اور امام ابوحنیفہ اس کو جر اور

نقص نہیں دے رہے۔ جب وہ عربیت ہی سے واقف نہیں تو پھر صحیح طریقہ پر استنباط مسائل اور

قیاس وہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور ان کے ایسے اجتہاد کا بھلا اعتبار بھی کیا ہے؟

امام صاحب کا یہ مفروض عیب بھی تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۲۱ وغیرہ میں مذکور ہے۔ زیادہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ ہم بجائے اسم المصیب اور تائب الخطیب کے حوالوں کے کسی اور بزرگ کا حوالہ عرض

کر دیں جو حقیقی نہیں اور بقول غیر مقلدین حضرات مجتہد اور غیر مقلد ہیں تاکہ تعصب مذہبی اور جذباتی

کاشبہ باقی نہ رہے۔

العلامة الحافظ محمد بن ابراہیم الوزير (المتوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ:-

اگر امام ابوحنیفہ جاہل اور زور علم سے عاری ہوتے تو

ولمکان الامام ابوحنیفۃ جاہلاً ومن

علماء خفیۃ میں علم کے پہاڑ ان کے مذہب پر کیوں متفق

حلیۃ العلم عاطلاً ما لظاہت جبال العلم

ہوتے؟ مثلاً قاضی ابویوسف محمد بن الحسن، طحاوی

من الخفیۃ علی الاشتغال بمذاہبہ کالقاضی

کفری، اور ان جیسے اور ان سے دو گنے چرگے حضرت
 علماء احناف کا طائفہ ہند، شام، مصر، یمن، جزیرہ یمن
 عراق، عرب اور عراق عجم (وغیرہ) میں ایک سو پچاس
 ہجری (۱۷۵) سے لے کر آج کی تاریخ تک
 جو چھ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ان زمر
 کی تعداد میں گزر چکے ہیں جو اوسط سے باہر ہیں اور
 مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جو شمار میں نہیں آسکتے
 جو اہل علم اور صاحب قنوی اور دوع و تقویٰ کے مالک ہیں
 سو یہ معترض کیسے جرأت کرتا اور کس طرح ان
 کے حق میں یہ جائز سمجھتا ہے کہ وہ سب کے سب
 ایک عامی اور جاہل پر تنقید ہو گئے ہیں جو یہ بھی نہیں
 جانتا کہ عرف ب مابعد کو جبر ذیل ہے۔

(الروض الباسم، ص ۱۶ طبع مصر)
 پھر اس کی مزید تفصیل و تشریح کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ :-

اور بہر حال اس معترض کا بابا باقیس کے لفظ
 سے اعترض تو اس کے کئی جواب ہیں۔ اول
 یہ کہ امام صاحب کی طرف اس لفظ کی نسبت کسی
 صحیح سند کے ساتھ ثابت ہونی چاہیے اور معترض
 نے صحاح کو بھی ان کے اہل کی طرف نسبت کرنے
 میں تشدد سے کام لیا ہے حالانکہ ان کی شہرت
 سماعت اور ضبط و محافظت ناقابل انکار حقیقت
 ہے سو اس (غیر صحیح) روایت کا کیا اعتبار؟ دوم
 اگر یہ نسبت کسی صحیح سند سے ثابت بھی ہو جائے
 تو اس کی شہرت اور صحت اس پایہ کی نہیں جس پایہ

ابی یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی و
 الطحاوی و ابی الحسن الکرخی و امثالہم
 اصنافہم فعلماء الطائفة الحنفیة فی الهند
 و الشام و مصر و الیمن و الجزیرة و الحرمین
 و العراق من مائة و خمسين من الهجرة
 الی هذا التاريخ یزید علی ستمائة سنة ففهم
 الوقت لایفهمون و عوالم لایحسون من
 اهل العلم و الفتویٰ و الدوع و التقویٰ
 فکیف یجترئ هذا المعترض و یجوز علیہم
 انہم تطالبوا علی الاسناد الی عامی جاہل
 لایعرف ان الیاء تجر ما بعدھا الخ

و اما قوله بابا قیس فالجواب علیہ من وجہ
 الاول ان هذا یمتلیح الی طریق صحیحة و
 المعترض قد شد فی نسبة الصحاح الی
 اہلہما مع اشتہار سماعہا و المحافظة علی
 ضبطہا فکیف بھذہ الروایة الشانی ان
 ثبت بطریق صحیحہ فانہ لم یشہد و لم
 یسم مثل شہرة صدور الفتیاء و دعوی
 الیمتہاد عن الامام الی حنیفة و قد تواتر
 علمہ و فضلہ و اجماع علیہ و لیس یقدح
 فی المعلوم بالمظنون بل بما لایستحق ان

یسمیٰ مظنوناً الثالث انا لو قدرنا ان
 ذالک صح عنه بطرق معلومة لم یقع
 به لانه لیس بل هو لغة صحیحة
 حکاه الفراء عن بعض العرب والنشد
 ان اباه و اباه
 قد بلغا فی المجد غایتا
 (الروض الباسم بر ص ۱۶۱ و ص ۱۶۲)
 کی اہم صاحب صدر فتویٰ اور دعویٰ اجتہاد کی نسبت
 مشہور اور صحیح ہے اور تو اترو اجماع سے ان کا علم و فضل
 ثابت ہے، لہذا ایک معلوم حقیقت پر مظلون چیز اعتراض کس
 طرح ہو سکتا ہے؟ بلکہ وہ مظنون کمال کے بھی مستحق نہیں ہے
 موم، اگر ہم اس نسبت کو صحیح بھی تسلیم کر لیں کہ صحیح طریق ساقط
 اُن سے یہ ثابت ہے تو بھی یہ نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ غلط بلکہ
 صحیح لغت ہے جیسا کہ مشہور نحوئی فارسی بعض عرب کے نقل کیا
 ہے اور اس پر یہ شعر پڑھا ہے کہ

ان اباه و اباه

قد بلغا فی المجد غایتا

علامہ مصوف کی یہ عبارت بار بار پڑھئے اور دیکھئے کہ حضرت اہم الوحیفة اور آپ کے
 متبعین کے بارے میں مصوف نے کیا کہا ہے؟ اور کن الفاظ سے ان کی توصیف و مدح کی
 ہے اور کس طرح ان کو علم کا پہلا تسلیم کیا ہے؟ اور ان کے اہل علم اور صاحب فتویٰ اور ورع
 و تقویٰ کے مالک ہونے کا فرغندلی کے ساتھ اقرار کیا ہے؟ اور یہی منصف مزاج اہل علم کی خوبی
 ہوتی ہے کہ وہ حقیقت پر وہ نہ ڈالیں بلکہ صاف لفظوں میں اس کا اقرار کریں۔ بخلاف اس کے
 معاذین اور متعصبین کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ حوالجات میں قطع و برید کر کے یا حاسدین اور متعصبین کے
 حوالے چن چن کر نقل کرتے اور دل کی بھڑاس نکالتے ہیں اور ہر ناجائز طریق سے ان کو محبوب
 و مطعون ٹھہرانے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں جس طرح کہ غیر مقلدین حضرات نے اور ان میں
 خصوصیت سے مؤلف حقیقت الفقہ شمع محمدی اور مصنف نتائج التقلید اور اس کے جملہ
 مصدقین حضرات نے کی ہے کہ حضرت اہم الوحیفة اور آپ کے پیروں کو نہایت ہی جلی کٹی
 سنائی ہیں اور ادھوئے حوالے نقل کئے ہیں اور ان کے فضائل سے بالکل آنکھیں
 بند کر لی ہیں۔ سچ ہے ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنین کنند!

مؤلف حقیقت الفقہ کا بیجا تعصب

موصوف نے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور علم حدیث کے عنوان سے ایک سرغنی قائم کی ہے اور آگے کئی ایک نامکمل اور اوصوئے اور ضعیف حوالے نقل کئے ہیں مثلاً علامہ ابن خلدون کا صرف یہی حوالہ نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ صدیقین پہنچی ہیں۔

(لفظ حقیقت الفقہ حصہ اول ص ۷) اور اس کے ماقبل اور مابعد کی ساری عبارت جس میں علامہ ابن خلدون نے اس روایت کی تردید کی اور امام صاحبؒ کو من کبار المجتہدین فی علوم الحدیث کہا، شہرہ سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور آگے حضرت امام ابو حنیفہؒ پر جرح کا عنوان دے کر متعصبین اور حاسدین اور کچھ ایسے حضرات کے حوالے نقل کئے ہیں جو خود غلط فہمی کا شکار ہیں جس کی ہم نے باحوالہ مبسوط بحث پہلے عرض کر دی ہے وہاں ہی دیکھ لیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور پھر مصنف حقیقت الفقہ نے حصہ اول ص ۷ میں تو کمال ہی کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

”ایضاً اسمائے گرامی اُن ائمہ محدثین فقہاء و فضلاء کے جنہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو ناقص الحافظ اور حدیث کم جانتے والا اور اس کی جانچ و پرکھ میں ناقص اور نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا ہے اور اُن کے عقائد و مسائل پر اعتراض کیا ہے، یہ ہیں ابو اور پھر آگے اسی حضرات کے نام درج کئے ہیں جن میں امام ابو یوسفؒ، عبد اللہ بن المبارکؒ، علی بن المدینیؒ، یحییٰ بن ابراہیمؒ، حافظ ابن عبد البرؒ، علامہ ذہبیؒ، یزید بن ہارونؒ، وکیع بن الجراحؒ، الرقیؒ، امام عبد الوہابؒ، شعرائہؒ، ملا معینؒ، مولانا عبد الحمیدؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نام بھی مذکور ہیں۔ ان میں سے بیشتر حضرات کی صریح عبارتیں پہلے عرض کی جا چکی ہیں کہ وہ امام صاحبؒ پر جرح کرنے والوں کو دندان شکن جوابات دیتے ہیں مگر صمد افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے انتہائی بددیانتی اور پوری بے حیائی کے ساتھ خالق و خلق کی شرم سے بے نیاز ہو کر یہ لکھ دیا ہے دندان شکن جواب

ہم مؤلف حقیقت الفقہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی پوری جماعت کی کوشش صرف کر کے ہمیں یہ بتائے کہ ان حضرات مذکورین کی امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اپنی یہ رائے تھی کہ وہ ناقص الحافظ، حدیث کم جانتے والے اور پرکھ میں ناقص اور عربی زبان سے ناواقف اور عقائد و

مسائل میں قابلِ ملامت تھے۔ کیا نوکِ حقیقتِ الفتح اور اس کی پوری جماعت میں یہ دم خم ہے کہ وہ ان حضرات سے اپنی قائم کردہ شرخی کا ایک ایک دعویٰ باحوالہ ثابت کرے؟ فہم!

من مبارک! عی

کلمہ مائیزبانے دریا نے دارد

یہ ٹھیک ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے امام صاحب پر اعتراضات کرنے والوں کے بعض اقوال نقل کئے ہیں مگر ساتھ ہی ان کی پُر زور تردید بھی کر دی ہے۔ یہ کتنا بڑا جہل اور تلبیس ہے کہ ان اکابر پر یہ صریح بہتان اور خالص جھوٹ تراشا گیا ہے۔ مگر صد حیرت اور ہزار افسوس ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی ان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی فسرق نہیں آتا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ لیکن

حقیقت ہر نقابِ زندگی سے روغا ہوگی

نظر کی قوتوں کو امتیازِ حق و باطل ہے!

کیا احناف میں بھی کوئی ولی ہو ہے؟

حقیقت الفتح حصہ اول ص ۸۵ میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔ کیا حنفی مذہب میں ولی ہونے میں؟ اکثر حنفی کہا کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے حق ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اس مذہب میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے ہیں اس کا جواب بگوشِ دل ملاحظہ ہو۔

حضرت پیرانی پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کہ جن کو چاروں مذہب والے بڑا ولی مانتے ہیں وہ صاف اس بات سے انکار کرتے ہیں چنانچہ طبقات ابن رجب ص ۲۰۱ میں ہے :-

قیل للشیخ الجیلانی هل کان لله ولیاً حضرت پیرانی پیر سے پوچھا گیا کہ غنبل مذہب والوں کے سوا علی غیر اعتقاد احمد بن حنبل فقال اور مذہب میں بھی کچھ ولی ہوئے ہیں یا نہیں؟ فرمایا نہ تو ہوئے ماکان ولا یکون ہیں نہ ہوں گے (انتہی بلفظ)

الجواب

یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ ہم نے ابھی الروض الباسم کی عبارت نقل کی ہے جس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت امام عظیمؒ کے متبعین میں علم

افند ہے گی۔ بڑے بھائیوں کو نہ ملی چھوٹوں کو مل گئی کیوں نہ ہو آخر بڑے میاں تو بڑے میاں
چھوٹے میاں سبحان اللہ مشہور ہی ہے۔ یہ وراثت عینی علاقائی اور اخلاقی بھائیوں کو مل سکتی ہے۔
ان کی موجودگی میں بے پالکوں کو وراثت کس طرح مل سکتی ہے؟ دیکھا آپ نے کہ غیر مقلدین حضرت
بکارِ نویس کیسے ہوشیار ہیں کہ حنفیوں کو زک پہنچانے کی خاطر مالکیوں اور شافعیوں کو بھی ولایت کے
دفعہ سے خارج کر دیا ہے مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ

چمن دیکھے نہیں ہم نے کہ ویرانے نہیں دیکھے

سکھیں غافل بکار خویش فرزانے نہیں دیکھے

مؤلف تحقیقت الفقہ حصہ سوم ص ۱۹۱ میں المسجد الحرام میں حنفی مصطفیٰ کے بارے میں لکھتا ہے کہ،
 "اس مقام پر قدیم دار الندوہ مشرکین عرب کا تھا جہاں بیٹھ کر ابو جہل وغیرہ گفتار
 حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ (تاریخ نبوی ص ۵)
 یہی وجہ ہے کہ اس کا اثر اب تک محمدیوں کے مقابل کام کر رہا ہے" (انتہی بلفظہ)

الجواب

یہ بالکل مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ مستند تاریخی کتابوں سے اس کا ثبوت درکار ہے۔

و ثانیاً اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا مسجد نبوی کی جگہ مشرکین کی قبریں نہ بنیں؟

(ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۱۷ وغیرہ) جن کو عذابِ قبر بھی ہوتا رہا ہوگا۔ تو کیا مسجد نبوی کا اعتبار اور احترام نہیں کرنا چاہیے؟ اور کیا کسی غیر مقلد نے مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی؟ فرمائیے تو سہی! حضرت فخر اس سے کیا کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت نہ تھے؟ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۸۰۰ میں فتح مکہ کے موقع پر دُور کیا تھا تو کیا معاذ اللہ کعبۃ اللہ کا احترام ترک کر دیا جائے؟ ہوش میں آکر جواب دیں۔

ایک اور اعتراض

بعض غیر متقدمین حضرات کتب فقہ حنفی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے لیے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ شعر بھی لکھا ہے کہ ۔

فلعنة ربنا اعداد رمل على من ردّ قول الى حنيفة

چنانچہ حقیقت الفقہ حصہ سوم ص ۱۸ میں بحوالہ درمختار ج ۲۶ یہ شعر نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ”لعنت ہو جائے رب کی بقدر شمار یہ ہے کہ اُس شخص پر جو ابو حنیفہؒ کے قول کو رد کرے یعنی قبول نہ کرے“ (انتہی بلفظ) اور آگے لکھا ہے کہ ”صحابین یعنی امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں امام محمدؒ و ابو یوسفؒ نے تین ٹکٹ سے زیادہ مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کا خلاف کیا ہے“ (درمختار ج ۱ ص ۲۴) حقیقت الفقہ حصہ دوم ص ۱۸ گویا یہ بھی مردود ٹھہرے۔ (معاذ اللہ)

الجواب :-

اس اعتراض کا تعلق اگرچہ حضرت امام صاحبؒ کی ذات سے نہیں، اس لیے کہ یہ ان کا قول نہیں بلکہ یہ امام عبداللہ بن المبارکؒ (المتوفی ۱۸۱ھ) کی طرف منسوب، (دیکھئے مقدمہ عقیدۃ الراجیہ ص ۳۳ وغیرہ) مگر چونکہ اس سے امام صاحبؒ کی فقہ کو رد کرنا مقصود ہے۔ اس لیے اس کا جواب بھی ہم عرض کئے دیتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ رد اور اختلاف میں کافی فرق ہے۔ یہ قول امام صاحبؒ کے شاگرد کا ہے اور ان کے اُن مسائل کے بارے میں ہے جو ان کے علم کے مطابق قرآن و حدیث کے عین مطابق تھے۔ اور انکار و کرنیوالا سخت لعنت ہی ہے۔ متاخرین کے مسائل و تحریجات جو غیر مجتہدین کے قیاسات ہیں وہ اس سے ملا نہیں ہیں اور اپنے استاد کے متعلق ایسی حسن عقیقت جو شرم و محبت اور فرط عشق کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اس کو اگر غلو فی العقیدت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہو چنانچہ غیر مقتدین حضرات کے شیخ اہل مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

”اساتذہ کا ادب :- میاں صاحب اپنے اساتذہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز اور جناب مولانا شاہ محمد اسحاق قدس سرہم اور ان کے خاندان کا بہت ادب کرتے، اکثر قرآن و حدیث کے ترجمے کے موقع پر فرماتے تھے اس کا مقصد ہی ترجمہ سنو جو ہماری بزرگوں سے سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے اور بیان مسائل میں بھی انہی بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے تھے ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں، اس پر کوئی آزا و طبع طالب علم اگر یہ کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا سند نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے تو بہت خفا ہو کر فرماتے، مژدہ! کیا یہ حضرات گھس گھس کئے تھے ایسی

ہی اڑان گھائی اڑتے ہیں؟ (ملفوظ الحیات بعد المات ص ۲۳)

حضرت میاں صاحب کا حلقہ درس بہت وسیع اور شاگرد کثیر تعداد میں ہوتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا اعتراض مولانا ابو طیب محمد شمس الحق صاحب ڈیالوی، مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا محمد بشیر صاحب سہوانی، مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی عیا اس قسم کے جری، ذکی اور دلیر ہی کر سکتے تھے ورنہ ہر کہ وہ کو اتنی بھری مجلس میں سوال کرنا بھی کلمے وارد۔ مگر حضرت میاں صاحب مرحوم ان معترض حضرات کو اس لیے مردود کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کے اساتذہ کرام کے بارے میں کچھ غلطی کا اظہار کیا ہے۔ اور اگر کوئی امام ابو حنیفہ کی شان رفیع میں انتہائی بے اعتدالی کا ذکر کرتا ہو اور ان کے قول کو محض تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے رو کرنا ہو جن کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کو حضرت میاں صاحب مرحوم کے اساتذہ کرام بھی نہ صرف یہ کہ تسلیم کرتے ہوں بلکہ ان کی تقلید کرنے لگے کا ہار بناتے اور سمجھتے ہوں اور اُمت کی اکثریت ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو اگر کوئی صاحب فرط محبت اور جو ش عقیقت میں آکر شاعرانہ تخیل کے تحت ایسا کہے تو وہ کیونکر باعثِ ملامت ہو سکتا ہے؟ اور جن کتابوں میں اس کا ذکر ہے وہ کیونکر ناقابل اعتبار ٹھہرائی جاسکتی ہیں؟ اگر یہی طرز استدلال ہے تو الحیات بعد المات کو ناقابل اعتبار سمجھنا چاہیے۔ جس میں حضرت میاں صاحب کے اساتذہ پر بے اعتدالی کرنے والے کو مردود کہا گیا ہے بلکہ خود حضرت میاں صاحب پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے جنہوں نے اپنے اساتذہ پر بے اعتدالی کرنے والے کو مردود کہا ہے۔

کیا اصحاب ابی حنیفہ نصاریٰ کے مشابہ ہیں؟

مؤلف نتائجِ تقلید نے اصحاب ابی حنیفہ کو بزرگ خود نیچا دکھانے اور ان کی علمی عظمت اور عملی کمالات کو دبا کر دیکھانے کے لیے یوں گومر افشانی کی ہے کہ:-

”ایک دوسرا قول حضرت خطیب نے بندنہ صحیح بنید بن ہارون ایسے نامہ بند کا اس طرح نقل کیا ہے، یحییٰ واسطی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد و معتمد بنید بن

ہارون سے یہ کہتے ہوئے مناسبہ ماثلت قومًا اشبہ بالنصارى من
اصحاب ابی حنیفہ۔ حنفیوں سے زیادہ عیسائیوں کے مشابہ میں نے دوسری
قوم کوئی نہیں دیکھی۔

(ترجمہ ابوحنیفہؒ تاریخ بغداد، ملفظ نتائج التعلیق ص ۷)

الجواب :-

مؤلف مذکور کا اس سے استدلال سرسرا بطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ مؤلف مذکور
اس قول کو بسند صحیح کہتا ہے۔ پہلے اس کی سند بتائے کہ کہاں ہے؟ یہ روایت تاریخ بغداد
ج ۱۳ ص ۴۱ طبع مصر میں یوں آتی ہے۔ وقال الوب بن شاذ بن یحیی الواسطی صاحب پزید
بن ہارون الخ علامہ خطیبؒ کی وفات ۲۶۲ھ میں اور حضرت یزید بن ہارونؒ کی وفات
۲۶۶ھ میں ہوئی ہے۔ درمیان میں ۲۵۷ سال کا طویل زمانہ ہے لیکن درمیان کاراوی
صرف ایک ہے۔ خطیب بغدادیؒ سے لے کر الوب بن شاذ تک سند کی کمی کر لیاں اور
راوی غائب ہیں مگر مؤلف نتائج التعلیق خیانت یا جہالت کی وجہ سے اس کو بسند صحیح کہہ رہا
ہے۔ اور غضب یہ کہ ان کے جملہ مصدقین اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ع

ناطقہ سرنگریاں کہ اسے کیا کہیے!

وثانیاً یہ روایت الوب بن شاذ سے ہے نہ کہ یحیی واسطی سے جیسا کہ مؤلف نے
حنفیوں کو نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ دینے کی خوشی میں یہ سمجھ رکھا ہے۔

وثالثاً مؤلف مذکور (اور اس کی جماعت) کا یہ فریضہ ہے کہ وہ الوب بن شاذ کا حال
بتائے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف؟ معروف ہے یا مجهول؟ کیونکہ اسماء الرجال کی معروف
کتا بوں میں اس کا تذکرہ نہیں مل سکا۔

ودابعاً ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جن روایات سے علامہ خطیب بغدادیؒ نے
ام صاحبؒ کے مثالب بیان کئے ہیں ان کے اکثر روایات متکلم فیہم ہیں۔

وخللاً حضرت یزید بن ہارونؒ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کی فقاہ اور کتا بوں کی
فضیلت باحوالہ پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ پھر اسی سے باآسانی امام صاحبؒ کے اصحاب

کا انداز لگایا جاسکتا ہے۔

غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، آپ کی فقہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے جتنے بھی اعتراضات قدیم و حدیثاً تراشے گئے ہیں، ان میں بیشتر تعصب اور حسد پر مبنی ہیں اور جو دیانت اور اجتہاد پر مبنی ہیں تو ان میں بھی رائے قائم کرنے والے حضرات کی خطا ہے اور اپنے مقام پر ان کے صحیح جوابات موجود ہیں جیسا کہ ہم نے بہت سی باتیں باحوالہ عرض کر دی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام علوم و فنون میں فقہ ایک شکل اور دقیق علم ہے اس میں ہر کہ دمہ کو رائے قائم کرنے اور اس کی باریکیوں کو سمجھنے کی اہلیت کہاں حاصل اور نصیب ہو سکتی ہے؟ اس کے مثبت اور منفی پہلو پر اور اس کے مسائل کی حدود کو صرف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وافر نصیب اور فی الجملہ اجتہاد کا ملکہ مرحمت ہوا ہو اور فقہی مسائل کی خامیاں بھی صرف وہی ارباب علم بیان کر سکتے اور اس کے مجاز ہیں جو اس کی دقیق و عمیق گہرائیوں سے واقف ہیں محض ظاہری اور سطحی قسم کا آدمی اس میں کیا رائے دے سکتا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہ ساتھی دور ہے اور اس ترقی یافتہ دور میں اتنی اور ایسی ایسی کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن کا تصور بھی سلف صالحین کے سابق اُدوار میں نہیں کیا جاسکتا اور اس لحاظ سے علم کا طول و عرض خوب بڑھ گیا ہے اور اسی وجہ سے بعض کوتاہ نظر اشخاص کو علماً متقدمین کے مقابلہ میں اجتہاد اور خود بینی کے خواب آ رہے ہیں اور ہجوم دیگرے نیست کے چکر میں اُلجھے ہوئے ہیں لیکن اس پر مطلقاً غور نہ کیا کہ اگرچہ آجکل علم و فن میں طول و عرض تو خاصا ہے مگر افسوس کہ عمق اور گہرائی نہیں اور سلف صالحین کے علم میں گو بعض وجوہ سے ایسا طول و عرض تو نہ ہو مگر ان کو بڑا قوی ملکہ حاصل تھا اور ان کا علم عمیق اور بڑا مضبوط تھا اور وہی اعتبار سے اعتبار صرف انہیں کا ہو سکتا ہے نہ کہ ایسے متاخرین کا ہاں جو نئے حوادث اور مسائل دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور سابق زمانوں میں ان کا وجود نہ تھا ایسے مسائل میں ہر دور کے جید اور محقق علماء کی رائے معتبر ہوگی اس کے رد کی کوئی وجہ نہیں ہے اور غلط بحث علماء کی شان نہیں اس صدی کے ممتاز اور متبحر عالم حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۵۲ھ) سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جو اپنے علم و فضل، ذہانت و حافظہ، دقت نظر اور وسعت

مطالعہ کے لحاظ سے علما و متقدمین کی زندہ یادگار تھے اور ان کے بعد علمی اور تحقیقی مقام کے اعتبار سے بلا مبالغہ ان کی کوئی نظیر پیدا نہیں ہوئی، فقہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں :-

واعلم انه ما من فن الاولي فيه رائی غیر
تو جان لے کہ کوئی فن ایسا نہیں جس میں میری کوئی نہ
کوئی رائے نہ ہو مگر فقہ میں میں خالص مقلد ہوں اور اس میں
کسی کے لیے میں (رائے زنی کا) حق نہیں سمجھتا بجز
حقاً الا لمن حصل له الاجتهاد -

(فیض الباری ج ۲ ص ۶)

غور فرمائیے کہ موصوف نے کیا فرمایا؟ جب فقہ کا مقام اتنا مشکل اور باریک ہے تو اس میں سید الفتن
امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی غلطیاں نکالنا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے
کیونکہ خود معترض کو اس فن کی باریکیوں تک سائی حاصل کرنے کی اہلیت حاصل ہو تو پھر اس کی بات
اور اعتراض کا کچھ وزن ہو سکتا ہے، ورنہ اس کی ایسی تنقید آفتاب پر چھوکنے کے مترادف ہے
اور مشہور ہے کہ جو آفتاب پر چھو کے گا وہ اس کے منہ پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں صفت
صالحین کی محبت اور اتباع کا جذبہ پیدا فرمائے اور ان کے ساتھ سوء ظن سے محفوظ رکھے آمین
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وجميع متبعیہ الی یوم القیمہ آمین

احقر العباد

ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ

مددس بمسئمة العالم گوہر انوال

۲۴ ذوالحجہ ۱۴۳۸ھ ۲۹ مئی ۱۹۶۲ء

مکتبہ صفدریہ خود گھنٹہ گھر گرامر والہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی طبع سوا	احسن الکلام مسئلہ فاتحہ غلب الامام کی دلائل بحث طبع قسم	تسکین الصدور مسئلہ حیات النبی ﷺ دلائل بحث طبع قسم	الکلام المفید مسئلہ تقلید پر دلائل بحث	از الہ الریب مسئلہ علم نبی پر دلائل بحث طبع قسم
راہ سنت رد دعوات پر بلا جواب کتاب	آنکھوں کی ٹھنڈک مسئلہ حاضرہ پر دلائل بحث	احسان الباری بخاری شریف کی اقتداء کی احکامات	طائفہ منصورہ نجات پائے اسے اگر وہ کی حاجت	ارشاد الشیعہ شیعہ نظریات کا مکمل جواب
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	عبادات اکابر اکابر علماء و روحانیوں کی عبادات پر اعتراضات کے جوابات	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مختصر بحث	گلدستہ توحید مسئلہ توحید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ بخاری کی دلائل بحث
راہ ہدایت کرامت و عجرات کے بارے میں صحیح عقیدہ کی وضاحت	بانی دارالعلوم اویو بند ۱۹۱۰ء بمقام جمعہ ۱۲ جولائی کے حالات نزدیکی و دوری پر مرقعات کے فوائد	ینا بیع غیر مقلد عالم سرور عالم قائم رسول سے سارے تراویح کا اور دیگر	چراغ کی روشنی سمرات النبی کے بارے میں فتویٰ و جوابات اعتراضات کے جوابات	مسئلہ قربانی قربانی کی فضیلت اور ایسا قربانی پر دلائل بحث
عیسائیت کا پس منظر عیسائیوں کے عقائد کا رد	مقالہ ختم نبوت قرآن و حدیث کی روشنی میں	المسلک المنصور	اتمام البرہان رد توضیح البیان	توضیح المصراہ فی نزول کتاب علیہ السلام
آئینہ محمدی سیرت پر مختصر مآل	شوق حدیث حجیت حدیث پر دلائل بحث	ملا علی قاری اور مسئلہ طبع غیب و حاضرہ و غیر	تتقید متین پر تفسیر نعیم الدین	الکلام الحادی سارے کلمے و کلمات و غیرہ لیجے کی دلائل بحث
مودودی صاحب کا غلط فتویٰ	تقریر الخواطر جواب تحریر الخواطر	چہل مسئلہ حضرات بریلویہ	عمدۃ الاثبات تین طلاقیں کا مسئلہ	الظہار العیب بجواب اثبات علم غیب
سماع موتی	چالیس دعائیں	مقام ابی حنیفہ	صرف ایک اسلام	حکم الذکر بالجبر
اطیب الکلام مخلص احسن الکلام	انکار حدیث کے نتائج منکرین حدیث کا رد	مرزائی کا جنازہ اور مسلمان	مولانا ارشاد الحق اثری کا مجدد بانہ و اوہیلہ	اخفاء الذکر ذکر آہستہ کرنا چاہیے

خزائن السنن جلد دوم کتاب البیوع	جنت کے نظامے علماء اہل اہم کی کتاب حافظ الامام کا اردو ترجمہ	حمیدیہ فہم ساطرہ کی کتاب محمدیہ کا اردو ترجمہ	غیر مقلدین کے متضاد فتوے	مسئلہ نبی کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا عادلا نہ دفاع
بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں	تیس دن کا حساب کے بقایا و فضائل کی احکامات وضو کا مسنون طریقہ	تین طلاقیں کے مسئلہ پر مقالہ کا جواب مقالہ	الدور و الواضحہ فی شرح الکافیہ	مرد و عورت کے بدعت ہے

